کتاب الفتاوی

"زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب
ور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں،
حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں"

نواں حصہ

(قربانی، عقیقہ، ذبح، شکار، وقف، نکاح، رضاعت، طلاق، تجارت)

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

تقسیم کار

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : کتاب الفتاویٰ (نواں حصہ)

مصنف : حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب وکمپوزنگ : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

(قبا گرافکس، حیدرآباد، فون: 09704172672)

طبع اول : ٢٠١٤ء

صفحات : ٤٥٠

قیمت : ... روپے

باہتمام : (انڈیا)

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

ناشر : کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

فہرست مسائل

قربانی اور عقیقہ سے متعلق مسائل

ذبح وشکار سے متعلق مسائل

متفرقات

وقف سے متعلق مسائل

قبرستان سے متعلق احکام

نکاح سے متعلق مسائل

دودھ کے رشتہ سے متعلق مسائل

طلاق سے متعلق مسائل

حقوق سے متعلق مسائل

فسخ وتفریق سے متعلق مسائل

تجارت سے متعلق مسائل

کتاب الفتاوی

نواں حصہ

كتاب الأضحية والعقيقة

قربانی وعقیقہ سے متعلق مسائل

کس پر قربانی واجب ہے اور کس پر نہیں؟

غیر مقیم حضرات کی قربانی

سوال:- غیر مقیم حیدرآبادیوں کی اکثریت اپنی اور اپنے اہل خاندان کی قربانی عیدالاضحیٰ کے دن یہاں ادا کیا کرتے ہیں، اس سال سعودی عربیہ اور ہماری تواریخ ذی الحجہ میں دو دن کے فرق کے باعث اگر سعودی عربیہ میں مقیم افراد کی جانب سے قربانی عید کے دوسرے دن دی جائے تو سعودی تواریخ کے لحاظ سے ایام نحر ختم ہو جاتے ہیں اور قربانی ضائع ہو جانے کا امکان ہے، اس تعلق سے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا اس مقام کا اعتبار ہوگا جہاں قربانی دی جا رہی ہے یا شخص کے مقام کا اعتبار ہوگا؟ اگر سعودی تواریخ کا اعتبار ہوگا تو کیا ان افراد کی جانب سے قربانی ہم ہماری عید کے دن سے ایک دن قبل ادا کر سکتے ہیں، براہ کرم مطلع فرمائیں؟ (احمد وقارالدین، مراد نگر)

جواب:- قربانی کے اوقات کے سلسلہ میں فقہاء نے یہ اصول لکھا ہے کہ جہاں قربانی کی جائے وہاں کے وقت کا اعتبار ہوگا، بہ شرطیکہ اس پر قربانی واجب ہو چکی ہو، نہ کہ اس جگہ کا جہاں قربانی دینے والا شخص رہتا ہو، اس لئے اس صورت میں غیر مقیم حضرات کی طرف سے حیدرآباد میں دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تینوں دن قربانی دی جا سکتی ہے۔

جائز وناجائز قربانی

قربانی کی نیت

سوال:- قربانی کے لئے نیت کرنا ضروری ہے؟ لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جانور خرید الاور گھر پر رکھ دیا، بعد میں گھر کے لوگوں نے قربانی کر دی، اس وقت تازہ نیت نہیں کی گئی، تو کیا ایسی صورت میں قربانی درست ہو جائے گی؟

(معین الدین، تالاب کٹہ)

جواب:- قربانی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور تمام ہی عبادتوں میں نیت ضروری ہے، اس لئے قربانی کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی نیت کی جائے اور نیت وہ معتبر ہوتی ہے جو کسی عمل کی ابتداء میں کی جائے، پھر غور کیجئے تو قربانی کا عمل دو مرحلوں میں انجام پاتا ہے، پہلا مرحلہ: اس کے خرید کرنے کا، اور دوسرا مرحلہ: اس کو ذبح کرنے کا؛ اس لئے فقہاء نے دونوں کی گنجائش رکھی ہے، اگر جانور کے خرید کرتے وقت نیت کر لی گئی اور ذبح کرنے کے وقت دوبارہ نیت نہیں کی گئی تب بھی قربانی درست ہو جائے گی، اور اگر صرف ذبح کرنے کے وقت نیت کی جائے تو اور بھی بہتر ہے، نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نیت کے لئے زبان سے بولنا ضروری نہیں ہے، اگر دل میں ذبح کرتے وقت یا خرید کرتے وقت قربانی کا پختہ ارادہ ہو تو یہ بھی کافی ہے؛ کیوں کہ نیت کا تعلق دل سے ہے نہ کہ زبان سے، ہاں زبان سے بھی نیت کر لینا افضل

ہے، کیوں کہ خاص کر قربانی کے موقع سے آپ ﷺ سے نیت کے الفاظ کہنا ثابت ہے۔

قربانی کے ایام میں کس جگہ کا اعتبار ہوگا؟

سوال:- میرا لڑکا ملک سے باہر رہتا ہے، ہندوستان میں جس وقت ۱۰/ ذی الحجہ کا دن ہوگا، وہاں اس وقت عید سے پہلے کی رات ہوگی، اس نے مجھے قربانی کے لئے پیسے بھیجے ہیں، کیا میں اپنے اس لڑکے کی طرف سے ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح میں قربانی کر سکتا ہوں؟ نیز قربانی کی آخری تاریخ یہاں کے لحاظ سے ۱۲/ ذی الحجہ ہوگی یا وہاں کے لحاظ سے، یہاں جب ۱۳/ ہوگی، تو اس دن وہاں کی تاریخ ۱۲/ ہوگی، تو کیا ہمارے یہاں اس طرح سے ۱۳/ ذی الحجہ کو قربانی کرنا درست ہوگا؟ (اشرف الدین، عمرآباد)

جواب:- قربانی کے سلسلہ میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے، ایک یہ کہ قربانی واجب ہونے کے بعد ہی قربانی درست ہوگی، اور قربانی کی ادائیگی ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد واجب ہوتی ہے، لہذا جب آپ کے صاحبزادے پر ۱۰/ ذی الحجہ کی ابتدا ہی نہیں ہوئی، تو قربانی ان پر واجب ہی نہیں ہوئی، لہذا یہاں ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح میں آپ کا ان کی طرف سے قربانی کرنا درست نہیں ہوگا، دوسرا اصول یہ ہے کہ جہاں قربانی کی جائے وہاں کے وقت کا اعتبار ہوتا ہے، بشرطیکہ قربانی واجب ہو چکی ہو، لہذا ہندوستان کے لحاظ سے بارہ ذی الحجہ تک آپ قربانی کر سکتے ہیں، جیسے ہی یہاں ۱۲/ ذی الحجہ کی مغرب کا وقت شروع ہوگا، قربانی کا وقت ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد قربانی کرنا درست نہیں ہوگا۔

اگر ایک مسجد میں نماز ہوگئی اور دوسری میں نہیں؟

سوال:- اگر شہر کی ایک مسجد میں نماز ہوگئی ہے اور دوسرے علاقہ میں نہیں ہوئی ہے تو کیا دوسرے علاقہ میں قربانی کی جا سکتی

ہے؟ (محمد اختر، محبوب نگر)

جواب:- پورا شہر ایک ہی جگہ کے حکم میں ہے، البتہ اگر شہر کے کسی محلہ میں نماز عید ہو جائے تو پورے شہر والوں کے لئے قربانی جائز ہو جائے گی، یہی صحیح ہے۔

"لو استخلف الإمام من يصلي بضعفة الناس في المصر، فصلى أحد المسجدين أيهما كان، جازت الأضحية" (۱)

قربانی کے وقت دعاء کا حدیث سے ثبوت

سوال:- قربانی کرنے کے وقت کیا دعاء پڑھنی چاہئے، حدیث کی روشنی میں بتایئے۔ (رضی الدین، خیریت آباد)

جواب:- قربانی کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنے سے پہلے یا اس کے بعد یہ دعاء پڑھی جائے:

"اللهم إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين، اللهم منك ولك"

"اے اللہ! میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف یکسوئی کے ساتھ کرلیا، جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے فرماں برداروں

---

(۱) المحيط البرهاني ۹ / ۴۶۳

میں سے ہوں، اے اللہ! یہ قربانی آپ ہی کے حکم سے ہے اور آپ ہی

کے لئے ہے"۔

اس کے بعد بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور ذبح کرے، رسول اللہ ﷺ سے قربانی کرتے وقت یہ دعا پڑھنا ثابت ہے۔(۱)

نماز سے پہلے قربانی

سوال:- قربانی عید کی نماز ادا کرنے کے بعد کی جاتی ہے لیکن ہمارے یہاں ایسا ہوتا ہے کہ ایک گھر کے چند افراد جو ایک بڑے جانور میں شریک قربانی کرتے ہیں، کبھی ان میں سے کوئی ایسی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں جہاں نماز پہلے ادا کی جاتی ہے، اور اسی جانور کی قربانی میں شریک بعض افراد بعد میں ادا کی جانے والی جماعت میں شرکت کرتے ہیں، تو کیا پہلے نماز ادا کرنے والے بعد میں ادا کرنے والوں کی نماز کی ادائیگی سے پہلے اس مشترک جانور کی قربانی کر سکتے ہیں؟

(الف، وہیر)

جواب:- یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر قربانی کرنے والا شخص نماز ادا کرنے کے بعد ہی قربانی کرے، بلکہ جس شہر یا قصبہ میں قربانی کی جارہی ہے، اگر اس میں کسی بھی ایک جگہ بقرعید کی نماز ادا کی جا چکی ہے، تو گو ابھی دوسری مسجد وں میں نماز نہیں ہوئی ہو، پھر بھی قربانی کی جا سکتی ہے اور پہلی نماز کے بعد کچھ ایسے لوگوں کے جانور کی قربانی کر دی گئی، جو خود ابھی نماز سے فارغ نہیں ہوئے ہیں، تب بھی قربانی صحیح ہو جائے گی؛ چنانچہ فقہ حنفی کی معروف کتاب "محیط برہانی" میں ہے:

---

(۱) دیکھئے نیل الأوطار ۵؍۲۲

"إذا ضحى رجل من الناحية التي صلى فيها ، ومن الناحية الأخرى جاز" (۱)

نیز علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا ؛ لأنها صلاة" (۲)

اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں ان کی قربانی درست ہوگئی۔

خطبۂ عید سے پہلے قربانی

سوال:- گذشتہ سال ایسا ہوا کہ ہمارے گھر کے بعض افراد بقرعید کی نماز میں سلام پھیرتے ہی گھر آگئے اور ابھی امام صاحب نے خطبہ شروع ہی کیا تھا کہ قربانی کردی، اس کی وجہ سے بہت تردد ہوا کہ پتہ نہیں قربانی درست بھی ہوئی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائیں۔ (محمد احمد، مگاریڈی)

جواب:- یہ درست ہے کہ جہاں نماز عید ہوتی ہو وہاں نماز عید کے بعد ہی قربانی کرنا جائز ہے، البتہ اگر نماز مکمل ہوجائے، امام صاحب سلام پھیر دیں اور خطبہ شروع ہونے یا مکمل ہونے سے پہلے قربانی کردی جائے تو یہ قربانی درست ہوگی، "ولو صلى الإمام ولم يخطب جاز الذبح" (۳) لیکن یہ عمل مناسب نہیں ہے کہ انسان اللہ کی عبادت کے معاملہ میں اتنا جلد باز ہو کہ خطبہ پورا ہونے تک بھی انتظار نہ کرسکے، نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگر ایک آبادی میں کئی مسجدیں ہوں اور کسی ایک مسجد میں بھی نماز ہوجائے تو قربانی کی جاسکتی ہے۔

---

(۱) المحيط البرهاني ۸/۱۲۵ ، وقت الأضحية

(۲) الدر المختار مع رد المحتار ۹/۴۴۴

(۳) فتاوى هندية ۵/۲۹۵

دوسروں کی طرف سے قربانی

حجاج کی طرف سے قربانی

سوال:- جو لوگ حج کے لئے جاتے ہیں اور وہاں قران تمتع کی قربانی کرتے ہیں، کیا ان کے لئے یہاں بھی قربانی کرنی ہوگی؟ (آصف الدین، مراد نگر)

جواب:- جو حجاج منیٰ جانے سے پندرہ دنوں پہلے مکہ پہونچ گئے ہوں، تو وہ چوں کہ مقیم ہیں، اس لئے ان پر بقرعید والی قربانی بھی واجب ہوگی خواہ وہ وہاں قربانی کریں یا ان کی طرف سے ہندوستان میں قربانی کی جائے، اور اگر حج شروع ہونے سے پندرہ دنوں پہلے مکہ نہیں پہونچ پائیں، مثلاً: دس بارہ روز پہلے پہونچیں تو وہ مسافر ہیں اور مسافر پر بقرعید والی قربانی واجب نہیں ہوتی ہے، یہ حکم بقرعید والی قربانی کا ہے، تمتع اور قران کی قربانی جو حجاج پر واجب ہوتی ہے، اس کا تعلق مقیم ہونے اور مسافر ہونے سے نہیں ہے؛ بلکہ وہ حج کی وجہ سے ہے، اور اس کو حرم میں ہی ادا کرنا واجب ہے۔

بلا اطلاع قربانی

سوال:- میرے بھائی صاحب کویت میں رہتے ہیں، میری ان سے بات نہیں ہوسکی ہے کہ ان کی طرف سے یہاں قربانی کردی جائے، ایسی صورت میں ان کی اجازت کے بغیر یہاں قربانی

کردی، تو کیا قربانی درست ہو جائے گی؟ (سید ارشاد علی، حسنی عالم)

جواب:- قربانی ایک عبادت ہے، اور عبادت میں نیت وارادہ ضروری ہے اور جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے علم واطلاع کے بغیر جو عمل ہوگا ظاہر ہے کہ وہ نیت سے خالی رہے گا، اس لئے جس کی طرف سے قربانی ہورہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر قربانی درست نہیں ہوگی؛ بلکہ اگر مشترک قربانی میں اس نوعیت کا حصہ لیا گیا، تو کسی کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ (۱)

میت کی طرف سے قربانی کا مسئلہ

سوال:- آپ نے لکھا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے؛ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی وصیت فرمائی تھی، اس سلسلہ میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی، جب تک کہ میت کی طرف سے وصیت نہ ہو، نیز یہ بھی بتائیں کہ اگر وصیت کی بنا پر قربانی کی تو کیا وہ صحیح ہے اور میت کی طرف سے قربانی کے سلسلہ میں فقہاء کے مسالک کیا ہیں؟ (حسن الدین مظاہری، ممبئی)

جواب:- اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی جائز ہے، اگر میت نے وصیت کی ہو تب تو بالاتفاق جائز ہے:

" إذا أوصى الميت بالتضحية عنه أو وقف وقفا لذلك جاز بالاتفاق " (۲)

---

(۱) فتاوى خانية على هامش الفتاوى الهندية ۳۵۰/۳

(۲) الموسوعة الفقهية ۱۰۶:۲

اگر وصیت نہ کی ہو اور وارث یا غیر وارث قربانی کرنا چاہتا ہے تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک تو یہ بھی مطلقاً جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ؛ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک جب تک اس کی وصیت نہ کی ہو یا اس کی طرف سے اس مقصد کے لئے کوئی وقف نہ ہو تو قربانی درست نہیں:

" وذهب الشافعية إلى أن الذبح عن الميت لا يجوز بغير وصية أو وقف " (۱)

راجح یہی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی جائز ہے؛ اس لئے کہ اگر یہ جائز نہ ہوتی تو عین ممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ وصیت کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غلط فہمی کا ازالہ بھی فرما دیتے کہ یہ حکم صرف وصیت ہی کرنے والوں کے لئے ہے، دوسروں کے لئے نہیں، —— دوسرے میت کی طرف سے حج کرنا درست ہے، اس پر سبھوں کا اتفاق ہے؛ اسی طرح اہل سنت والجماعت کے نزدیک صدقہ اور مالی عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب بھی بالاتفاق درست ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ قربانی (جو مالی عبادات اور صدقہ ہی کی ایک صورت ہے) یہ بھی جائز ہو۔ (۲)

تیسرے: حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہوا، جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو منبر سے اترے، مینڈھا لایا گیا آپ ﷺ نے اسے ذبح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" هذا عني وعن من لم يضح من أمتي " (۳)

" یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے

---

(۱) الموسوعة الفقهية :۵/۱۰۶

(۲) بدائع الصنائع :۲/۱۰۳

(۳) الدار قطني ، كتاب الأشربة ، باب الصيد والذبائح الخ ،حدیث نمبر:۵۱، وكذا في المستدرك ، كتاب الأضاحي ،حدیث نمبر:۷۵۵۳

جنہوں نے قربانی نہ کی ہو''

یہ تعبیر عام ہے اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کی وفات اس سے پہلے ہو چکی ہو؛ اسی لئے صحیح یہی ہے کہ میت کی طرف سے وصیت نہ کرنے کی صورت میں بھی بطور ایصال ثواب کے قربانی کرنا درست ہوگا۔

(ب) اگر میت نے قربانی کی وصیت کی ہو تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس گوشت میں سے نہ کھایا جائے ؛ بلکہ پورے گوشت کو صدقہ کردے، اور اگر اس کی وصیت نہ ہو تو خود قربانی کرنے والا بھی اس گوشت میں سے کھا سکتا ہے:

" قال الصدر : المختار أنه إن ضحى بأمر الميت لا يأكل منها وإن بغير أمره يأكل "(۱)

لیکن مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ میت کے تمائی ترکہ میں سے قربانی کی جائے، اگر وارث یا کسی اور شخص نے اپنے مال میں سے اس کی طرف سے قربانی کی، یا مرنے والے نے اس کو اس کے اپنے مال میں سے قربانی کا حکم دیا ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو حکم دیا تھا تو اس کے گوشت کو صدقہ کرنا ضروری نہیں ہوگا، خود بھی کھا سکتا ہے ؛ کیونکہ یہ نفل قربانی ہے۔(۲)

دوسرے کی طرف سے قربانی کی اجازت؟

سوال:- میرا لڑکا امریکہ میں رہتا ہے، میں ہمیشہ اس کی طرف سے ہندوستان میں قربانی کر دیتا ہوں، پچھلے سال جب ہم نے اس کو قربانی کے بارے میں مطلع کیا تو اس نے کہا میں تو خود ہی اپنی قربانی کر چکا ہوں، ایسی صورت میں کیا میرا اس کی طرف سے

---

(۱) فتاویٰ بزازیہ:۶/۲۹۵

(۲) دیکھئے: إعلاء السنن : ۷/ ۲۱۸

قربانی کرنا درست ہوگا، میں اس سال بھی اس کی طرف سے بھی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں؟ (عظیم الدین، ملک پیٹ)

جواب :- قربانی ایک اہم عبادت ہے اور عبادتوں کی بنیاد نیت پر ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا درست ہونا نیت پر موقوف ہے: " إنما الأعمال بالنيات " (۱)؛ لہٰذا آپ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے لڑکے سے قربانی کی اجازت لے لیجئے؛ تاکہ اس کی نیت اس عمل میں شامل ہو جائے، اگر بلا اطلاع و اجازت ایک شخص دوسرے کی طرف سے قربانی کردے تو اس کی طرف سے قربانی درست نہیں ہوگی، البتہ یہ آپ کی طرف سے واجب، اور واجب قربانی کردی ہو تو نفل قربانی ہو جائے گی:

" فيجوز للإنسان أن يضحي بنفسه أو بغيره بإذنه؛ لأنها قربة تتعلق بالمال فتجري فيها النيابة سواء كان المأذون مسلما أو كتابيا " (۲)

دوسرے کی طرف سے قربانی کی دعا کب پڑھی جائے؟

سوال:- جب دوسرے کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے تو اس کا نام بھی لیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: " اللهم تقبل هذا من فلان " یہ دعا کس وقت پڑھنی چاہئے: ذبح کرتے وقت یا اس سے پہلے یا اس کے بعد؟

(صفدر علی قاسمی، دہلی)

جواب:- جس وقت جانور کو ذبح کر رہا ہے ٹھیک اس وقت اس دعا کو پڑھنا مکروہ ہے؛ کیونکہ اس وقت اللہ کے نام کے سوا کوئی اور نام زبان پر نہیں آنا چاہئے۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الإيمان، حديث نمبر: ۱

(۲) الفتاوى الهندية: ۲۹۳/۵

ہیں تو ان کی قربانی ۱۱/ ذی الحجہ کو ہونی چاہئے، جب کہ امریکہ میں ۱۰/ ذی الحجہ کی تاریخ ہو۔

واللہ اعلم

امریکہ میں رہنے والے کی قربانی، ہندوستان میں

سوال:- امریکہ وغیرہ ممالک جہاں دسویں ذوالحجہ کی صبح صادق نہ ہوئی ہو، وہاں کے باشندوں کی قربانی ہندوستان میں اگر دسویں ذی الحجہ کو کرلیں تو کیا قربانی درست ہوگی؟ (سید سراج، مدینہ طیبہ)

جواب:- قربانی کے وقت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جہاں قربانی ہورہی ہو، وہاں کا اعتبار ہوگا، جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، وہاں کے مقام کا اعتبار نہیں ہے: والمعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه (۱) — لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس شخص پر قربانی واجب ہوچکی ہو؛ کیوں کہ کسی چیز کے واجب ہونے سے پہلے ہی اس کو ادا نہیں کیا جاسکتا اور قربانی واجب ہوتی ہی ہے دسویں تاریخ کی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد، لہٰذا اگر کوئی شخص امریکہ میں ہو اور اس پر دسویں تاریخ کی صبح صادق طلوع نہیں ہوئی ہو، تو ابھی اس پر قربانی واجب ہی نہیں ہے، اس لئے ہندوستان میں اس کی طرف سے قربانی کردینا درست نہیں ہوگا، اسی صورت میں اس کی طرف سے گیارہ ذی الحجہ کو قربانی کرنی چاہئے۔

---

(۱) رد المحتار ۹/۶۱ ۔

قربانی کا جانور

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

سوال:- اسلام میں مختلف جانوروں کی قربانی کی اجازت دی گئی ہے؛ لیکن ان میں سے کس جانور کی قربانی افضل ہوگی؟ (محمد حبیب، شادنگر)

جواب:- جانور کے گوشت میں دو باتیں مقصود ہوتی ہیں، لذت اور کثرت؛ اس لیے دونوں باتوں کی رعایت مناسب ہے، گوشت اچھا بھی ہو اور مقدار بھی زیادہ ہو؛ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی دی، ان مینڈھوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان میں خصی ہونا، بڑا ہونا اور فربہ ہونا بھی ہے، ''موجوئین، عظیمین، سمینین'' (۱) اس میں خصی ہونے میں گوشت کے لذیذ ہونے کی رعایت ہے اور بڑے اور فربہ ہونے میں مقدار کی کثرت کا لحاظ ہے؛ اس لیے فقہاء نے ان ہی دو چیزوں کو اصل بنایا ہے، اولاً: جس کی قیمت زیادہ ہو وہ افضل ہوگا: ''البقر أفضل من الشاة إذا استويا قيمة'' (۲) اگر قیمت میں دونوں برابر ہوں تو جس میں گوشت زیادہ ہو وہ افضل ہے؛ اسی لیے مکمل گائے کی قربانی کو بکرے کی قربانی سے افضل

---

(۱) مسند احمد ۳۹۱/۳

(۲) فتاویٰ بزازیہ ۲۹۰/۲

قرار دیا گیا ہے، اگر قیمت اور گوشت کی مقدار میں دو طرح کے جانور برابر ہوں تو جس کا گوشت زیادہ لذیذ ہو اس کی قربانی کرنا افضل ہوگا۔

"اذا استویا فی اللحم والقیمة فأطیبهما لحما أفضل"(۱)

اسی بنیاد پر گائے میں ساتواں حصہ لینے کے مقابلہ بکرا ذبح کرنا افضل ہے:

"الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استویا فی القیمة واللحم"(۲)

جنس کے اعتبار سے بڑے جانور اونٹ گائے میں مادہ کی قربانی افضل ہے اور چھوٹے جانور بکرے، بھیڑ وغیرہ میں نر کی قربانی افضل ہے بہ شرطیکہ وہ خصی ہوں:

"إن الذکر فی الضأن والمعز أفضل لکنه مقید بما إذا کان موجوءا والأنثی من الإبل والبقرة أفضل"(۳)

قربانی کے جانور کی سینگ اور ہڈی

سوال:- آج کل سینگ اور ہڈی بھی فروخت ہوتی ہے، مشہور ہے کہ قربانی کے جانور کی یہ چیزیں دفن کردینی چاہئے، اس سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟ (احمد پاشا، گلبرگہ)

جواب:- جس جانور کی قربانی کی جائے اس کے تمام حلال و پاک اجزاء قابل استفادہ ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ ان اجزاء کو فروخت کر کے اس کی قیمت صدقہ کردی جائے، یہ بات ذہن میں رہے کہ قربانی کے جانور کی جو بھی چیز فروخت کی جائے، اس کی قیمت کو صدقہ کردینا واجب ہے، ان اجزاء کو دفن کردینا ناحق مال کو ضائع کرنا اور غرباء کو ایک نفع سے محروم رکھنا ہے، ہاں! جہاں اس کے خرید و فروخت کا انتظام نہ ہو، وہاں مجبوری ہے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۹/۴۶۷

(۲) درمختار مع الرد: ۹/۴۶۶

(۳) ردالمحتار: ۹/۴۶۶

سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی

سوال:- قربانی کے جانور چونکہ ریوڑ کی صورت میں لائے جاتے ہیں، اس لئے بعض دفعہ سینگ ٹوٹ جاتی ہے، بعض ایسے جانور بھی ہیں جن کو قدرتی طور سینگ نہیں ہوتی، اسی طرح جانور کو ہنکانے میں لکڑی چلانی پڑتی ہے، اس کی وجہ سے کان پھٹ جاتے ہیں، کیا ایسے جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے؟

(شفیع قریشی، سعید آباد)

جواب:- (الف) جس جانور کو پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں یا ہوں اور ٹوٹ گئی ہوں تو ان کی قربانی کرنا درست ہے؛ کیوں کہ سینگ سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں ہے؛ لیکن اگر سینگ اس طرح ٹوٹ گئی کہ بھیجے تک پہنچ گئی تو اب اس کی قربانی درست نہیں۔

"ویضحی بالجماء التي لا قرن لها یعني خلقه : لأن القرن لا یتعلق به مقصود ، و کذا مکسورۃ القرن بل أولی" (۱) "... فإن بلغ الکسر إلی المخ لم یجز" (۲)

(ب) رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانور کے سلسلہ میں خاص طور پر آنکھ اور کان کو دیکھ کر لینے کی تلقین فرمائی تھی، (۳) اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی جانور کے کان کا نصف سے زیادہ حصہ کٹا ہوا ہو، خواہ لمبائی میں یا چوڑائی میں، یا سوراخ کی شکل میں ہو، تو قربانی جائز نہیں ہوگی اور اگر نصف سے زیادہ حصہ بچا ہوا ہو تو قربانی درست ہوگی۔ (۴)

---

(۱) البحر الرائق : ۸/ ۱۷۶

(۲) رد المحتار : ۹/ ۴۶۷

(۳) ترمذی عن علی، حدیث نمبر ۱۴۹۸

(۴) البحر الرائق : ۸/ ۱۷۷

گابھن کی قربانی

سوال:- اگر قربانی کا جانور گابھن ہو تو کیا اس کی قربانی کر سکتے ہیں؟ اور اگر ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے بچہ نکلے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ (سید حنیظ الرحمن، نظام آباد)

جواب:- اگر قربانی سے پہلے معلوم ہو جائے کہ جانور گابھن ہے تو ایسے جانور کی قربانی سے احتراز کرنا چاہئے، فقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، جانور کے ذبح کرنے کے بعد اگر پیٹ سے مردہ بچہ نکلے تب تو وہ مردار کے حکم میں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، اور اگر زندہ نکلے تو اس کو ذبح کرکے کھانے کی گنجائش ہے، لیکن مستحب ہے کہ اس کو زندہ حالت میں ہی صدقہ کر دیا جائے اور کسی غریب شخص کو دے دیا جائے تاکہ وہ اس کی پرورش کرلے۔

بڑے جانور میں سات حصوں کا ثبوت

سوال:- کیا بڑے جانور میں بقرعید کی قربانی کے سات حصے کر سکتے ہیں؟ بعض سلفی حضرات کہتے ہیں کہ سات حصے صرف حج کی قربانی میں ہو سکتے ہیں۔ (عبدالستار قاسمی، ممبئی)

جواب: بقرعید کی قربانی میں بھی بڑے جانور میں سات حصے کیے جا سکتے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ بن سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

" البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة " (۱)

" گائے اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کیے جائیں گے "

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں منقول ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، بقرعید آگئی تو سات آدمی ایک گائے میں شریک ہو گئے: " حضر الأضحى فاشتركنا في البقرة سبعة " امام ترمذیؒ نے اس حدیث

(۱) أبو داؤد: ۲/ ۳۸۸

کو "حسن" قرار دیا ہے(۱) اور حاکم نیساپوریؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر ہے:

"هذا حديث صحيح على شرط البخاري، ولم يخرجاه" (۲)

اس پر نہ صرف ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، بلکہ سلفی مکتبِ فکر کے اہم ترین علماء کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے؛ چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں کہ حج کی قربانی اور بقرعید کی قربانی دونوں میں گائے کا سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے:

"وأما البقرة فتجزئ عن سبعة اتفاقا في الهدى والأضحية" (۳)

اور الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ یہی بات مولانا عبد الرحمن مبارکپوریؒ نے بھی لکھی ہے۔(۴)

ایک بڑے جانور میں چھ افراد کی شرکت

سوال:- ہم چھ لوگوں نے مل کر قربانی کی نیت سے گائے خریدی، بعد میں ایک اور صاحب نے اس میں شریک ہونے کا ارادہ کیا اور وہ بھی شامل ہو گئے؛ اس لئے پوچھنا یہ ہے کہ سات کے بجائے چھ ہی افراد ایک بڑے جانور میں شامل ہوں تو کیا اس طرح قربانی ہو جائے گی؟ (محمد رفیق واحباب، تاندیڑ)

جواب:- بڑے جانور کی قربانی میں زیادہ سے زیادہ سات افراد کی شرکت ہو سکتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ سات افراد کی شرکت ضروری ہے؛ اس لئے چھ یا اس سے کم افراد بھی ایک بڑے جانور میں شریک ہو سکتے ہیں؛ البتہ اگر جانور خریدتے وقت چھ یا اس سے کم افراد کی شرکت کی نیت تھی تو بعد میں مزید شرکاء کے اضافہ کے سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ان چھ افراد

---

(۱) ترمذی: ۱/ ۲۷۲ (۲) المستدرک: ۴/ ۲۵۲

(۳) عون المعبود: ۷/ ۳۹۱ (۴) دیکھئے تحفۃ الاحوذی: ۵/ ۳۷۷

پر پہلے سے قربانی واجب تھی، یعنی وہ صاحب استطاعت تھے، تب تو مزید شرکاء کا اضافہ کراہت کے ساتھ جائز ہوجائے گا، البتہ نئے حصہ داروں کے شریک ہونے سے قیمت میں جو کمی ہوتی ہے، اتنی مقدار صدقہ کردینا چاہئے، اور اگر ان پر یا ان میں سے کسی ایک پر قربانی واجب نہیں تھی، تو ایسی صورت میں مزید شرکاء کو ان میں شامل کرنا جائز نہیں ہے:

"وصح اشتراك ستة في بدنة شريت لأضحية (۱)" ...
وهذا محمول على الغني ؛ لأنها لم تتعين لوجوب الضحية
بها، ومع ذلك يكره لما فيه من خلف الوعد" (۲)

ذبیحہ قربانی کا مردار بچہ؟

سوال:- اگر قربانی کرنے کے بعد جانور کے پیٹ سے بچہ نکل آئے تو اس کا کھانا حلال ہوگا یا نہیں؟

(صبیح الدین، سعید آباد)

جواب:- اول تو جانور کا حمل ہو اور اس کی ولادت قریب ہو تو اس کو ذبح کرنا ہی مکروہ ہے، خواہ قربانی کے لئے ذبح کرے یا صرف گوشت کھانے کے لئے: "يكره ذبح الشاة إذا تقاربت ولادتها" (۳) لیکن اگر ذبح کر ہی دے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے تو اگر اس میں زندگی پیدا ہو چکی تھی تو اس کو بھی ذبح کردیا جائے اور اگر وہ مردہ تھا یا زندہ تھا، ذبح نہیں کیا جاسکا اور مرگیا، ہر صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں؛ کیونکہ وہ مردار ہے (۴) اور قرآن مجید میں مردار کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (۵)

---

(۱) الدر مع رد المحتار ۹: ۴۵۹
(۲) رد المحتار ۹: ۴۵۱
(۳) البحر الرائق ۸: ۱۲۱
(۴) حوالہ سابق
(۵) البقرة: ۱۷۳، النحل: ۱۱۵

اگر قربانی کے جانور سے جنین نکلے؟

سوال:- اگر گائے کی قربانی کرنے پر بچہ نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے کھایا جاسکتا ہے؟ (حفیظ الرحمن، پھولانگ)

جواب:- گائے کے پیٹ سے جنین کے برآمد ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ بچہ زندہ تھا، تو بالاتفاق اس کو ذبح کرنا ضروری ہے، ذبح کرنے کے بعد اس کا کھانا حلال ہے، اگر ذبح کرنے سے پہلے مرگیا تو اس کا کھانا جائز نہیں:

" إذا خرج بعد ذبح أمه إن خرج حيا فذكي يحل، إن مات قبل الذبح لا يؤكل بلا خلاف " (۱)

دوسری صورت یہ ہے کہ مردہ حالت میں نکلے اور ابھی اس کی تخلیق نامکمل ہو، اس کے بارے میں اتفاق ہے کہ اس کا کھانا درست نہیں:

" وإن خرج ميتا فإن لم يكن كامل الخلق لا يؤكل أيضا في قولهم جميعا " (۲)

تیسری صورت یہ ہے کہ جنین کامل الخلقت تھا، اس صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی اس کا کھانا حلال نہیں؛ کیونکہ وہ مردار ہے اور اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام فرمایا ہے۔ (۳)

قربانی کے جانور کا دودھ

سوال:- قربانی کے جانور خرید کر لائے، کہ بقرعید میں لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں گے، بعض جانور دودھ دینے کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے دودھ سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ واضح ہو کہ ہم لوگ قصاب ہیں اور بقرعید

(۱) بدائع الصنائع: ۱۵۹/۴ (۲) حوالہ سابق (۳) حوالہ سابق

کے موقع سے ہم جانوروں کو فروخت کرتے ہیں۔

(احمد ولی اللہ، مشیر آباد)

جواب:- اگر آپ کا ارادہ خود قربانی کرنے کا نہیں ہے، ان لوگوں کو بیچنے کا ہے جو قربانی کرنا چاہتے ہیں تو ابھی یہ جانور قربانی کے شمار نہیں ہوں گے؛ بلکہ یہ فروخت کے لئے ہیں، آپ اس کے دودھ سے استفادہ کر سکتے ہیں؛ لیکن جب کوئی شخص آپ سے قربانی کرنے کے لئے اس جانور کو خرید لے تو اب وہ قربانی کا جانور شمار ہوگا، اور خود اس شخص کا اس دودھ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا اور جو دودھ اس سے حاصل ہو اس کو صدقہ کر دینا واجب ہوگا:

"ولو حلب اللبن من الأضحية قبل الذبح أو جز صوفها يتصدق به ولا ينتفع به" (۱)

ایک خاندان کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی

سوال:- آج کل بعض حضرات کہتے ہیں کہ پورے خاندان کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی کافی ہے؛ کیوں کہ بعض روایات میں یہ بات آئی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک گھر کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کی جاتی تھی؟ (منور علی، اکبر باغ)

جواب:- شریعت میں تمام عبادتیں انفرادی حیثیت میں واجب ہوتی ہیں، جیسے ایک آدمی کی نماز دوسرے کی طرف سے کافی نہیں، پورے گھر والوں کی طرف سے ایک شخص کا روزہ رکھ لینا، پورے خاندان والوں کی طرف سے ایک شخص کا زکوۃ ادا کرنا کافی نہیں ہوتا، اسی طرح پورے گھر والوں کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی کیسے کافی ہو سکتی ہے؟ حضور ﷺ نے ہر مسلمان کے لئے فرمایا کہ جس کو گنجائش ہو اور پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری نماز گاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے:

---

(۱) فتاوی ہندیہ ۵ : ۳۰۱

"من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا"(۱)

حضور ﷺ کا یہ حکم امت کے ہر فرد کے لئے ہے، اگر ایک فرد کی قربانی کئی افراد کی طرف سے کافی ہوتی تو اس حدیث میں یہ تعبیر یقیناً نہیں ہوتی۔

رہ گئی وہ روایت جس میں ایک گھر والوں کی طرف ایک بکرے کی قربانی کا ذکر ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ عام طور پر صحابہ کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ قربانی واجب ہو؛ لیکن ایک نفل قربانی کرلی جاتی تھی؛ تاکہ پورا گھر گوشت کھانے میں اور بقرعید کا لطف اٹھانے میں شریک ہوجائے اس اعتبار سے ایک گھر کی طرف سے ایک قربانی کا ذکر آیا ہے۔

قربانی کا حصہ لینے والوں میں ایک شخص کا انتقال ہوجائے؟

سوال:- اگر ایک بڑا جانور سات اشخاص نے مل کر خریدا اور اتفاق سے قربانی سے پہلے ان میں سے ایک صاحب کا انتقال ہوگیا تو کیا اب ان ساتوں کی طرف سے اس جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے؟ (حشمت اللہ محبوب نگر)

جواب:- جس شخص کا انتقال ہوگیا، اس کا حصہ اب اس کے ورثہ کی ملکیت ہے؛ لہٰذا اب میت کی طرف سے اس حصہ کی قربانی کرنے میں ورثہ کی اجازت ضروری ہے، اگر ورثہ نے اجازت دے دی کہ ہمارے مورث کی طرف سے ان کے خریدے ہوئے حصہ کی قربانی کردی جائے تو پھر قربانی درست ہوگی اور اس کے ایک حصے کا ثواب مرحوم کو پہونچے گا اور اگر ورثہ سے اجازت نہیں لی گئی اور قربانی کردی گئی تو کسی کی قربانی درست نہیں ہوگی؛ کیوں کہ قربانی ایک عبادت ہے، عبادت کے لئے نیت ضروری ہے اور نیت مالکان ہی کی معتبر ہوتی ہے، نیز قربانی ایسا قابل تقسیم فعل نہیں جس کے ایک حصہ میں نیت کا وجود مان لیا جائے اور ایک حصہ میں نہیں مانا جائے:

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجب هي أو لا ؟ حدیث نمبر: ۳۱۲۳

" وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة ، وقال الورثة ، اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل ، ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم لأن بعضها لم يقع قربة " (۱)

جو جانور قربانی کی نیت سے خرید نہیں کیا گیا؟

سوال:- میں نے بہت پہلے ایک بکرا خریدا تھا، بعد کو ہم نے نیت کرلی کہ اس بکرے کی قربانی کریں گے؛ حالانکہ استطاعت کے اعتبار سے ہم پر قربانی واجب نہیں ہے، بعض علماء نے بتایا کہ ہم پر اب اس بکرے کی قربانی واجب ہوگئی؛ حالانکہ میں اپنے معاشی حالات اور بعض ضرورتوں کے تحت بقرعید میں اسے فروخت کردینا چاہتا ہوں؛ تاکہ کچھ اچھی قیمت آجائے، مہربانی کرکے اس سلسلہ میں رہبری فرمائیے۔　　(محمد شاہد، ٹولی چوکی)

جواب:- اگر کسی شخص نے قربانی کی ہی نیت سے کوئی جانور خرید کیا ہو؛ حالانکہ اس پر قربانی واجب نہ ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہو جاتی ہے؛ کیونکہ یہ اس کے حق میں نذر کے درجہ میں ہے، اگرچہ بعض اہل علم نے یہ شرط لگائی ہے کہ ایام قربانی میں کوئی جانور خرید کیا جائے تبھی اس کی قربانی واجب ہوگی، ورنہ نہیں:

" ووقع في التاتار خانية : التعبير بقوله : وشراها لها أيام النحر ، وظاهره أنه لو شراها لها قبلها لا تجب ولم أره صريحا ، فليراجع قوله ، وتصدق بقيمتها غني شراها أو لا كذا في الهداية " (۲)

(۱) الدر المختار مع الرد : ۴۶۱/۹

(۲) الفتاوی الهندية : ۲۹۱/۵ ، الهداية : ۴۴۵/۴

عام طور پر فقہاء نے ایامِ قربانی ہی میں جانور خرید کرنے کی قید نہیں لگائی ہے،(۱) نیز اس صورت میں قربانی واجب ہونے کا جو سبب قرار دیا گیا ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ ایامِ قربانی میں خریدنے یا اس سے پہلے خریدنے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہو؛ اس لئے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ جو بھی ایسے شخص نے ایامِ قربانی میں جانور خرید کیا ہو یا پہلے، ہر دو صورت میں قربانی واجب ہے، لیکن اگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہیں تھی، بعد میں اس کی قربانی کا ارادہ ہوگیا، یا خریدنے کی نوبت ہی نہیں آئی، کسی نے آپ کو بطور تحفہ وہدیہ دے دیا اور آپ نے اس کی قربانی کا ارادہ کرلیا تو اس صورت میں جانور کی قربانی واجب نہیں ہوگی۔

"ولو ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا تجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرًا" (۲)

اس لئے آپ اس کو فروخت کرسکتے ہیں اور اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔

اگر مملوکہ جانور کے بارے میں اشتباہ پیدا ہوجائے؟

سوال:- گذشتہ سال بقرعید میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ہم دو دوستوں نے قربانی کے لئے بکرے خریدے اور گھر لے آئے، بعد میں پہچان باقی نہیں رہی کہ کونسا بکرا کس کا ہے؟ بہرحال اندازہ پر قربانی کرلی گئی تو کیا یہ قربانی درست ہوگئی۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ (خواجہ احسن قادری، قاضی پورہ)

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية : ۲۹۱/۵، الهداية ۴۴۵/۴

(۲) فتاوی هندية ۲۹۱/۵.

جواب :- قربانی درست ہوگئی ، ایسی صورت میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے کہہ دیں کہ اگر یہ جانور میرا ہو تو میں نے اس کو تمہارے لئے مباح کردیا ، اس طرح سے ایک دوسرے کی اجازت سے قربانی کرلی جائے تو گو وہ اس کی ملکیت میں نہ ہو پھر بھی قربانی درست ہو جائے گی :

" ... وإن أذن كل واحد منهم أن يذبحها عنه أجزأته ولا شيء عليه " (۱)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار : ۴۴۳/۴

گوشت اور چرم

قربانی کا پورا گوشت اپنے ہی گھر میں خرچ کرلیا جائے؟

سوال:- میرے گھر میں ماشاء اللہ افراد خانہ کی اچھی خاصی تعداد ہے، اگر میں قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کے بجائے پورا کا پورا گھر ہی میں استعمال کرلوں، تو کیا اس کی گنجائش ہے؟

(نام غیر مذکور، بیدر)

جواب:- اگر قربانی نذر کی ہو، یعنی کسی شخص نے قربانی کرنے کی منت مانی تھی اور اس نے اسے پورا کیا، تب تو پورا کا پورا صدقہ کردینا واجب ہے، اس میں سے خود کھانا یا بچوں کو کھلانا جائز نہیں، اور اگر نذر کی قربانی نہیں تھی، بقرعید والی قربانی تھی تو افضل طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں، ایک تہائی اپنے گھر میں استعمال کرے، ایک تہائی رشتہ داروں اور پڑوسیوں پر صرف کرے اور ایک تہائی فقراء پر خرچ کیا جائے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا۔(۱) البتہ حنفیہ کے یہاں اسی مقدار کے مطابق تقسیم واجب نہیں ہے، مستحب ہے، اگر کوئی پورا گوشت اپنے ہی استعمال میں رکھ لے، تو اس کی بھی گنجائش ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے انفاق کے سلسلہ میں یہی اصول مقرر فرمایا ہے کہ اپنے اہل خانہ مقدم ہیں، ان سے بچنے کے بعد دوسروں کا حق ہے:

---

(۱) المغنی: ۱۱/۱۰۹

" إبدأ بنفسك فتصدق عليها ، فإن فضل شئ فلأهلك

و إن فضل شئ عن أهلك فلذي قرابتك . الخ " (۱)

یہی رائے فقہائے مالکیہ کی بھی ہے؛ لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کچھ نہ کچھ حصہ غرباء پر بھی خرچ کرنا ضروری ہے؛ (۲) اس لئے گنجائش ہے کہ پورا کا پورا گوشت آپ اپنے گھر میں خرچ کرلیں؛ لیکن بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ حصہ غرباء میں بھی تقسیم کریں؛ تاکہ تمام فقہاء کی نظر میں آپ کی قربانی اپنے مصرف میں استعمال ہوجائے۔ واللہ اعلم

قربانی کے گوشت کی تقسیم

سوال:- قربانی کے گوشت کی تقسیم کس طرح کرنا چاہئے؟ آج کل ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ اپنے استعمال کے لئے بکرا ذبح کرلیتے ہیں اور غریبوں میں تقسیم کے لئے بڑے جانور کی قربانی کرتے ہیں، کیا یہ صورت درست ہے؟ (صباح الدین، نلگنڈہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے گوشت کھاؤ، کھلاؤ اور کچھ جمع بھی کرسکتے ہو: " كلوا و أطعموا و ادخروا " (۳) اس سے فقہاء نے یہ بات اخذ کی ہے کہ گوشت کے تین حصے کئے جائیں، ایک تہائی غرباء پر خرچ کیا جائے، ایک تہائی سے دوست احباب کی مہمان نوازی کی جائے، اور ایک تہائی میں سے خود کھائے اور اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہے تو محفوظ رکھے اور مستحب یہ ہے کہ غرباء کا حصہ ایک تہائی سے کم نہ کرے:

" ويأكل من لحم الأضحية ، ويؤكل غنيا ويدخر ،

---

(۱) صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب الابتداء في النفقة بالنفس ثم أهله الخ ، حدیث نمبر: ۲۳۱۳

(۲) دیکھئے: نهاية المحتاج مع حاشية الشبراملسي والرشيدي : ۸/۱۳۳، المغني : ۱۱/۱۰۸

(۳) صحيح البخاري ، كتاب الأضاحي ، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما تزود منها ، حدیث نمبر: ۵۵۶۹

وندب أن لا ینقص الصدقة عن الثلث" (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قربانی خواہ بڑے جانور کی ہو یا چھوٹے کی، اس میں تقسیم کی ترتیب یہی ہونی چاہئے کہ غرباء کا بھی حصہ رکھا جائے، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ اچھا اور لذیذ گوشت اپنے لئے رکھ لیا جائے اور دوسرے درجہ کا گوشت غرباء کو دیا جائے، اس لئے چھوٹے جانور کا گوشت اپنے لئے مخصوص کر لینا قربانی کی روح کے خلاف ہے؛ کیوں کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے نہ کہ گوشت کھانا اور کھلانا —— اسی طرح مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھائے، چنانچہ علامہ شامی نے بدائع الصنائع کے حوالہ سے نقل کیا ہے: "ویستحب أیضا أن یأکل منها" (۲) ہاں اگر کوئی طبی مجبوری ہو، جیسے ڈاکٹر نے گوشت سے منع کیا ہو تو پھر پرہیز کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ پرہیز بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

مردوں کی طرف سے قربانی اور اس کے گوشت کا مصرف

سوال:- کیا مردوں کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو ان کے نام کا پورا حصہ غریبوں میں بانٹ دینا ہوگا یا اپنے استعمال میں بھی لا سکتے ہیں؟　(حافظ محمد کلیم، اورنگ آباد)

جواب:- حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قربانی فرمایا کرتے تھے۔ (۳)

جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اگر بطور خود اس کی طرف سے کر رہا ہے تو عام قربانی کی طرح اس کا حکم ہے، یعنی خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے، اور اگر میت کے حکم اور وصیت کے تحت اس کے ترکہ میں سے قربانی کی تو راجح یہ ہے کہ پورا گوشت صدقہ کر دے

"وقال الصدر المختار: إنه إذا ضحى بأمر المیت

---

(۱) الدر مع الرد: ۹/۲۸۲-۲۸۳

(۲) رد المحتار: ۹/۲۷۴　　(۳) ابوداؤد، حدیث: ۲۷۹۰

لا يأكل منها ، وإن بغير أمره يأكل " (١)

چرم قربانی سے امام ومؤذن کی تنخواہ

سوال:- یہاں کی جامع مسجد کے انتظام وانصرام کے لئے بقرعید کا چمڑا وصول کیا جاتا ہے، پھر اسی روپے سے امام ا مؤذن کو تنخواہ دی جاتی ہے، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس روپے کے مستحق امت کے غریب ونادار ہیں، لیکن یہ سب جانتے کے باوجود ذمہ داران مسجد ایسا کررہے ہیں، اگر اس صورت میں امام ومؤذن اس روپے سے تنخواہ لے لیں، تو گنہگار تو نہیں ہوں گے؟　　(نسیم اختر ندوی، میسور)

جواب:- چرم قربانی کی رقم سے امام ومؤذن کو تنخواہ دینا جائز نہیں، اس رقم کو غرباء پر بلا معاوضہ خرچ کرنا چاہئے:

" ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاك تصدق بثمنه " (٢)

چوں کہ روپے شرعاً متعین نہیں ہوتے ہیں، اس لئے جو رقم انہوں نے امام صاحب کو دی ہے، وہ ان کے حق میں جائز ہے اور وہ اس سلسلے میں گنہگار نہیں ہوں گے، البتہ ذمہ دار حضرات گنہگار ہوں گے، ذمہ داروں کو چاہئے کہ اتنی رقم تعاون کی مد سے غرباء پر صدقہ کردیں، اگر کہیں ایسی صورت حال ہو کہ سوائے اس رقم کے کوئی اور رقم مہیا نہ ہو اور امام اور مؤذن صدقہ کے مستحق ہوں، تو امام اور مؤذن صاحب کو چاہئے کہ فی سبیل اللہ اذان وامامت کی خدمت انجام دیں، اور ذمہ داران مسجد بطور معاوضہ نہیں؛ بلکہ بطور تعاون انہیں اتنی رقم دے دیں کہ جس سے ان کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

---

(١) فتاویٰ بزازیہ: ٦/٢٩٥　　(٢) الفتاوی الهندیہ: ٣٠٠/٥

متفرق مسائل

اگر ۱۰/ ذوالحجہ کو نماز عید نہ ہو سکے تو نماز کب پڑھے اور قربانی کب کرے؟

سوال: اگر کسی جگہ شہر کے غیر معتدل حالات کے پیش نظر ۱۰/ ذی الحجہ کو عید کی نماز نہیں ہو سکے تو کس طرح نماز ادا کی جائے گی اور کب سے قربانی کرنا درست ہوگا؟

(مجیب احمد، کریم نگر)

جواب: ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز عید نہ ہو سکی تو ۱۱/ ۱۲/ کو نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا ایسی صورت حال میں قربانی نماز عید کی ادائیگی پر موقوف نہیں ہوگی؛ بلکہ دس ذی الحجہ ہی کو ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد سے قربانی کی جا سکتی ہے:

"إذا أخر الإمام يوم العيد الصلاة ينبغي للناس أن يؤخروا التضحية إلى وقت الزوال الخ" (۱)

جانور اور گوشت کی پیشگی قیمت ادا کرنا

سوال: آج کل بہت سے دینی مدارس بڑے جانور کی

---

(۱) المحیط البرہانی ۸: ۴۶۴

قربانی کا نظم کرتے ہیں، اس سے مدارس کو بھی نفع ہوتا ہے، اور لوگوں کو بھی سہولت ہوتی ہے، خاص کر بڑے شہروں میں یہ بات ممکن نہیں ہوتی کہ لوگ اپنے گھروں میں قربانی کرلیا کریں، قربانی کے اجتماعی نظم کی وجہ سے آسانی سے قربانی ہوجاتی ہے، اس میں عام طور پر مدارس دو ڈھائی ماہ پہلے جانور کی مقررہ قیمت ادا کردیتے ہیں، اس سے انہیں وقت پر کم قیمت میں جانور مل جاتا ہے۔

اسی طرح بعض مدارس قصاب کو پہلے ہی کچھ رقم دے دیتے ہیں، اور قصاب انہیں روزانہ گوشت سپلائی کرتا ہے، اس میں قصاب کو بھی فائدہ ہوتا ہے کہ اسے قبل از وقت اور یک مشت پیسہ مل جاتا ہے اور وہ بازار سے سستے داموں جانور خرید کرلیتا ہے، اور مدرسہ والوں کو یہ سہولت ہوتی ہے کہ نسبتاً کم قیمت میں انہیں گوشت مہیا ہوجاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شرعاً جانور یا گوشت میں بیع سلم نہیں ہوسکتی، ایسی صورت میں ان مسائل کا کیا حل ہوگا؟ کیا شریعت میں اس کی بالکل گنجائش نہیں؟ (مفتی محمد جعفر قاسمی، کانپور)

جواب:- بیع سلم کی حقیقت یہ ہے کہ قیمت نقد ادا کردی جائے، اور جو چیز بیچی جارہی ہے وہ ادھار ہو، اس کے درست ہونے کے لئے بنیادی طور پر یہ بات ضروری ہے کہ معاملہ اتنا واضح ہو کہ آئندہ فریقین کے درمیان نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہے، اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہ نے جانور اور گوشت میں ایسی خرید و فروخت کو منع کیا ہے، جس میں قیمت پہلے ادا کردی گئی ہو اور یہ چیزیں ادھار ہوں؛ کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ کس قدر بھی ان کے اوصاف بیان کردئے جائیں پھر بھی ابہام باقی رہتا ہے، جانور ہی کو دیکھیں، ایک ہی نوعیت کے تمام جانوروں میں خاصا فرق ہوتا ہے، کوئی سست ہوتا ہے کوئی تیز، کوئی دیکھنے میں

زیادہ بھلا لگتا ہے، کوئی خوبصورت نہیں ہوتا، گوشت کی مقدار میں بھی فرق ہوتا ہے، اس لئے اس کا امکان رہتا ہے کہ جب بیچنے والا جانور حوالہ کرے تو خریدار کی توقعات پوری نہ ہوں اور نزاع پیدا ہو، امام ابوحنیفہؒ نے اسی لئے اس کو منع کیا ہے، البتہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کی اجازت دیتے ہیں، اگر ممکن حد تک ابہام کو دور کر کے معاملہ طے پائے:

" لا فی حیوان ما خلافاً للشافعی " (الدر المختار)

" ومعه مالك وأحمد " (۱)

گوشت میں اگر نوعیت واضح کر دی جائے یعنی یہ بات بتادی جائے کہ کس جانور کا گوشت فروخت کیا جا رہا ہے؟ تو ابہام کم رہ جاتا ہے، لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ ایک ہی نوع کے جانور کے گوشت میں بھی فرق ہوتا ہے، بوڑھے اور کم سن کے درمیان، نر و مادہ کے درمیان، فربہ اور دبلے جانور کے درمیان لذت اور پکنے میں سہولت کے اعتبار سے جو تفاوت ہوتا ہے، وہ ظاہر ہے، چوں کہ امام ابوحنیفہؒ خود بھی تاجر تھے، اس لئے تجارت کے مسائل کو انہوں نے نہایت دقیق نظر سے دیکھا ہے، چنانچہ وہ گوشت کی بھی اس طرح کی ادھار خرید و فروخت کو منع کرتے ہیں، چاہے "گوشت بلا ہڈی" ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو" ... ولحم ولو منزوع عظم " (۲)، البتہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور خود احناف میں امام ابویوسفؒ و محمدؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اتنے معمولی درجہ کے ابہام سے بچنا عام طور سے ممکن نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے آپس میں نزاع پیدا نہیں ہوتی، جہاں تک ان مسائل کے حل کی بات ہے، تو دوسری صورت میں تو دشواری نہیں، کیوں کہ گوشت کے سلسلہ میں فتویٰ ائمہ ثلاثہ (مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) اور صاحبین (ابویوسفؒ، محمدؒ) ہی کی رائے پر ہے

" وجوزاه إذا بين وصفه و موضعه : لأنه موزون معلوم ، وبه قالت الأئمة الثلاثة وعليه الفتوى " (۳)

---

(۱) رد المحتار : ۷/۴۵۸ (۲) الدر المختار : ۷/۴۵۹

(۳) الدر المختار : ۷/۴۵۹

پہلی صورت یعنی جانوروں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں بھی جمہور کی رائے جواز کی ہے، اگر قصاب حضرات کے یہاں اس کا رواج زیادہ ہو تو اس نقطۂ نظر پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ ایسی صورت میں قصاب کو رقم بطور قرض کے دی جائے، اور جس وقت جانور خریدیں، اس وقت قرض کو اس کی قیمت میں منہا کردیں، اس طرح جو رقم پہلے دی گئی ہے وہ بطور قرض کے ہوگی نہ کہ قیمت کے، اور جس وقت جانور لیا گیا، اس وقت نقد خرید و فروخت متصور ہوگی، اور اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

عقیقہ کے احکام

عقیقہ — چند احکام و مسائل

سوال: - عقیقہ کے تعلق سے چند سوال آپ کی خدمت میں پیش ہیں، جواب عنایت فرمائیں۔

۱ - کیا عقیقہ کرنا فرض ہے؟

۲ - کیا عقیقہ میں بکرا ہی ذبح کرنا ضروری ہے یا گائے بھی ذبح کی جاسکتی ہے؟

۳ - عقیقہ میں ذبح کئے جانے والے جانور کا گوشت ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار کھاسکتے ہیں؟ (نام غیر مذکور)

جواب: - ۱ - عقیقہ کرنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ احناف نے تو عام طور پر اسے صرف مباح قرار دیا ہے:

"العقيقة عن الغلام وعن الجارية ، مباحة لا سنة ولا واجبة " (۱)

لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا عقیقہ کرنا ثابت ہے، اس لئے ان فقہاء کی رائے زیادہ صحیح نظر آتی ہے، جن کے نزدیک ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے۔

---

(۱) ہندیہ : ۳۶۲/۵ ، نیز دیکھئے : بدائع الصنائع : ۳۰۷/۳

۲- عقیقہ بھی قربانی ہی کی ایک صورت ہے؛ کیوں کہ اس کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کا تقرب اور شکر ادا کرنا ہے؛ لہٰذا جیسے بقرعید اور حج کی قربانی میں گائے وغیرہ کو ذبح کیا جاسکتا ہے، اسی طرح بطور عقیقہ بھی گائے ذبح کی جاسکتی ہے، چاہے ایک بچہ کے عقیقہ میں پورا ایک جانور ذبح کردیا جائے یا مختلف بچوں کا عقیقہ کیا جائے، اور لڑکوں کی جانب سے دو اور لڑکیوں کی جانب سے ایک حصہ کے لحاظ سے سات حصے کرلئے جائیں، یہ رائے فقہاء حنفیہ کی تو ہے ہی، شوافع وحنابلہ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے اور مالکیہ کے نزدیک بھی اسی کو ترجیح ہے:

"یجزئ في العقیقة الجنس الذي یجزئ في الأضحیة، وهو الأنعام من إبل وبقر وغنم ... وهذا متفق علیه بین الحنفیة والشافعیة والحنابلة وهو أرجح القولین عند المالکیة" (۱)

۳- جو حکم بقرعید کی قربانی کے گوشت کا ہے، وہی عقیقہ کے گوشت کا بھی ہے؛ اس لئے اس میں سے ماں باپ، دادا دادی، اور خاندان کے دوسرے اعزہ بھی کھاسکتے ہیں؛ البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ ایک تہائی حصہ غرباء میں تقسیم کیا جائے، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا عقیقہ کے گوشت کو صدقہ کردینا چاہئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ اگر چاہو، تو تم خود بھی کھاسکتے ہو اور ہدیہ بھی کرسکتے ہو: "... قال: لا إن شئت کل وأهد" (۲)

بڑے جانور میں عقیقہ کے لئے حصہ

سوال:- ایک صاحب کسی کے بہکانے پر ایک گائے اگر سات عقیقے کئے، بعد کو معلوم ہوا کہ گائے کے سات حصے صرف بقر عید میں کئے جاسکتے ہیں، اب جن صاحب نے ایک گائے کاٹ کر سات عقیقے کئے ہیں، کیا یہ عقیقے جائز ہوئے یا دوبارہ بکرے کے ذریعہ عقیقہ کرنا پڑے گا؟ (مشتاق احمد، سلطان شاہی)

---

(۱) فتح الباری: ۵۹۳/۹ (۲) مصنف عبد الرزاق عن عطاء: ۳۳۲/۴

جواب:- بکروں کے ذریعہ عقیقہ کرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے بکروں ہی کے ذریعہ عقیقہ کیا ہے؛ لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں ہے، جیسے بقرعید میں شکرانہ کی قربانی کی جاتی ہے، اسی طرح عقیقہ بھی شکرانہ کی قربانی (دمِ شکر) ہے؛ اس لئے ایک بڑے جانور میں بقرعید کی قربانی ہی کی طرح عقیقہ کے لئے بھی سات حصے کئے جاسکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عقیقہ کا جانور اور اس کے گوشت کی تقسیم

سوال:- کیا عقیقہ گائے، بیل، بھینس، اونٹ، اونٹنی سے ہوسکتا ہے، اگر ہوسکتا ہے تو گوشت تقسیم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ (شیخ محمد افضل الرحمن معتبر، ظہیر آباد)

جواب:- جن جانوروں سے بقرعید کی قربانی کی جاسکتی ہے، ان ہی جانوروں سے عقیقہ کرنا زیادہ بہتر ہے، جس طرح قربانی کے گوشت کے سلسلہ میں مستحب ہے کہ اسے تین حصے کئے جائیں، ایک حصہ گھر میں خرچ کرے، ایک حصہ اہل ثروت اقارب اور دوستوں پر، اور ایک حصہ غریبوں پر، عقیقہ میں بھی گوشت تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ یہی ہے۔ (۱)

بڑے سے پہلے چھوٹے بھائی کا عقیقہ

سوال:- بڑے بھائی کا عقیقہ نہیں ہوا، چھوٹے کا کردیا گیا، کیا یہ درست ہے؟ (ایم اے سلیم، اندرانگر)

جواب:- ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ اسی دن نام بھی رکھا جائے اور بال بھی منڈایا جائے:

"الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع

---

(۱) شرح مہذب: ۸/ ۴۲۷

ویسمی ویحلق رأسه " (۱)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے نومولود کے بال کے ہم وزن چاندی بھی صدقہ کرنے کا حکم دیا (۲)، سات دنوں کے بعد عقیقہ کرنا محض مباح ہے، اس سے سنت تو ادا نہیں ہوگی؛ البتہ ان شاء اللہ اجر کی امید ہے، عقیقہ میں بڑے چھوٹے کی ترتیب نہیں؛ بلکہ ہر شخص کی مستقل حیثیت ہے؛ اس لئے اگر بڑے بھائی کا عقیقہ نہ ہوا ہو اور چھوٹے بھائی کا ہو جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

---

(۱) ترمذی، کتاب الأضاحی، باب من العقیقة، حدیث نمبر: ۱۲۰۵

(۲) سنن الترمذی، کتاب الأضحیة، باب العقیقة بشاة، حدیث نمبر: ۱۲۰۳

نومولود – اذان، نام اور ختنہ

نومولود کے کان میں اذان کا طریقہ

سوال:- (الف) نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ کیا ہے؟

(ب) اذان دینے کے وقت بچہ کو جس نام سے پکارا گیا بعد میں کیا دوسرے نام سے پکارا جا سکتا ہے؟

(جمیل احمد، سعید آباد)

جواب:- (الف) نومولود کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا حدیث میں مروی ہے(۱)، علامہ سندی نے اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ قبلہ رخ ہو کر بچہ کو اپنے ہاتھ میں لے اور دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے:

" قال السندي : يرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة و يؤذن في أذنه اليمنى ويقيم في اليسرى " (۲)

(ب) کان میں اذان دینے کے بعد نام پکارنے کی ضرورت نہیں، اذان تو ولادت کے بعد فوراً کہی جاتی ہے اور نام ساتویں دن تک رکھا جا سکتا ہے اور جو نام ساتویں دن

(۱) دیکھئے الموسوعۃ الفقہیۃ ۲: ۳۷۲

(۲) تقریرات الرافعي علی الرد ۲: ۴۵

عقیقہ کے وقت رکھا جائے بعد میں اسے بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

فون پر نومولود کے کان میں اذان واقامت

سوال:- میرے ایک دوست کے بچے کی ولادت ہاسپٹل میں ہوئی، وہاں کوئی مرد موجود نہیں تھا، چنانچہ ان کے گھر اطلاع دی گئی، ان کے والد نے جو خود ہاسپٹل نہیں پہنچ سکتے تھے، فون پر نومولود کے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کے کلمات کہے، کیا اس طرح فون پر کان میں اذان دینا کافی ہو گیا یا دوبارہ اذان کے کلمات کہنے ہوں گے؟

(اورنگ زیب خاں، باغ جہاں آراء)

جواب:- اصل یہ ہے کہ اذان براہ راست کان میں دی جائے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے کان میں اذان واقامت کے کلمات کہے ہیں، فقہاء نے بچوں کے کان میں اذان واقامت کے جو آداب بتائے ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ بچہ اذان دینے والے کے سامنے ہو اور اذان دینے والے کا رخ قبلہ کی طرف ہو، یہ بالمشافہ اذان دینے کی صورت ہی میں ممکن ہے:

فیرفع المولود عند الولادة علی یدیه مستقبل القبلة (۱)

اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں اگر خواتین میں سے کوئی اذان کے کلمات بچہ کے کان میں کہہ سکتی ہوں تو ان کا یہ عمل بہتر ہے، عورتوں کے لئے جو اذان دینے کی ممانعت ہے، وہ نماز والی اذان کے لئے ہے، کیونکہ عورتوں کی آواز میں بھی ستر اور پوشیدگی مطلوب ہے، اور نماز کے لئے جو اذان دی جاتی ہے، اس کا مقصد زیادہ سے زیادہ اعلان واظہار ہے، بچوں کے کان میں اذان دینے میں آواز غیر محرموں تک نہیں پہنچتی؛ اس لئے

---

(۱) تکملة الرافعی علی الرد ۳: ۱۲۵

عورتیں بھی بچوں کے کان میں اذان کے کلمات کہہ سکتی ہیں، تاہم اگر بالمشافہ اذان دینے میں دشواری کی وجہ سے کوئی شخص فون پر اذان کے کلمات کہہ دے اور فون نومولود کے کان میں لگا دیا جائے، تو یہ بھی ان شاء اللہ کافی ہو جائے گا، کیوں کہ نومولود کے کان میں اذان واقامت کے کلمات کا مقصد یہ ہے کہ پہلی آواز جو اس کے کان میں جائے، اس میں اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہو، اور یہ مقصد بوقت مجبوری ٹیلی فون پر اذان کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

اذان کب دی جائے؟

سوال:- دواخانہ میں تولد شدہ لڑکا یا لڑکی کے کان میں اذان کے الفاظ فون کے ذریعہ بولنے سے بچہ کے کان میں اذان کہنے کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ (سیف الاسلام، محمد نگر)

جواب:- بچے کو اذان کس وقت دی جائے؟ اس سلسلہ میں حدیث میں کسی خاص وقت کی صراحت منقول نہیں؛ البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ حتی المقدور جلد اذان واقامت کے کلمات بچہ کے کان میں کہہ دے؛ کیونکہ حضرت ابو رافع ؓ کی روایت ہے کہ جس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، آپ ﷺ نے حضرت حسن ؓ کے کان میں اذان دی، " حین ولدته فاطمة "(۱) اس تعبیر سے خیال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اذان دینا بلا تاخیر تھا؛ اس لئے ممکن حد تک عجلت کرنی چاہئے؛ تا کہ بچہ کے کان میں جو پہلی آواز جائے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاک ذکر سے متعلق ہو۔

چونکہ اصل مقصود بچے کے کان میں اذان کی آواز کا پہنچنا ہے، اس لئے فون کے ذریعہ اذان واقامت کہنا بھی کافی ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم) لیکن بہتر یہی ہے کہ بالمشافہ اذان دی جائے؛ کیونکہ کان میں اذان کہنے کے جو آداب فقہاء ومحدثین نے ذکر کئے ہیں، وہ اسی صورت ادا ہو سکتے ہیں، علامہ سندھی فرماتے ہیں:

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸: ۵۹۔

''نومولود کو ولادت کے وقت قبلہ رخ کر کے ہاتھوں پر رکھا جائے، اس کے دائیں کان میں اذان کہی جائے اور بائیں کان میں اقامت، نیز ''حی علی الصلاۃ'' میں دائیں جانب اور ''حی علی الفلاح'' میں بائیں جانب رخ کیا جائے'' (۱)

ظاہر ہے یہ آداب فون پر ادا نہیں ہو سکتے۔

نومولود کے کان میں باآواز بلند یا عورت کا اذان کہنا

سوال:- بچہ کی پیدائش کے موقع پر جو کان میں اذان واقامت کہنے کا حکم ہے، کیا یہ اذان بلند آواز میں کہی جائے گی؟ اور کیا بچوں کے کان میں عورت کا بھی اذان کہہ دینا کافی ہے؟

(محمد مشفق قاسمی، اورنگ آباد)

جواب:- نمازوں کے لئے اذان واقامت بلند آواز میں اس لئے کہی جاتی ہے کہ اس کا مقصود اطلاع واعلان ہے، اور بچوں کے کان میں تبرکاً اذان کہنے کا حکم ہے؛ اس لئے ایسی آواز میں اذان وقامت کے کلمات کہنے چاہئیں کہ کان میں آواز پہنچ جائے اور معمولی طریقہ پر زور سے کہے، بہت بلند آواز میں کہنے کی ضرورت نہیں، اسی طرح عورت کو اذان دینے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس کی آواز سے فتنہ کا اندیشہ ہے، اور یہ اس وقت ہے جب آواز بلند ہو اور غیر محرموں تک پہنچے، اگر کوئی عورت بچہ کے کان میں اذان دے اور وہاں غیر محرم لوگ موجود نہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

نومولود کا نام کب رکھا جائے؟

سوال:- بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس کا نام رکھنا چاہئے یا ساتویں دن نام رکھا جائے؟ براہِ کرم اس کے بارے میں

(۱) تکملۃ رافعی علی رد المحتار: ۲/۱۳۵

بتائیں، کیونکہ ہسپتال میں ولادت کے بعد ڈسچارج ہونے سے پہلے پہلے نام درج کیا جاتا ہے؟ (محمد عارف، ہمایوں نگر)

جواب:- بعض حدیثوں میں پیدائش کے دن ہی نام رکھنے کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں اس پر مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے اور ایسی روایتیں جمع کر دی گئی ہیں، (۱) بعض حدیثوں میں آپ ﷺ کا ارشاد ملتا ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور نام رکھا جائے، (۲) امام بخاری نے دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق پیدا کی ہے کہ اگر عقیقہ کرنے کا ارادہ ہو تو ساتویں دن نام رکھے اور اگر ابھی عقیقہ کرنے کا ارادہ نہ ہو تو ولادت کے دن ہی رکھ دے (۳) شارح بخاری حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی اس تطبیق کو بہت سراہا ہے: ... وهو جمع لطيف ولم أره لغير البخاري (۴) — غرض کہ مستحب طریقہ تو یہ ہے کہ عقیقہ ولت کرنا ہو تو ساتویں دن نام رکھا جائے، لیکن اگر قانونی طور پر نام لکھنے کی ضرورت ہو تو پہلے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ ضرورت کی بنا پر تو واجبات میں بھی چھوٹ دی جاتی ہے اور یہ تو مستحبات میں سے ہے۔

نام رکھنا کس کا حق ہے؟

سوال:- مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکا دیا ہے، میرے شوہر اس کا نام "حذیفہ" رکھنا چاہتے ہیں اور میرے والد "عمران"، اب میں پریشان ہوں کہ بچہ کو کس نام سے پکارا جائے؟

(شبانہ آفرین، قاضی پورہ)

---

(۱) دیکھئے: مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۴۵

(۲) سنن ترمذی، أبواب الأضاحي، حدیث نمبر: ۱۵۲۲

(۳) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۴۶۷، باب تسمية المولود غداة الخ

(۴) فتح الباري: ۱۰/ ۲۳۳، باب العقيقة

جواب:- یوں تو دونوں ہی نام اچھے ہیں اور ایک شخص کے دو نام بھی ہو سکتے ہیں، خود رسول اللہ ﷺ کا نام آپ کے دادا نے "محمد" رکھا تھا اور والدہ نے "احمد" (ﷺ)؛ لیکن نام رکھنا اصل میں لڑکے کے والد کا حق ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اولاد پر والد کا حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے: "إن من حق الوالد على الولد أن يحسن اسمه" (۱) اس لئے آپ کے شوہر کا حق اس سلسلہ میں مقدم ہے۔

نومولود کے کان میں اس کا نام پکارنا

سوال:- اکثر دواخانوں میں لڑکا یا لڑکی کے تولد ہونے کے بعد اذان کے کلمات کانوں میں کہے جاتے ہیں اور بچے کا نام لے کر پکارا جاتا ہے۔ (الیس، کے برہان الدین، ورنگل)

جواب:- بچے کی ولادت کے بعد کان میں اذان دینا حدیث سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے نوجوانان جنت کے سردار سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے کانوں میں نفس نفیس اذان دی ہے، (۲) بظاہر اس کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کے کان میں جو پہلی آواز پڑے، اس میں اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہو؛ لیکن نام لے کر پکارنے کی کوئی اصل نہیں ؛ بلکہ بعض روایتوں سے ساتویں دن نام رکھنا معلوم ہوتا ہے، جبکہ اذان واقامت کے کلمات پیدائش کے فوراً بعد کہے جاتے ہیں، اس لئے بچوں کے کان میں نام لے کر پکارنے کی ضرورت نہیں، یہ بے معنی عمل ہے۔

نومولود کا بال کب مونڈا جائے؟

سوال:- نومولود کا بال کتنے دنوں کے بعد مونڈایا جا سکتا

---

(۱) مجمع الزوائد، حدیث نمبر ۱۳۸۲۹

(۲) أبو داؤد عن أبي رافع عن أبيه، حدیث نمبر ۵۱۰۵، والمستدرك للحاكم عنه، حدیث نمبر ۴۸۲۷۔

ہے؟ بعض بچے بہت کمزور ہوتے ہیں، ان کے سر کی کھوپڑی بہت
نرم ہوتی ہے؛ اس لئے ڈاکٹر دیر سے بال مونڈانے کو کہتے ہیں،
ایسی صورت میں اگر بال مونڈانے میں مہینہ دو مہینہ کی تاخیر
ہوجائے تو کیا اس میں کچھ حرج ہے؟ (محمد صغیر خاں، ورنگل)

جواب :- اصل میں بال کا ساتویں دن مونڈ دینا مسنون ہے، حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ گویا اپنے عقیقہ کے بدلے گروی رہتا ہے، یہاں تک کہ ساتویں دن اس کا عقیقہ کردیا جائے، اس کا نام رکھ دیا جائے اور اس کا بال مونڈ دیا جائے۔

" کل غلام مرتهن بعقيقته ، تذبح عنه يوم السابع
ويسمى ويحلق رأسه " (۱)

البتہ یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے، ساتویں ہی دن کاٹنا ضروری نہیں، اگر ساتویں دن بال کاٹنے میں بچے کی صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کرنا چاہئے؛ کیوں کہ صحت کی حفاظت واجب ہے اور ساتویں دن بال مونڈانا مستحب ہے اور واجب مستحب پر مقدم ہے۔

سن رسیدہ نومسلم کا ختنہ

سوال :- ایک صاحب جو کافی ضعیف ہوچکے ہیں،
انہوں نے اسلام قبول کیا ہے، ان کے ختنہ کے سلسلہ میں ڈاکٹروں
کی رائے ہے کہ اب ختنہ نامناسب ہے، کیا ان کا ختنہ کرنا از روئے
شرع ضروری ہے؟ (عرفان فضل، ورنگل، سعید آباد)

جواب :- اگر معتبر ڈاکٹروں کی رائے ہو کہ ضعف و کمزوری وغیرہ کی وجہ سے ختنہ

---

(۱) ترمذی، أبواب الأضاحي، باب من العقيقة، حديث نمبر: ۱۵۲۲

غرض کہ اس سلسلہ میں ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے، یہ بات درست نہیں کہ نانی، چچی، پھوپھی وغیرہ حاملہ ہوں تو ختنہ نہیں کرانا چاہئے، یہ محض وہم ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

متفرقات

نومولود کے سر میں عقیقہ کے جانور کا خون ملنا

سوال:- عقیقہ کے لئے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں بعض مقامات پر رواج ہے کہ ذبیحہ کا خون اس بچہ کے سر میں ملا جاتا ہے، جس کا عقیقہ کیا جائے گا اور سمجھا جاتا ہے کہ اس سے بچہ کی جان و صحت کی حفاظت ہوتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ (مرزا امجد بیگ، فتح دروازہ)

جواب:- ذبیحہ کا خون نومولود کے سر پر لگانا زمانہ جاہلیت کی رسم تھی، اسلام نے اس نامعقول رسم کو ختم کیا اور خون کے بجائے نومولود کے سر پر زعفران ملنے کی گنجائش رکھی ہے، تاکہ آلودگی کا اچھی طرح ازالہ ہو جائے، بدبو دور ہو جائے اور شاید اس طرح بچہ کو حرارت بھی حاصل ہو؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں بچے کے سر میں عقیقہ کا خون لگایا کرتے تھے، جب اسلام آیا تو ہم خون کے بدلے زعفران لگانے لگے،(۱) پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے عقیقہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ بچہ کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے "اذی" یعنی ناپاک شئی کو دور کردو۔

(۱) بیہقی عن أبي هريرة، باب لا يمس الصبي بشيء من دمها، حدیث نمبر: ۱۹۰۷۱

"... مع الغلام عقيقته فأهريقوا عنه دمًا وأميطوا عنه الأذى" (۱)

ناپاک شئی کو دور کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے بال صاف کردے؛ کیوں کہ ماں کے پیٹ میں وہ خون سے آلودہ رہتا ہے، اب اگر زعفران کے بجائے خون نومولود کے سر میں ملا جائے تو یہ نجاست اور آلودگی کو دور کرنے کے بجائے اس کو مزید آلودہ کرنے کے مترادف ہوگا۔

عقیقہ میں قصاب کو گوشت دینا

سوال:- عوام میں ایک بات مشہور ہے کہ عقیقہ کے جانور میں سے ٹانگ کا حصہ قصاب کو دے دینا چاہیے، یہ کہاں تک درست ہے؟ (عبدالمقتدر، بیگم پیٹ)

جواب:- عقیقہ کے جانور کے گوشت اور چرم کا وہی حکم ہے، جو حکم قربانی کے جانور کا ہے، قصاب کو بطور اجرت نہ قربانی کا گوشت دینا جائز ہے نہ عقیقہ کا، اور بطور تحفہ دونوں کو دیا جا سکتا ہے، گوشت کا کونسا حصہ دیا جائے؟ یہ بھی متعین نہیں ہے؛ البتہ یہ بات روایت میں آئی ہے کہ خواتین جنت کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے عقیقہ کے جانور کی ٹانگ دایہ کو دی تھی، یہ روایت مستدرک حاکم میں آئی ہے، اور حاکم نے —— جو بڑے پایہ کے محدث ہیں —— اس کو صحیح یعنی معتبر قرار دیا ہے، (۲) لیکن یہ ایک اتفاقی بات تھی، آپ نے حکم شرعی کی حیثیت سے یہ عمل نہیں فرمایا تھا۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، عن سلمان بن عامر، كتاب الضحايا، باب في العقيقة، حدیث نمبر: ۲۸۳۹

(۲) مختصر البدر المنير، حدیث نمبر: ۲۱۵۳

کتاب الفتاوی

نواں حصہ

کتاب الذبح والصید

ذبح وشکار سے متعلق مسائل

ذبح

ذبیحہ کے حلال ہونے کی شرطیں

سوال:- جیا گوڑہ بکرے کی منڈی میں ذبح کرنے والے نہ عالم و حافظ ہیں نہ دیندار، یہاں پر جانوروں کو قبلہ رخ بھی نہیں لٹایا جاتا ہے، اور بغیر پانی پلائے ذبح کر دیا جاتا ہے، جو شریعت میں بالکل غلط اور حرام طریقہ ہے؛ اس لئے روشنی ڈالئے کہ حلال جانوروں کو ذبح کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ (محمد اسماعیل، پارکس)

جواب:- ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ وہ جانور خود حلال ہو، حرام یا مردار نہ ہو، دوسرے: ذبح کرنے والا مسلمان یا یہودی و عیسائی ہو، تیسرے: ذبح کرتے وقت صرف اللہ کا نام لیا گیا ہو، نہ غیر اللہ کا نام لیا جائے نہ جان بوجھ کر اللہ کا نام لینا ترک کیا جائے، اگر یہ تینوں باتیں پائی جائیں تب ذبیحہ حلال ہوگا، (۱) —— ذبیحہ کا قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں اور نہ ذبح کرنے سے پہلے جانور کو پانی پلانے کی ضرورت ہے، ہاں، ذبح کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ رکھا جائے، نیز چھری سے ذبح کیا جائے اور جانور کے سامنے چھری کو تیز کرنے سے بچایا جائے؛ کیوں کہ یہ جانور کی تکلیف میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ۳/۴۲-۱۵۵

پانی پلائے بغیر بکرا ذبح کرنا

سوال:- ہم نے دیکھا ہے کہ "بھولی گوڑ، کمیلہ سکندرآباد" میں ہزاروں کی تعداد میں بکروں کو پانی پلائے بغیر ذبح کیا جاتا ہے اور ذبح کرنے والے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں ہوتی، غلط گفتگو کرتے ہوئے جانور ذبح کر دیتے ہیں، ایسی صورت میں کیا ان کا ذبیحہ حلال ہوگا؟

(غوث طارق، مشیرآباد)

جواب:- بکرے یا جانور کو ذبح کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پہلے اسے پانی پلایا جائے، داڑھی منڈانا فسق ہے، اس سے بچنا چاہئے، لیکن ذبیحہ فاسق مسلمان کا بھی حلال ہوتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اگر بسم اللہ کہنا بھول جائے تب تو ذبیحہ حلال ہوگا، لیکن قصداً بسم اللہ نہ کہنا درست نہیں اور ایسی صورت میں ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، —— بری بات سے تو یوں بھی بچنا چاہئے، لیکن خاص کر عین فعل ذبح کے وقت ایسا کرنے کی وجہ سے ذبیحہ کا حلال ہونا مشکوک ہو جاتا ہے، قصاب حضرات کو اس سے بچنا چاہئے اور جمعیۃ القریش کے ذمہ داروں کو اس کی تحقیق کرنی چاہئے کہ کیا واقعی اس سوال میں صداقت ہے؟ اور اگر واقعی ایسا ہو تو اس کا سدباب ہونا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

ذبح کرتے وقت قبلہ رخ ہونا

سوال:- ذبح کرنے کے وقت کیا جانور کو قبلہ رخ کرنا ضروری ہے؟ اگر قبلہ رخ نہیں کیا گیا یا کرنا بھول گیا تو کیا ذبیحہ میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے گی؟ (محمد عزیز، مہدی پٹنم)

جواب:- جانور کو ذبح کرنے کے وقت مستحب ہے کہ ذبح کرنے والا بھی قبلہ رخ ہو اور ذبیحہ کو بھی قبلہ رخ رکھا جائے، جان بوجھ کر قبلہ کی رعایت نہ کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ یہ

سنت کے خلاف ہے:

"وکره ترک التوجه إلى القبلة لمخالفة السنة" (۱)

فیکره ترکه بلا عذر" (۲)

اس لئے بلا عذر ایسا کرنے سے بچنا چاہئے اور اس لئے بھی کہ بعض فقہاء نے ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ لٹانے اور خود قبلہ رخ ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔(۳) اور عمل ایسا کرنا چاہئے جو تمام اہل علم کے نزدیک درست ہو۔

اگر ذبح کرتے وقت جانور میں حرکت نہ ہو؟

سوال:- اگر جانور ذبح کرتے وقت اسے کوئی حرکت نہیں ہوئی تو اسے مردار سمجھا جائے گا یا حلال؟

(حافظ جمیل احمد، ورنگل)

جواب:- جانور کے حلال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ذبح کرنے کے وقت اس میں زندگی کی رمق باقی ہو، اگر بالکل زندگی نہ ہو تو مردار سمجھا جائے گا؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ذبح کے وقت جانور میں کوئی جنبش نہ ہو اور خون نہ نکلے تو اگر اس کا منہ کھلا ہوا ہو، پاؤں پھیل گیا ہو، بال بچھ گئے ہوں تو مردار شمار ہوگا، اور اگر منہ ملا ہوا ہو، آنکھ بند کرلی ہو، پاؤں پھیلے ہوئے نہ ہوں اور بال کھڑے ہوں تو یہ زندگی کے پائے جانے کی علامت ہوگی اور اس کا کھانا حلال ہوگا، علامہ حصکفیؒ نے ان علامتوں کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طریقہ پر بھی ذبح کرنے کے وقت اس کا زندہ ہونا معلوم ہو جائے، چاہے معمولی درجہ کی حیات ہو، تو اس کا کھانا حلال ہوگا، ورنہ نہیں۔

"و إن علمت حياتها و إن قلت وقت الذبح أكلت

---

(۱) در مختار مع الرد: ۹/۴۲۷ (۲) رد المحتار: ۹/۴۲۷

(۳) دیکھئے: بداية المجتهد: ۱/۳۵۹

مطلقا بکل حال " (۱)

اس لئے حرکت کا پایا جانا ضروری نہیں، اس وقت زندگی کا پایا جانا ضروری ہے۔

ذبیحۂ مرغ پر بسم اللہ

سوال:- آج کل جو مرغ ذبح ہو رہا ہے، اگر زیادہ تعداد میں ہو تو کیا ہر مرغ پر دعا پڑھنا ضروری ہے؟ اس میں تو عملی طور پر بڑی دشواری ہے؟ (احمد شریف، کنگ کوٹھی)

جواب:- جانور اسی وقت حلال ہوتا ہے، جب اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، اگر عمداً اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوگا، اس لئے ہر ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ چنداں دشوار نہیں ہے، مرغ ذبح کیا جاتا ہے، اس کے پر صاف کئے جاتے ہیں، آلائشیں نکالی جاتی ہیں، پھر اس کے ٹکڑے کئے جاتے ہیں اور یہ سارا عمل ہر مرغ پر دہرایا جاتا ہے، غور کیجئے کہ ان افعال کے مقابلہ میں ہر جانور پر ذبح کرنے والے کا بسم اللہ کہتے جانا کیا کوئی دشوار کام ہے؟ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ حلال وحرام کے مسئلہ میں خاص طور پر پوری احتیاط سے کام لیں، مستحبات ومباحات کو دشواریوں کی وجہ سے نظر انداز کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن حلال وحرام کے احکام میں تن آسانی اور سہل انگاری کی کوئی گنجائش نہیں۔

ذبح کے وقت بسم اللہ کے الفاظ

سوال:- جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کن الفاظ میں کہنا چاہئے؟ کیا پورا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے، اور کیا اردو زبان میں بھی بسم اللہ کہنا کافی ہوگا؟

(عبد الملک، دلسکھ نگر)

جواب:- اصل مقصود یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کی نیت سے اللہ کا نام لیا جائے،

---

(۱) در مختار مع الرد: ۹/ ۴۲۸

خواہ لفظ "اللہ" کہا جائے، یا اللہ تعالیٰ کا کوئی صفاتی نام لیا جائے، جیسے: رحمٰن، رحیم وغیرہ، اسی طرح اردو زبان میں کہا جائے، میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں، تو یہ بھی کافی ہے، "سُبْحَانَ اللّٰهِ" یا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" یا "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" اس نیت سے پڑھے تب بھی کافی ہے، البتہ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہنا بہتر ہے۔(۱)

جانور ذبح کرتے وقت کس طرح بسم اللہ کہے؟

سوال:- جانور ذبح کرتے وقت کس طرح اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے؟ اگر بسم اللہ کے بجائے الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر کہہ دیا جائے تو کیا کافی ہوگا؟ (شفیق الرحمٰن، مہدی پٹنم)

جواب:- ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہا جائے، یا ان دونوں کلموں کے درمیان "و" بڑھا کر بسم اللہ واللہ اکبر کہا جائے، تاہم کوئی بھی ایسا کلمہ جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر مقصود ہو، جانور پر اللہ کا نام لینے کی نیت سے کہنا ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے کافی ہو جائے گا، اگر دعائیہ کلمہ ہو جیسے "اللّٰھم اغفرلی" وغیرہ تو یہ کافی نہیں؛ کیونکہ اس میں ذکر مقصود نہیں ہوتا، دعا اور سوال مقصود ہوتا ہے؛ اس لیے سبحان اللہ، الحمد للہ یا اللہ اکبر کہا جائے تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ ذکر کے کلمات ہیں اور مقصود اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے:

> "والشرط في التسمية هو الذكر الخالص عن شوب الدعاء بخلاف الحمد لله أو سبحان الله مريدا به التسمية فانه يحل، والمستحب أن يقول بسم الله الله أكبر بلا واو" (۲)

---

(۱) دیکھئے: الفتاویٰ الهندیه: ۲۸۶/۵

(۲) درمختار مع الرد: ۴۳۷/۹

ذبیحہ کے دماغ میں چھرا داخل کرنا

سوال:- ہمارے یہاں جانوروں کو مشین کے ذریعہ ذبح کیا جاتا ہے، مشین کی نوعیت ایسی ہے کہ پورا جانور اس کے اندر بند رہتا ہے اور گردن اور اس سے اوپر کا حصہ باہر لگا ہوتا ہے، ذبح کرنے والا شخص بسم اللہ کہہ کر تیز چھرا اس کی گردن پر اس طرح پھیرتا ہے کہ چاروں نالیاں کٹ جائیں؛ البتہ اس کے بعد چھرے کو اس کے دماغ کے اندر دھنسا دیتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جانور زیادہ تڑپتا اور حرکت نہیں کرتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے اور کیا یہ ذبیحہ حلال ہے؟ (مفتی محمد مشتاق، پٹیالہ، پنجاب)

جواب:- جانور کے حلال ہونے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں: اول یہ کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو، دوسرے ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہا جائے، جان بوجھ کر بسم اللہ کہنا نہ چھوڑے، تیسرے خون کی دو اور غذا اور سانس کی ایک ایک نالی میں سے چاروں نالیاں یا کم سے کم تین نالیاں کٹ جائیں، یہ تینوں باتیں آپ نے جو صورت ذکر کی ہے، اس میں پائی جاتی ہیں، اس لئے ذبیحہ حلال ہوگا؛ البتہ جانور کے پوری طرح ٹھنڈے ہونے سے پہلے چمڑا چھیلنا یا گوشت وغیرہ کاٹنا مکروہ ہے، جانور کے دماغ کی طرف چھرے سے وار کرنا خلاف اولیٰ عمل ہوگا نہ کہ مکروہ، مکروہ اس لئے نہیں کہ چمڑا چھیلنے میں جانور کو تکلیف ہوتی ہے؛ اس لئے کہ گو قلب اور دماغ کی موت ہو جاتی ہے؛ لیکن اعضاء میں کچھ لمحات تک زندگی باقی رہتی ہے، بخلاف دماغ پر چھرے سے وار کرنے کے، کہ اس سے فوری طور پر دماغ بے حس ہو جاتا ہے اور تکلیف کا احساس ختم ہو جاتا ہے تو زیادہ تکلیف پہنچنے کی کیفیت نہیں پائی جاتی۔ واللہ اعلم

عورت کا ذبیحہ

سوال:- عام طور پر مشہور ہے کہ عورت کا ذبیحہ جائز نہیں،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ناپاکی کی حالت میں عورت مرغی ذبح نہیں کرسکتی، کیا شریعت میں اس طرح کا حکم ہے؟ (عائشہ پروین، بستی)

جواب :- ذبح کے معاملہ میں مردوں اور عورتوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے، مرد ہو یا عورت اور ذبح کا شعور رکھنے والا لڑکا ہو یا لڑکی، ان کا ذبح کرنا بھی جائز ہے اور ذبیحہ بھی حلال ہے:

" وصيد النساء في جميع ما ذكرنا كصيد الرجال وذبائحهن في جميع ما ذكرنا كذبائح الرجال ، وذبائح الصبيان الذين يعقلون الذبيحة إلخ " (۱)

جانور کو ذبح کرنا نماز اور طواف یا تلاوت قرآن کے حکم میں نہیں ہے، کہ اس کے لئے پاک ہونا ضروری ہو، ناپاکی کی حالت میں جانور ذبح کر دیا جائے، تب بھی ذبیحہ بلا کراہت حلال ہے، اس لئے خواتین ناپاکی کی حالت میں بھی مرغی ذبح کر سکتی ہیں، اس طرح کی باتیں زیادہ تر توہمات پر مبنی ہوتی ہیں۔

قادیانی کا ذبیحہ

سوال :- قادیانی احباب کی جانب سے ذبح کردہ جانور کا گوشت اکثر دوستی اور تعلق کی وجہ سے بحیثیت پڑوسی ہمارے گھر آتا ہے، سوال یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بعض علماء ان کے کافر ہونے کے قائل ہیں، جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں؟ (سلمان حارث، مقام غیر مذکور)

جواب :- قادیانی دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو مسلمان تھے، اور قادیانی ہوگئے، یہ مرتد ہیں، دوسرے، وہ جو خاندانی قادیانی ہیں، یعنی ان کے باپ، دادا، پردادا میں سے کوئی

---

(۱) مختصر الطحاوی، ص: ۳۰۰

مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا تھا، اور نسلی طور پر اس نے بھی قادیانیت اختیار کی ہے، یہ مرتد تو نہیں ہے؛ لیکن زندیق ہے، زندیق سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہوں تو کافر مگر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں، دونوں ہی طرح کے قادیانیوں کا ذبیحہ حرام ہے، کیوں کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے کہ ذبح کرنے والا شخص مسلمان ہو، اور یہ دونوں ہی کافر ہیں، ان کا کافر ہونا بعض علماء کی رائے نہیں ہے، بلکہ اس پر علماء عرب و عجم کا اتفاق ہے، کیوں کہ اسلام کچھ حقیقتوں کو ماننے کا نام ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی تھے، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں برگزیدہ صفات صحابہ ہوئے، تابعین و تبع تابعین ہوئے، اور جلیل القدر اولیاء و صالحین پیدا ہوئے؛ لیکن چونکہ سلسلۂ نبوت بند ہو چکا تھا، اس لیے انہیں نبوت کے شرف سے نہیں نوازا گیا، قادیانی حضرات اس کا انکار کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے؛ بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کو آخری نبی مانتے ہیں، جس نے انگریزوں کی شہ پر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور جہاد کی طرف سے ان کا رخ موڑنے کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

اس بات کی وضاحت بھی مناسب محسوس ہوتی ہے کہ قادیانی حضرات سے دوستی و تعلق رکھنا، ان کے تحائف قبول کرنا، یا ان کو تحائف بھیجنا قطعاً جائز نہیں ہے، غور کیجئے! ہم ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہونے پر ناز کرتے رہیں اور دوسری طرف نبوتِ محمدی ﷺ کے خلاف بغاوت کرنے والوں سے دوستی بھی رکھیں، کیا یہ بات قابل قبول ہے؟

شکار

مغز حرام سے مراد اور اس کا حکم

سوال:- آپ نے اپنی کتاب حلال وحرام میں جانور کی حرام چیزوں میں مغز حرام کا بھی ذکر کیا ہے، جبکہ عام طور پر علماء نے جن سات چیزوں کا ذکر کیا ہے، ان میں مغز حرام کا ذکر نہیں؛ اس لئے واضح کیا جائے کہ مغز حرام سے کیا مراد ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟ (معین الدین قادری، حشمت پیٹ)

جواب:- مغز حرام اس گودے کو کہتے ہیں جو جانور کی ریڑھ کی ہڈی میں پایا جاتا ہے، جو اصل میں مادۂ منویہ کا مخزن ہوتا ہے، اس کو عربی زبان میں ''نخاع الصلب'' کہتے ہیں، متعدد اہل علم نے اس کو بھی حرام اجزاء میں شمار کیا ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'کنز الدقائق' کا جو نسخہ ہندوستان میں شائع ہوا ہے، اس میں اس کے حرام ہونے کی صراحت ہے، اسی طرح علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں بھی مغز حرام کے مکروہ ہونے کا ذکر کیا ہے، (۱) مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاوی میں اس کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے، (۲) —— البتہ بعض فقہاء نے اسے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے حرام؛ لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے ان

---

(۱) طحطاوی علی الدر ۳۶/۵. (۲) دیکھئے: فتاوی رشیدیہ: ۲/۶۷

دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ؛ کیوں کہ فقہاء جب مکروہ لکھتے ہیں تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے جو حرام ہی کی طرح ناجائز ہوتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ جس عمل کو حرام کہا جاتا ہے، اس کا ناجائز ہونا ایسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ناجائز ہونے کا انکار کر دے تو وہ دائرہ ایمان میں باقی نہیں رہے گا اور مکروہ تحریمی کا ممنوع ہونا ایسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، جس کا انکار باعث کفر نہیں۔

کیا مرغ کھانا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟

سوال:- آج کل عام طور پر دعوتیں مرغ کے بغیر نامکمل سمجھی جاتی ہیں اور خاص طور پر مرغ کے گوشت کا اہتمام کیا جاتا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ نے دعوت میں اس کا اہتمام فرمایا ہے؟

(محمد اجتباء، بنگلور)

جواب:- مرغ حلال پرندوں میں ہے، یہ بات تو مجھے نہیں مل سکی کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی دعوت میں مرغ کے گوشت کا اہتمام فرمایا ہے، یوں بھی موجودہ زمانہ میں مرغ کی نسل میں جو افزائش ہوئی ہے اور جتنی آسانی سے دستیاب ہے، قدیم دور میں اس کا تصور بھی دشوار تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ کا خود مرغ کا گوشت تناول فرمانا ثابت ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغ کا گوشت تناول فرماتے ہوئے دیکھا:

”رأیت رسول اللہ ﷺ یأکل دجاجا “(۱)

برائیلر مرغ اور حرام غذا

سوال:- اردو کے اخبارات میں یہ بات آئی ہے کہ برائیلر مرغ کو جو غذا دی جاتی ہے، اس میں سور کے گوشت، چربی، سوکھا ہوا خون اور مردار کی باقیات بھی شامل ہوتی ہیں، یہ بھی کہا جاتا

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۵۱۹۸

ہے کہ سور کی چربی کی وجہ سے تیزی سے مرغ کا وزن بڑھتا ہے:

اس اطلاع نے عام طور پر مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے؛ اس لئے وضاحت کی جائے کہ کیا مرغی اور حلال جانوروں کو اس طرح کی غذا کھلانا جائز ہے اور اگر کھلا دیا جائے تو اس جانور کے گوشت کا کیا حکم ہوگا، وہ حلال باقی رہے گا یا حرام ہو جائے گا؟

(اصغر عبد الرحیم، ملک پیٹ)

جواب:- اس سلسلہ میں چوں کہ ٹیلیفون پر بھی کثرت سے سوالات کئے جارہے ہیں، اسی لئے کسی قدر وضاحت کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے:

(۱) اولاً تو اس کی تحقیق ہونی چاہئے کہ کیا واقعی مرغی وغیرہ کی خوراک میں چربی یا مردار کے اجزاء شامل کئے جارہے ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کی خوراک گوشت کو بنایا ہے، جیسے: شیر، بھیڑیا وغیرہ، اسی طرح بعض جانوروں کی غذا نباتات کو بنایا ہے، جیسے گائے، بکری، مرغ وغیرہ، انسان کو دونوں طرح کی غذا کا حامل بنایا گیا ہے، اسی لئے اس کو دونوں طرح کے دانت دیئے گئے ہیں، جن جانوروں کی غذا نباتات ہوں، وہ فطری طور پر لحمیاتی غذا کھانا بھی نہیں چاہتے اور اس کو ہضم کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے؛ اس لئے اول تو یہ بات ہی قابل تحقیق ہے کہ کیا واقعی مرغیوں کی غذا میں ایسے اجزاء شامل کئے جارہے ہیں۔

(۲) پھر اگر مرغیوں کی غذا میں ان حرام اجزاء کا استعمال ہوتا ہے تو دیکھنا ہوگا کہ یہ اجزاء اپنی اصل شکل میں شامل ہوتے ہیں یا بدلی ہوئی شکل میں؛ کیوں کہ اگر کسی چیز کی حقیقت بدل جائے اور وہ ایک شی سے دوسری شی کی شکل اختیار کرے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔

(۳) اگر شامل کئے جاتے ہوں اور وہ بھی اس طرح کہ ان کی اصل حقیقت

باقی رہتی ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ جو چیز حرام ہے، جیسے اس کا خود کھانا حرام ہے، اسی طرح کسی غیر مکلف کو بھی کھلانا حرام ہے؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جیسے شراب کا خود پینا حرام ہے، اسی طرح جانوروں کو پلانا بھی حرام ہے، یا جیسے سونے کا زیور مرد کے لئے خود استعمال کرنا حرام ہے، اسی طرح نابالغ مرد بچے کو بھی پہنانا حرام ہے، حالاں کہ وہ ابھی احکام شریعت کا مکلف نہیں ہیں؛ اس لئے مسلمان پولٹری فارم مالکان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ پولٹری کو ایسی غذا دیں، اسی طرح مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ ایسی غذا کی سپلائی پر پابندی لگائی جائے اور بیرونی ملک سے آتی ہوں تو اس کی درآمد روکی جائے۔

(۴) جب کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، یہ فقہ کا ایک اہم اصول ہے، جو قرآن و حدیث کی روشنی میں مقرر کیا گیا ہے؛ لہٰذا اگر کسی حلال جانور نے حرام جانور یا اس کے اجزاء کو غذا بنایا تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو وہ اسے ہضم نہ کر پائے اور یہ اجزاء جسم سے خارج ہو جائیں، تب تو یہ حرام اجزاء اس کے جسم میں باقی ہی نہیں رہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس کے جسم میں باقی رہے تو اب وہ اس حلال جانور کا جزء بن چکا ہے، گویا اس کی حقیقت تبدیل ہو گئی ہے، اب اس کی حیثیت اس حلال جانور کے گوشت کی ہے؛ لہٰذا اب وہ حرام نہیں ہوگا؛ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بکرا سور کا دودھ پی لے تو حالاں کہ دودھ سے گوشت کی نشوونما ہوتی ہے، پھر بھی اس کا گوشت حرام نہیں ہوگا۔

"ولهذا أكل جدي غذي بلبن الخنزير، لأن لحمه لا يتغير" (۱)

(۵) حدیث میں اس سے ملتی جلتی صورت "جلالہ" کی آئی ہے، جلالہ نجاست خور جانور کو کہتے ہیں، چاہے وہ مرغی ہو یا اونٹنی یا گائے اور حلال جانور، اس سلسلہ میں احادیث کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی مرغی کو تین دنوں تک روک رکھا جائے اور صاف ستھری غذا

---

(۱) البحر الرائق: ۸؍۶۳۔

کھلا دی جائے ، اس کے بعد اسے ذبح کیا جائے ، اونٹنی اور گائے وغیرہ میں کچھ زیادہ دنوں کی مدت مقرر کی گئی ہے ؛ لیکن اس سلسلہ میں تین نکات پر توجہ ہونی چاہئے :

(الف) جلالہ وہ جانور ہے جس کی غذا خالصۃً نجاست ہو یا غالب ترین غذا نجاست ہو ، اگر وہ پاک و صاف غذا میں کھایا کرتا ہو اور کچھ نجاست کھالیتا ہو تو وہ جلالہ شمار نہیں ہوگا : " فإن خلطت لیست جلالۃ فلا تکرہ " (۱)

(ب) کثرت نجاست خوری کی وجہ سے اس کے گوشت میں بدبو پیدا ہوگئی ہو اور تغیر آگیا ہو یعنی رنگ یا بو یا مزا بدل گیا ہو ، اگر یہ کیفیت نہ ہو تو جلالہ میں شامل نہیں :

" الکراھۃ فی الجلالۃ لمکان التغیر والنتن لا لتناول النجاسۃ " (۲)

(ج) جلالہ کا گوشت نہ حرام ہوتا ہے اور نہ مکروہ تحریمی ؛ بلکہ کراہت تنزیہی پیدا ہوتی ہے ، چنانچہ علامہ علاء الدین کاسانیؒ فرماتے ہیں : " وذلك علی طریق التنزہ " (۳) فقہ انسائیکلو پیڈیا کے مرتبین نے بھی مشہور حنفی فقہاء علامہ علاء الدین حصکفیؒ ، علامہ ابن عابدین شامیؒ اور علامہ رافعیؒ وغیرہ کی عبارت سے یہی اخذ کیا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی ۔ (۴)

لہٰذا مرغی کو دی جانے والی غذا کو اگر جلالہ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو تحقیق کرنی ہوگی کہ اس کی غذا کا غالب حصہ حرام پر مشتمل ہے یا کچھ حصہ ؟ پھر اس حرام غذا کی وجہ سے کیا اس کے گوشت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے ، یعنی اس کا فطری رنگ یا مزہ بدل جاتا ہے یا گوشت بدبودار ہو جاتا ہے ؟ تو ایسی صورت میں مکروہ تنزیہی ہونے کی وجہ سے اس گوشت کا کھانا جائز ہوگا اور نہ کھانا بہتر ہوگا ؛ لیکن بظاہر گوشت میں اس طرح کا تغیر نہیں ہوتا ، جس کی بناء پر کراہت پیدا ہوتی ہے ۔

---

(۱) بدائع الصنائع : ۳ / ۱۵۴ (۲) حوالۂ سابق

(۳) حوالۂ سابق (۴) دیکھئے : الموسوعۃ الفقہیۃ : ۵ / ۱۵

(۶) حاصل یہ ہے کہ مسلمان پولٹری فارم مالکان کو مرغیوں کے لئے ایسی غذا استعمال نہیں کرنی چاہئے اور مسلمانوں کو حکومت سے اس پر قانونی پابندی کا مطالبہ کرنا چاہئے؛ لیکن اس غذا کے استعمال کے باوجود برائلر مرغ حرام یا مکروہ کے دائرہ میں نہیں آتا، اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے۔

کیا شارک مچھلی حلال ہے؟

سوال:- سمندر میں ایک مچھلی "شارک" کے نام سے پائی جاتی ہے، یہ بڑی خونخوار مچھلی ہوتی ہے، جو انسانوں اور جانوروں پر حملہ کر کے انہیں کھا جاتی ہے، اسلام میں درندہ جانور کو کھانے سے منع کیا گیا ہے، تو کیا اس مچھلی کو کھانا جائز ہوگا؟ (محمد شجاعت علی، کناڈا)

جواب:- قرآن وحدیث میں مچھلی کو مطلقاً حلال قرار دیا گیا ہے، اس میں بڑی چھوٹی اور انسانوں اور جانوروں کو خوراک بنانے والی اور دوسری مچھلیوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، حالانکہ ہمیشہ سے ایسی مچھلیاں سمندروں میں رہا کی ہیں، خود قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کو ایک مچھلی کے نگل لینے کا واقعہ موجود ہے، (۱) اسی طرح حدیث میں "سمک عنبر" کا ذکر آیا ہے، جس کو مسلمانوں کی ایک فوج نے عرصہ تک اپنی خوراک بنایا، اس مچھلی کا جو حجم بیان کیا گیا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ بہت بڑی مچھلی رہی ہوگی، وہیل بھی انسانوں اور جانوروں کو نگل جاتی ہے، اس لئے ممانعت درندہ چوپائے اور پرندے کی ہے، مچھلیاں جو بھی ہوں حلال ہیں اور شارک مچھلی بھی حلال مچھلیوں کے ہی دائرہ میں آتی ہے۔

گندے پانی کی مچھلی کا حکم

سوال:- ہمیں سمندر کے پانی میں اکثر گٹر کا فضلہ آکر ملتا

---

(۱) الصافات: ۱۴۲

ہے، جس کی وجہ سے عوام اس تالاب کی مچھلی کھانا پسند نہیں کرتی ،
اب دریافت طلب یہ ہے کہ اس تالاب کی مچھلی کھانا جائز ہے یا نا
جائز؟ (سید محمود علی ، مغلپورہ)

جواب :- پانی کے ناپاک اور نجاست سے پوری طرح آلودہ ہونے کا اندازہ پانی کے بنیادی وصف کے بدل جانے سے ہوتا ہے اور یہ وصف تین ہیں : رنگ ، بو اور مزہ ، اگر ان میں سے کوئی وصف بدل جائے تو پانی کی مقدار کتنی بھی ہو ، وہ ناپاک ہو جائے گا :

" وبتغير أحد أوصافه من لون أو طعم أو ريح
بتنجس الكثير ولو جاريا إجماعا " (۱)

لیکن ان اوصاف کے بدلنے سے مطلق بدلنا مراد نہیں ہے ؛ کیوں کہ پاک وصاف پانی بھی زیادہ دنوں تک ٹھہرا رہے تو ان اوصاف میں تبدیلی آجاتی ہے ، مطلب یہ ہے کہ پانی میں اس نجاست کا رنگ ، اس نجاست کی بو یا مزہ پیدا ہو جائے ، اب وہ ناپاک پانی سمجھا جائے گا ، اگر کپڑے پر ، جسم پر یا کسی اور چیز پر لگ جائے تو یہ ناپاک ہو جائے گا ، میرے خیال میں اس اعتبار سے حسین ساگر کا پانی ناپاک پانی کے دائرے میں نہیں آتا ؛ البتہ آلودہ اور صحت کے لئے نقصان دہ پانی کہا جاسکتا ہے ، جہاں تک مچھلی کی بات ہے تو ناپاک پانی میں پلی ہوئی مچھلی ناپاک اور حرام نہیں ہو جاتی ؛ کیوں کہ مچھلی خود حلال ہے اور جب کوئی حرام چیز حلال چیز کا جز بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے ، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی بکرے کی پرورش خنزیر یا کتے کا دودھ پی کر ہوئی ہو تو بکرا حرام نہیں ہوگا ؛ کیوں کہ اب وہ دودھ ایک حلال جانور کا جزو بن چکا ہے ؛ البتہ ناپاک پانی کے لگ جانے کی وجہ سے مچھلی کو اوپر سے تین دفعہ دھو دینا چاہئے ؛ تا کہ جسم کے اوپری حصہ پر نجاست کا جو اثر ہے وہ دور ہو جائے ، اور اگر مچھلی کے گوشت میں اس ناپاک پانی کی وجہ سے بدبو پیدا ہو گئی ہو اور مچھلی زندہ ہو تو بہتر ہے کہ اسے تین روز صاف پانی

---

(۱) رد المحتار : ۱/۱۳۳

میں رکھا جائے؛ تا کہ اس بو کا ازالہ ہو جائے؛ البتہ مچھلی کی جلد ایسی ہوتی ہے کہ وہ اس طرح کا خارجی اثر عام طور پر قبول نہیں کرتی۔ واللہ اعلم

مردار مچھلی کب اور کیوں حلال ہے؟

سوال:- مری ہوئی مچھلی کیوں حلال ہے؟

(علیم الدین، چنچل گوڑہ)

جواب:- اول تو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ مری ہوئی مچھلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو کسی خارجی سبب کی بناء پر مری ہوں، جیسے: مچھلی کو پانی سے باہر نکال لیا گیا ہو، یا کوئی اور صورت اختیار کی گئی ہو کہ مچھلیاں مر جائیں، ان کا کھانا حلال ہے، دوسرے: وہ مچھلی ہے جو طبعی طور پر خود بخود پانی میں مر جائیں، اس کی علامت یہ ہے کہ یہ الٹی ہو کر سطح پر تیرنے لگتی ہیں، ایسی مچھلی فقہاء احناف کے نزدیک حلال نہیں؛ کیوں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه و ما مات فيه وطفا فلا تأكلوه" (۱)

"جس مچھلی کو سمندر پھینک دے یا اس حصہ سے ہٹ جائے جہاں مچھلیاں ہیں، تو اسے کھاؤ، اور جو طبعی موت مر کر تیرنے لگے اسے نہ کھاؤ"

رہ گئی یہ بات کہ مچھلی ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کسی طرح مارلی جائے، اس کا کھانا حلال ہے، تو اس لیے کہ ذبح کا اصل مقصود حیوانات کی رگوں میں پائے جانے والے بہتے ہوئے خون کو جسم سے نکال دینا ہے، مردار جانور میں یہ خون گوشت میں پیوست ہو جاتا ہے، جو انسانی صحت کے لیے نہایت ہی نقصان دہ ہے، مچھلی میں اس طرح کا بہتا ہوا خون نہیں پایا جاتا،

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۸۱۵، باب في أكل الطافي من السمك

اور اس کا گوشت سفید ہوتا ہے، اس لئے ان کے کھانے میں مضرت نہیں، مچھلی کاٹنے کے وقت جو دو چار قطرے خون نکل آتا ہے، یہ رگوں کا خون نہیں، بلکہ گوشت کا خون ہے، یہ خون نہ ناپاک ہے اور نہ رگوں میں بہتے ہوئے خون کی طرح نقصان دہ ہے۔

کیکڑے کھانا اور اس کا سوپ فروخت کرنا

سوال:- میرے ایک دوست ہیں، وہ کیکڑے کا جوس پیتے ہیں اور وہ اس کا کاروبار بھی کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ کاروبار کرنا درست ہوگا؟ (محمد عارف الدین، نون پون)

جواب:- احناف کے نزدیک پانی کے جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا ثابت ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک آبی جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے، اور مچھلی میں بھی جو اپنی موت آپ مرجائے اور پانی کی سطح پر مردہ حالت میں تیرنے لگے وہ بھی حلال نہیں:

"أما الذي يعيش في البحر فجميع ما في البحر من الحيوان محرم الأكل إلا السمك خاصة ، فإنه يحل أكله إلا ما طفى منه" (۱)

اس لئے نہ آپ کے دوست کو کیکڑے کا سوپ پینا جائز ہے اور نہ اس کا کاروبار کرنا درست ہے، البتہ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، امام شافعی اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک مچھلی کے علاوہ اور بھی دریائی جانور حلال ہیں، جن میں کیکڑا بھی ہے۔

گدھی کا دودھ

سوال:- کیا گدھی کا دودھ بچوں کو گرماہٹ کے لئے پلانا جائز ہے اور اس کا دودھ حلال ہے؟ (عبدالمجید، یوسف گوڑہ)

---

(۱) بذل المجهود: ۵/۲

جواب :- گدھے کا گوشت اور گدھی کا دودھ مکروہ تحریمی یعنی قریب بہ حرام ہے ؛ اس لئے اس کا دودھ خود پینا یا بچوں کو پلانا جائز نہیں :

" وكره لحم الأتان أي الحمارة الأهلية خلافا لمالك ولبنها " (۱)

بلکہ مشہور حنفی فقیہ قاضی خان نے تو صراحت فرمائی ہے کہ مریض کے لئے بھی گدھی کا دودھ یا اس کا گوشت استعمال کرنا درست نہیں :

" ويكره ألبان الأتان للمريض وغيره وكذا لحومها " (۱)

نجاست خور جانور

سوال :- امریکہ میں ان دنوں جلالہ کے اسلامی تصور اور جانوروں کے چارے کے بارے میں غیر معمولی الجھن پائی جاتی ہے ، بعض اصحاب اور ساتھ ہی ساتھ جانوروں کے حقوق کی تنظیمیں یہ مہم چلا رہی ہیں کہ چونکہ جانوروں کے لئے تیار کردہ بیشتر چاروں میں دوسرے جانوروں کے اعضاء سے کشید کردہ عرق شامل رہتا ہے اور اس معاملہ میں جلالہ کے قاعدے کا اطلاق ہوتا ہے ، اس لئے مسلمان جو شمالی امریکہ میں آباد ہیں ، کوئی گوشت استعمال نہیں کر سکتے ، اس پس منظر میں چند سوالات حسب ذیل ہیں :

(الف) جلالہ کی تعریف کیا ہے ؟ اس کی تعریف سے متعلق کیا علمائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے ؟

---

(۱) شامی : ۹/۳۹۱

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية : ۳/۴۰۳

(ب) جانوروں کے اجزاء سے کشید کیا ہوا عرق (جو چارے میں استعمال ہوتا ہے) ایک طویل عمل سے گزرتے ہوئے چونکہ اپنی اصلی حالت سے بدل جاتا ہے، ایسے میں کیا یہاں پر بھی جلالہ کا اطلاق کیا جائے گا؟

(ج) کیا مسلمانوں کو ایسے جانوروں کا گوشت کھانے یا ان کے چمڑہ کا استعمال کرنے کی ممانعت ہے جنہیں ذبح کرنے سے پہلے جھٹکا دیا جاتا ہے یا پھر ان کے ساتھ تشدد کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے؟ (شمیر احمد، شکاگو، امریکہ)

جواب:- (الف) جلالہ عربی لغت میں کھانے کے لئے نجاست تلاش کرنے والی گائے کو کہتے ہیں۔ "البقرة تتبع النجاسات" (۱) فقہاء کی اصطلاح میں جلالہ اس جانور کو کہتے ہیں جو نجاست ہی کو اپنی خوراک بناتا ہو اور دوسری چیزیں نہ کھاتا ہو: "التي تأكل العذرة ولا تأكل غيرها" (۲) اگر کوئی جانور نجاست ہی کھانے پر اکتفاء کرتا ہو، بلکہ دونوں طرح کی چیزیں کھاتا ہو تو وہ "جلالہ" نہیں ہوگا، جیسا کہ مذکورہ تعریف سے ظاہر ہے۔

(ب) اگر چارے میں فضلہ وغیرہ ملا دیا جائے تو پھر ایسی مخلوط غذا کھانے والا جانور "جلالہ" شمار نہ کیا جائے گا، علامہ شامی نے اس کو صراحت سے لکھا ہے: "أفاد إذا كانت تخلط تحرى" (۳) لہذا جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں کشید کیا ہوا عرق چارے کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے، نہ کہ خالص کھلایا جاتا ہے، اس لئے یہ صورت جلالہ کی نہیں ہے۔

پھر جلالہ کا حکم یہ ہے کہ کھانے کی ممانعت اس وقت ہوگی جب کہ جانور کے گوشت میں بو پیدا ہو جائے، علامہ شامی کے الفاظ ہیں: "حتى أنتن لحمها" بلکہ علامہ شامی نے "منتقی" کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جلالہ کا حکم اس جانور پر ہوگا کہ قریب ہو تو بدبو آئے:

---

(۱) القاموس المحيط: ۱۲۶۲

(۲) ہندیہ: ۵/۲۹۸ (۳) رد المحتار: ۹/۴۴۰

" الجلالة المكروهة التي إذا قربت وجدت منها رائحة ، فلا تؤكل ولا يشرب لبنها ولا يحمل عليها ويكره بيعها وهبتها وتلك حالها ، وذكر البقالي أن عرقها نجس " (۱)

" جلالہ مکروہ وہ ہے کہ جب قریب آئے تو اس کی بدبو محسوس کی جائے ، ایسا جانور نہ کھایا جائے گا ، نہ اس کا دودھ پیا جائے گا ، نہ اس پر سواری وغیرہ کی جائے گی اور جو جانور اس حال میں ہو اس کا بیچنا اور ہبہ کرنا بھی مکروہ ہوگا اور علامہ بقالی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا پسینہ بھی ناپاک ہوگا"

تو اس معیار سے بھی دیکھنا چاہئے کہ کیا اس جانور میں بدبو کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی ہے؟ اگر یہ کیفیت پیدا ہو بھی جاتی ہو تو ایک وقفہ کے ساتھ یہ کراہت دور ہو جاتی ہے ، فقہاء نے اس کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ اگر اونٹ ہو تو اسے چالیس دن ، گائے بیل ہو تو بیس دن ، بکری وغیرہ کو دس دن ، مرغی تین دن اور گوریا ایک دن روکا جائے ، اس کے بعد اس کے گوشت میں کراہت نہیں ۔ (۲) ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صورت آپ نے ذکر کی ہے ، اولاً وہ جلالہ میں داخل نہیں ، دوسرے جلالہ کی کراہت دائمی نہیں ، بلکہ ایک متعین وقفہ میں جانور کو ایسی گندی چیز کھانے سے بچایا جائے ، تو اس کے گوشت کی کراہت ختم ہو جاتی ہے ۔

(ج) گدی سے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے ، تاہم اگر حلق کی طرف سے وار کیا جائے اور ذبح کرنے والے نے بسم اللہ پڑھا ہو اور گردن الگ ہو جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا ، البتہ یہ فعل مکروہ ہوگا :

" لو ضرب عنق جزور ...... و أبانها وسمى فان كان ضربها من قبل الحلقوم تؤكل وقد أساء " (۳)

---

(۱) رد المحتار : ۹/۴۹۱ (۲) فتاوی ہندیہ : ۵/۲۹۹ (۳) فتاوی ہندیہ : ۵/۲۸۸

اور اگر گردن کی طرف سے وار کیا تو جن رگوں کا کاٹنا ضروری ہے، اگر چھرے کے وہاں پہنچنے تک جانور میں حیات باقی رہنے کا یقین ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا، اور اس میں حیات باقی نہ رہی ہو یا کم سے کم اس کا شک ہو تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، تاہم چوں کہ یہ طریقہ شرعاً مکروہ ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے طریقے کو بدلنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک اس کے چرم کی بات ہے تو اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اگر ذبیحہ حلال تھا تو اس کے چرم کا استعمال بھی جائز ہے اور اگر ذبیحہ حرام و مردار ہے تب بھی دباغت یعنی چمڑے سے آلائش کی صفائی کے بعد چرم پاک ہوگا اور اس کا استعمال درست ہو جائے گا، اس لئے کہ چرم کے پاک ہونے کی یہی دو صورتیں ہیں، یا تو جانور شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اور اگر مردار کا چرم ہو تو اس کی صفائی کی گئی ہو۔(۱)

خون سے آلودہ بکرے کا سر

سوال:- قصاب سے بکروں کے جو سر لئے جاتے ہیں عام طور پر خون میں لت پت ہوتے ہیں، انہیں آگ میں جلایا جاتا ہے، تاکہ بال صاف کئے جاسکیں، پھر اسے پکایا جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں اسے پاک سمجھا جائے گا؟ (محمد حامد قاسمی، نوفی چوکی)

جواب:- اس کے پکانے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بال صاف ہونے کے بعد اسے دھویا جائے، پھر اسے پکایا جائے، اس صورت میں تو اس کا پاک ہونا ظاہر ہے، کیوں کہ اسے دھویا گیا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اسے دھویا نہ جائے، صرف جلا کر صاف کرنے پر اکتفا کیا جائے، اس طریقہ پر بھی اگر صاف کر دیا جائے تو پاکی کے لئے کافی ہوگا، کیوں کہ جیسے دھونا پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے اسی طرح ''احراق'' یعنی جلانا بھی پاک کرنے کا ذریعہ ہے، اس

---

(۱) البحر الرائق: ۲۳۸/۱، ط: دار المعرفة – بیروت، الفتاوی الهندیة: ۴۵/۱

بناء پر فقہاء نے اسے پاک قرار دیا ہے۔(۱) اور علمائے ہند میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔(۲)

کیا ہم سؤر کی چربی کھارہے ہیں؟

سوال:- عرض یہ ہے کہ ایک اشتہار بنام" کیا ہم سؤر کی چربی کھا رہے ہیں؟" مسلمانوں میں تیزی کے ساتھ تقسیم ہو رہا ہے، جو پیش خدمت ہے، اس کی تائید وتبلیغ کی بعض علماء نے تاکید بھی کی ہے، ہم آپ سے اس اشتہار کی تحقیق وتوثیق کے لیے رجوع ہوئے ہیں کہ کیا واقعی یہ اشتہار صحیح ہے؟ اور کیا اس میں نشان زدہ تمام اشیاء حرام ہیں؟ اس کے علاوہ یہ بھی امر دریافت طلب ہے کہ ("E100-to,E904"یا"EMULSIFIER") کے "کوڈ نمبر" کی چیزوں میں چربی موجود ہے؟ اگر اس میں خنزیر کی چربی کا ثبوت ہے تو پھر مختلف غذائی مصنوعات مثلاً چاکلیٹ، بسکٹ اور بریڈ وغیرہ جیسی تقریباً ہر ایک چیز میں مذکورہ چربی لازماً ہوگی، جس کے عادی بیشتر مسلمان ہو چکے ہیں، اس مسئلہ میں غیر مسلم بھی پریشان ہیں جو گوشت نہیں کھاتے ہیں، کیا ایسی صورت میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کیا جائے یا نہیں؟ اگر پرہیز کا حکم ہے تو پھر متبادل اشیاء کے نام بھی بتادیں تو مہربانی ہوگی۔

(عبدالحمید السائح قاسمی، بودھن)

جواب:- اس طرح کے کئی اشتہارات چھاپے جارہے ہیں، بعض تو اخبارات میں بھی شائع ہوئے ہیں، لیکن اب تک اس سلسلہ میں کوئی معتبر تحقیقی ثبوت سامنے نہیں آیا ہے، دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے، اول یہ کہ ان اشیاء (جس کی فہرست بہت طویل ہے) میں سؤر

---

(۱) در مختار: ۱/۲۱۰ (۲) نفع المفتی و السائل: ۴۴۳

کی چربی ڈالی گئی ہے، دوسرے یہ کہ کیا اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوئی ہے اور وہ اپنے اجزاء اور اثرات کے ساتھ باقی ہے؟ جب تک یہ دو باتیں پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ جائیں، ان کے حرام ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، اور نہ یہ مناسب ہے کہ ایسی چیزوں کی تشہیر کر کے عام لوگوں کو تشویش میں مبتلا کیا جائے، ہاں اگر کسی شخص کو اس اطلاع کے صحیح ہونے کا گمان ہو تو اسے اپنے طور پر احتیاط کرنا چاہیے۔

پہلے نکتہ کی تحقیق اس لیے ضروری ہے کہ چیزوں میں اصل مباح اور حلال ہونا ہے، اس لیے حلال ہونے کے لیے دلیل مطلوب نہیں، حرام ہونے پر دلیل ہونی چاہیے، دوسرے نکتہ کی تحقیق یوں ضروری ہے کہ جب کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اگر ناپاک تھی تو حقیقت بدلنے کے بعد پاک ہو جاتی ہے، اگر حرام تھی تو حقیقت بدلنے کے بعد حلال سمجھی جائے گی، کیوں کہ یہ اب وہ شئی باقی ہی نہیں رہی، واللہ اعلم۔ ویسے راقم الحروف اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ ایسی چیزوں کے لئے لیبوریٹری ٹسٹ کرائے، تاکہ صحیح صورت حال واضح ہو سکے۔

بندوق کا شکار

سوال:- بندوق کے شکار کا کیا حکم ہے؟ کیا بندوق سے کیا ہوا شکار حلال ہو جائے گا؟ (سمیع الدین، عادل آباد)

جواب:- شکار کے سلسلہ میں کچھ شرطیں شکار کرنے والے سے متعلق ہیں، کہ وہ مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو، اور اس نے شکار کرتے وقت بسم اللہ کہا ہو، کچھ شرطیں خود شکار کئے جانے والے جانور سے متعلق ہیں، جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے، ان میں جو حکم دوسری چیزوں سے شکار کا ہے، وہی بندوق سے شکار کا ہے، اصل قابل غور پہلو آلۂ شکار ہے، کہ آلۂ شکار ایسا ہونا چاہیے جو زخمی کرے اور خون بہانے کی صلاحیت رکھتا ہو، جس کو فقہاء نے "جارحہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

"أن تكون الآلة التي يصطاد بها جارحة تجرح

الصيد وهو السهم و السيف و الرمح و الحيوان الذي له ناب الخ " (۱)

موجودہ دور میں جو بندوق استعمال کی جاتی ہے، اس کی گولیاں نوکدار ہوتی ہیں اوران سے خاصا خون بہتا ہے، بلکہ فقہاء نے جن آلات شکار کا ذکر کیا ہے، ان سے بھی اس قدر خون نہیں بہتا جتنا بندوق سے، اس لیے اگر بندوق کا شکار زندہ حالت میں مل جائے تب تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہوگا ہی، اگر زندہ حالت میں نہ مل پائے اور خون اچھی طرح بہہ گیا ہو تو اس کا کھانا بھی حلال ہوگا، عصر حاضر کے بعض ممتاز فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، متقدمین کی کتابوں میں جو بندوق کے شکار کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے، اس زمانہ میں ہروری گولیاں نہیں ہوتی تھیں، بلکہ مٹی یا پکائی ہوئی مٹی کی گولیاں ہوتی تھیں، ان گولیوں سے چوٹ لگتی تھی؛ لیکن عام طور پر جانور زخمی نہیں ہوتا تھا، اور شکار کے حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی موت زخمی ہونے کی وجہ سے ہو اور جسم کا خون اچھی طرح نکل جائے، محض چوٹ کی وجہ سے موت واقع نہ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم

غیر مسلموں کے یہاں کا گوشت

سوال:- میں ایک ہندو کی شادی میں گیا، جہاں کھانے میں بکرے کا گوشت تھا، جب میں نے پوچھا کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے؟ تو اس نے کہا ہاں، میں نے گوشت کو کھالیا؛ لیکن مجھے شک ہو رہا ہے کہ کہیں وہ گوشت مردار تو نہیں تھا، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (ابوحمزہ، سعید آباد)

جواب:- اگر کوئی غیر مسلم کہے کہ یہ گوشت ایسے جانور کا ہے جس کو مسلمان نے شرعی طور پر ذبح کیا ہے اور کوئی دوسرا ایسا قرینہ نہ ہو جو اس کے بیان کو جھوٹ ثابت کرتا ہو تو

---

(۱) تحفة الفقهاء: ص ۳۲۰

اس کی خبر پر اعتماد کر لینا کافی ہے؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس نے مجوسی ملازم یا خادم سے گوشت منگایا اور وہ مجوسی کہتا ہے کہ میں نے مسلمان سے خریدا ہے، تو اس کی خبر پر اعتماد کر لینا کافی ہے اور اس گوشت کو کھانا درست ہے:

"من أرسل أجيرا له مجوسا أو خادما فاشترى فقال اشتريت من يهودي أو نصراني أو مسلم وسعه أكله" (۱)

---

(۱) دیکھئے: ہدایہ: ۴/ ۳۰۸

متفرقات

چیونٹیوں کو مارنا

سوال :- ہمارے کمرے میں چیونٹیاں بہت زیادہ آگئی ہیں، ہر وقت پریشان کرتی رہتی ہیں، جب میں انہیں مارنے جاتا ہوں تو ہمارے دوست اس سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چیونٹیوں کو مارنا شرعاً جائز نہیں ہے، براہ کرم بتائیں کہ کیا واقعی اسلام میں چیونٹیوں کو مارنا جائز نہیں ہے؟ (محمد محسن، اونگول)

جواب :- چیونٹی چونکہ باعث تکلیف بن جاتی ہے؛ اس لیے اس کو مارنا جائز ہے، اس مقصد کے لیے وہ دوائیں بھی استعمال کی جاسکتی ہیں جو آج کل بنائی گئی ہیں؛ البتہ آگ میں جلانا جائز نہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سزا کا حق صرف اللہ ہی کو ہے۔ (۱) اور فقہاء نے پانی میں ڈالنے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

"ولا بأس بقتل القمل لأنها من أهل الأذى ويكره إيقاعها في الماء." (۲)

شہد کی مکھیوں کو جلانا یا مارنا

سوال :- ہمارے یہاں درخت پر شہد کی مکھیوں نے چھتے

---

(۱) دیکھئے: بخاری شریف: ۴۲۳/۱، باب لا يعذب بعذاب الله (۲) فتاویٰ خانیہ: ۴۱۰/۳

لگا رکھے ہیں، پرندے آکر ان پر چونچ مارتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو آدمی نیچے سے گذر رہا ہوتا ہے، مکھیاں اس پر حملہ آور ہو جاتی ہیں، اب مکھیوں کو بھگانے کی دو صورتیں ہیں یا تو چھتہ کو آگ لگا دی جائے، یا پانی کے زوردار فواروں سے ان کو نشانہ بنایا جائے، ہر دو صورت میں مکھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کی موت واقع ہوگی، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، جب کہ بعض علماء حضرات نے بتایا کہ شہد کی مکھیوں کو مارنا جائز نہیں ہے؟ (امان اللہ، کوکن)

جواب:- جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں شہد کی مکھیاں انسان کے لئے اذیت اور تکلیف کا باعث ہیں اور ایذاء وضرر کے اسباب کو دور کرنا درست ہے، چاہے اس کی وجہ سے کسی حیوان کی جان چلی جائے، یہ درست ہے کہ بعض روایت میں رسول اللہ ﷺ نے شہد کی مکھی کے مارنے کو منع فرمایا ہے،(۱) لیکن یہ حکم عام حالات میں ہے، جب کہ وہ آدمی کے لئے ایذاء کا باعث نہ ہو، کیوں کہ اس سے انسان کو تقویت ملتی ہے، شہد جیسی نعمت حاصل ہوتی ہے، لیکن جب وہ انسان کے لئے نفع کے بجائے نقصان کا سبب ہو جائے، تو اس کو مارنا جائز ہوگا، جیسا کہ دوسرے موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت ہوتی ہے؛ البتہ چوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جلانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ آگ سے جلانا اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے:

" فإنه لايعذب بالنار إلا رب النار " (۲)

اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے آگ سے سزا دینا زیبا نہیں، اس لئے جلانے سے پرہیز کرنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو بغیر مارے ہوئے مکھیوں کو بھگا دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو فوارہ والی صورت اختیار کی جائے، یا کوئی اور متبادل صورت۔

---

(۱) ابو داؤد، عن عبد الله بن عباس ؓ، کتاب الأدب، باب في قتل الذر، حدیث نمبر: ۵۲٦۹

(۲) ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، حدیث نمبر: ۲٦۷۵

کتوں کی نسبندی

سوال:- اس وقت شہر میں کتوں کی نسبندی کی جارہی ہے، کیوں کہ عدالت نے کتوں کے مارنے کی ممانعت کردی ہے، کتوں کے ساتھ یہ عمل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

(محمد شفاء الدین، سکندرآباد)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اس لیے جانور کو انسان کی جس جائز خدمت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہو، اس میں استعمال کرنا درست ہے، اور اگر کسی جانور سے انسان کو نفع پہونچنے کے بجائے ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو، تو اس ضرر سے بچنے کے ذرائع اختیار کرنا بھی جائز ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت دی ہے، کتوں کی تعداد کا بڑھ جانا انسانی سماج کے لیے نقصان دہ ہے؛ کیوں کہ کتے کے کاٹنے کی وجہ سے انسان صرف زخمی ہی نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ہلاک بھی ہوجاتا ہے، اس لیے کتے کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روکنے کے لیے اس کی نسبندی کرنا بالکل جائز ہے، قدیم فقہاء کے زمانہ میں نسبندی کا طریقہ تو موجود نہیں تھا، لیکن خصی کرنے کا طریقہ مروج تھا، یعنی جانوروں کے فوطے نکال دیئے جاتے تھے؛ تاکہ ان میں قوت تولید باقی نہیں رہے، اس پس منظر میں فقہاء نے لکھا ہے کہ انسان کے ساتھ ایسا عمل کرنا تو قطعاً حرام ہے، جس پر اہل علم کا اتفاق ہے، جانوروں میں گھوڑے کی خصوصی اہمیت تھی کہ جہاد میں کام آیا کرتا تھا، اس پہلو پر نظر رکھتے ہوئے بعض فقہاء نے اس کے خصی کرنے کو بھی منع کیا ہے؛ لیکن دوسرے جانوروں کے بارے میں اتفاق ہے کہ اگر اس کو خصی کرنے میں انسان کا نفع ہو، یا اس کے ضرر سے حفاظت ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، فقہاء نے تو بلی کے بارے میں خاص طور پر لکھا ہے کہ اگر اس کو خصی کرنے کا مقصد ضرر سے بچنا ہو تو یہ جائز ہے:

وأما في غيره من البهائم فلا بأس به إذا كان فيه منفعة، وإذا لم يكن فيه منفعة أو دفع ضرر فهو

حرام كذا في الذخيرة ، خصاء السنور إذا كان فيه نفع أو دفع ضرر لا بأس به "(۱)

اس لیے کتوں کی نسبندی موجودہ حالات میں نہ صرف درست بلکہ مستحسن ہے، اور تغییر خلق کے دائرہ میں نہیں آتا ، اس لیے کہ جانوروں کی تخلیق کا بنیادی مقصد انسان کی خدمت اور اس کو فائدہ پہنچانا ہے، تو جب کتوں کی افزائش نسل کو روکنا ہی انسان کے مفاد میں ہو تو ایسی صورت میں یہ مقصد تخلیق کے مغائر عمل نہیں ہوا۔

مرغیوں کو مارنے کے لئے جسم سوز کیمیکل کا استعمال

سوال:- برڈ فلو کے سبب کی وجہ سے اس وقت لاکھوں کی تعداد میں مرغیوں کو ہلاک کیا جارہا ہے، انہیں ہلاک کرنے کے لئے ایسے کیمیکلز استعمال کئے جارہے ہیں جو مرغیوں کو جلادیتے ہیں، پھر انہیں مٹی کے گڑھوں میں دفن کردیا جاتا ہے، کیا اس طرح مرغیوں کو مارنا درست ہے؟ (محمد قاسم قریشی، پہاڑی شریف)

جواب:- اگر کسی جانور سے انسان کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو انہیں مار ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ، اسی لئے تو موذی جانور کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے، البتہ شریعت میں عام اصول یہ ہے کہ کسی جانور کو زندہ جلایا نہ جائے ، اسی لئے کھٹمل اور بچھو کو آگ میں جلانے سے منع کیا گیا ہے: " وإحراق القمل و العقرب بالنار مكروه "(۲) لہذا کوشش کرنی چاہئے کہ " جسم سوز کیمیکل " جانور کو مارنے کے لئے استعمال نہیں کیا جائے ، لیکن اگر مضر جراثیم کو مارنے اور اس کی مضرت سے بچنے کے لئے ایسے کیمیکلز کے استعمال کے سوا چارہ نہ ہو اور ذبح کرنے میں مرض کے پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اس کیمیکل کا استعمال کرنے میں بھی حرج نہیں ، کیوں کہ انسانی زندگی کی حفاظت کی اہمیت زیادہ ہے اور یہ مقدم ہے۔

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ: ۵/۳۵۷   (۲) ہندیہ: ۵/۳۶۱

جانور کو آختہ کرنا

سوال:- اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت میں تغییر سے منع فرمایا ہے، بعض دفعہ لوگ بکرے کے فوطہ کی گولیاں نکال دیتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے اور یہ تغییر خلق میں داخل نہیں؟

(محمد نذیر، ملک پیٹ)

جواب:- تغییر خلق سے مراد یہ ہے کہ کسی شئی کو اس کے مقصد تخلیق سے ہٹا دیا جائے، حیوانات کا مقصد انسان کی راحت رسانی ہے، اور حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی غذا کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور جو جانور خصی کر دیا جاتا ہے، اس کا گوشت بہتر ہوتا ہے، اسی لیے زمانۂ قدیم سے بکرے اور بیل وغیرہ کے آختہ کرنے کا سلسلہ جاری ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے جن دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی، ان کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے کہ وہ خصی (موجوء) تھے، اس لیے جانوروں کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں:

"وخصی البهائم یعنی یجوز؛ لأنه علیه الصلاة والسلام ضحی بکبشین أملحین موجوئین، والموجوء هو الخصی ولأن لحمه یطیب به" (۱)

مرغیوں کے لیے پنجرے

سوال:- میں پولٹری فارم کا کاروبار کرتا ہوں، ان میں جن مرغیوں کی پرورش کی جاتی ہے، اس کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے ایک فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا پنجرہ بنا دیا جاتا ہے؛ تاکہ مرغی اس سے باہر نہ جائے، اس طرح مرغیاں گندگی کھانے سے محفوظ رہتی ہیں، اور انتظام میں بھی سہولت ہوتی ہے، کیا ایسا کرنا

---

(۱) البحر الرائق: ۲۰۴/۸

جائز ہوگا؟　　　(خالد امام، پنجرہ وطن)

جواب:- مرغیوں کو ایسے پنجرہ میں بند کرنے کی گنجائش ہے، جس میں ان کو حرکت کرنے کی گنجائش ہو اور اتنا چھوٹا پنجرہ نہ ہو کہ ہمیشہ ایک ہی وضع پر رہنا پڑے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ مرغی کو قید میں رکھتے تھے، پھر اسے کھاتے تھے:

"عن ابن عمر أنه كان يحبس الدجاج ثلاثة أيام ثم يأكل" (۱)

اور فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ چارہ دیتے ہوئے مرغی کو قید میں رکھنا جائز ہے، بلکہ یہ اس کو سڑکوں اور گلیوں میں چھوڑنے سے بہتر ہے۔

"لا بأس بحبس الطيور و الدجاج في بيته و لكن يعلفها وهو خير من إرسالها في السكك" (۲)

مرغیوں کو مار دینا

سوال:- مرغیوں کو بعض دفعہ مار دینے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور بالعموم اس کے تین اسباب ہوتے ہیں:

(الف) مرغی میں بیماری پیدا ہونے کی وجہ سے۔

(ب) مرغی میں بیماری تو نہیں ہے لیکن پہلے جو بیماریاں ہوئی تھیں، اس کی وجہ سے مرغیوں کی فروخت انتہائی کم ہو جاتی ہے، اور ان کی پرورش کرنے میں سخت نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(ج) نر بچے بھی مار دیئے جاتے ہیں، کیوں کہ ان کی نشو و نما بہت دیر میں ہوتی ہے، اور ان کی غذا پر جتنا خرچ ہوتا ہے اتنے پیسے بھی وصول نہیں ہوتے ہیں۔"　　　(خالد امام، پنجرہ وطن)

---

(۱) مصنف عبد الرزاق، کتاب المناسک، باب الجلالہ، حدیث نمبر: ۸۷۱۵

(۲) رد المحتار: ۲/۳۸۶

جواب:- (الف) پہلی صورت میں مرغیوں کو مارنا جائز ہے، کیوں کہ انسان کو اس کے ضرر سے بچانا مقصود ہے اور یہ جائز ہے:

"وقتل المؤذي منها (الطيور) ومن الدواب جائز" (۱)

جزئیہ اور صریح ہے علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

"وأفتى النصحي بوجوب قتل كل مؤذ" (۲)

(ب و ج) کسی بھی جانور کو بلا وجہ مار ڈالنا جائز نہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی گوریّے کو بلا وجہ ذبح کیا، یا مار دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے باز پرس فرمائیں گے:

"إن النبي ﷺ قال: من ذبح عصفوراً أو قتله في شيء، قال عمرو: أحسبه قال: إلا بحقه، سأله الله عنه يوم القيامة" (۳)

لہٰذا بلا کسی معقول سبب کے کسی بھی جاندار کو مارنا، اور اس کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے:

"ويكره كل تعذيب بلا فائدة، هذا هو الأصل الجامع في إفادة معنى الكراهة" (۴)

اس لئے ان صورتوں میں جانور کو مار ڈالنا جائز نہیں، بلکہ یہ مکروہ ہے، البتہ ایسا کر سکتے ہیں کہ ان مرغی کے بچوں کو بھی جنگل میں ڈال دیں، تاکہ بیچارہ تلاش کر لیں، ان کی پرورش کرنا آپ پر واجب نہیں۔

مرغیوں کو مارنے کا طریقہ

سوال:- جن صورتوں میں مرغیوں کو مارنا پڑتا ہے، ان

---

(۱) رد المحتار: ۹/۵۵۵ (۲) رد المحتار: ۶/۱۰۰

(۳) مسند احمد ۲/۲۲۱، حدیث نمبر: ۶۵۵۰ (۴) رد المحتار ۹/۴۶۲

صورتوں میں ، مارنے کے تین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

(الف) ان کی گردن پر تیز دھاردار چاقو پھیر دیا جاتا ہے۔

(ب) ان مرغیوں کو پلاسٹک کی بڑی تھیلی میں ڈال کر اس کا منہ بند کر دیا جاتا ہے ، اس طرح آکسیجن نہ ملنے کی وجہ سے مرغیوں کا دم گھٹ جاتا ہے ، اور موت واقع ہوجاتی ہے۔

(ج) مرغیاں جس جگہ رکھی جاتی ہیں ، اس میں ایسی زہر آلود گیس چھوڑی جاتی ہے ، کہ اس کی وجہ سے مرغیوں کی موت واقع ہوجاتی ہے ، اب ان میں سے کس صورت کو اختیار کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارنا جائز ہے؟

(خالد امام ، بنجارہ ہلز)

جواب: - رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله كتب الإحسان على كل شيء ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة ، و إذا ذبحتم فأحسنوا الذبحة و ليحد أحدكم شفرته و ليرح ذبيحته" (۱)

"اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں بہتر طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ؛ لہذا جب تم کسی شخص کو (جس کا قتل واجب ہو چکا ہو) قتل کرو تو بہتر طور پر قتل کرو ، اور جب ذبح کرو تو بہتر طور پر ذبح کرو ، ذبح کرنے والے کو چاہئے کہ اپنی چھری کو تیز کر لے ، اور ذبیحہ کو راحت پہنچائے"

پھر ذبح کا بہتر طریقہ شریعت نے متعین کر دیا کہ کسی دھاردار چیز سے جانور کی شہ رگ کاٹ دی جائے ، لہذا ان تین طریقوں میں سے پہلا طریقہ یعنی دھاردار چیز سے ذبح کرنا ہی جائز ہے ، دوسرے طریقہ میں جانور کو زیادہ ایذا پہونچا تا ہے ، جو شریعت کے مزاج کے

(۱) ترمذی: ۱/۲۶۰ ، کتاب الدیات ، باب ما جاء فی النہی عن المثلۃ

خلاف ہے، اسی لئے فقہاء نے تکلیف پہونچانے والی بلی کے بارے میں حکم دیا ہے کہ اسے چھری سے ذبح کردیا جائے، اور کوئی دوسرا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے:

" الهرة إذا كانت مؤذية يذبحها بالسكين و يكره ضربها " (۱)

ذبیحہ کا گوشت کب تک دھویا جائے؟

سوال: حلال کئے ہوئے جانور کا گوشت کتنی بار دھوکر استعمال کرنا چاہئے؟ (عرفان، سلطانہ، کریم نگر)

جواب:- ایک خون وہ ہے جو گوشت میں ہوتا ہے دوسرے بہتا ہوا خون جو رگوں میں ہوتا ہے، یہ بہتا ہوا خون ناپاک ہے، اگر گوشت دھونے کے بعد یہ بہتا ہوا خون صاف ہو جائے تو کافی ہے، اگر خون صاف ہوگیا لیکن گوشت کو پانی میں ڈالا جاتا ہے تو پانی میں کسی قدر سرخی آجاتی ہے، اس کا اعتبار نہیں، اسے پاک اور حلال سمجھا جائے گا:

" وكذا ما بقي في المذبوح لأنه دم مسفوح كما في ابن أمير الحاج (قوله لا الباقي في اللحم) لأنه ليس بمسفوح ويشق الاحتراز عنه " (۲)

مدرسہ میں دئے گئے جانور کا گوشت

سوال:- ہمارے یہاں مدرسہ میں لوگ جان کی زکاۃ کے بدل کے طور پر بکرے لاکر ذبح کرکے مدرسے والوں کے حوالے کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس زکاۃ کے بکرے کو مدرسے کے اساتذہ اور طلباء استعمال کرسکتے ہیں؟ یا پھر جن کو زکاۃ

---

(۱) البحر الرائق : ۸/۲۷۵

(۲) طحطاوی علی المراقی : ۱۰۲

دینا جائز ہے، نہیں گوشت کے استعمال کا حق ہے؟

(محمد ابراہیم رئیس، نظام آباد)

جواب:- یہ جو جانور مدرسوں میں دئے جاتے ہیں، دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ کسی نے نذر مانی کہ اگر صحت ہو جائے تو ہم بکرے کی قربانی دیں گے، اس صورت میں جانور کا گوشت اور اس کی تمام چیزوں کو غریبوں پر صدقہ کر دینا واجب ہے، یہ ان ہی لوگوں کو دیا جا سکتا ہے جن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، البتہ زکوٰۃ میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ زکوٰۃ غیر مسلموں کو نہیں دی جا سکتی اور یہ غیر مسلموں کو بھی دیا جا سکتا ہے —— دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے کوئی نذر نہیں مانی تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے صحت دی تو بطور شکرانہ کے جانور ذبح کر دیا یا مدرسہ کو دے دیا، یہ صدقہ نافلہ کے درجہ میں ہے، اور یہ گوشت اساتذہ اور مستطیع طلبہ بھی کھا سکتے ہیں۔

کتاب الوقف

وقف سے متعلق مسائل

وقف سے متعلق مسائل

وقف میں وقف کرنے والے کے منشاء کی رعایت

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی خاص دینی مدرسہ کی تعمیر کی غرض سے ایک شخص نے یا متعدد اشخاص نے کسی غیر اسلامی یا اسلامی حکومت نے کچھ رقم کمیٹی کو دی اور یہ تخصیص کردی کہ یہ رقم آپ کے مدرسہ کی تعمیر کے لیے ہے، تو کیا کمیٹی والوں کے لیے یہ حق ہے کہ وہ کسی دوسرے مدرسہ کو اس رقم میں سے معطی کے منشاء کے خلاف امداد دیں، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ (نام غیر مذکور، حیدرآباد)

جواب:- وقف کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ واقف کے منشاء کی بہرحال رعایت کی جائے گی "شرط الواقف یجب اتباعه" (۱) اس صورت میں چونکہ واقف نے بطور خاص تاکید کردی ہے، اس لیے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جائے گی، وقف کے سلسلہ میں یہ اصول صرف مساجد ہی کے لیے نہیں ہے، تمام اوقاف کے لیے ہے، چنانچہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اگر کسی وقف کی عمارت کا کچھ حصہ منہدم ہو جائے اور فی الوقت اس کی ضرورت نہ ہو تو اسے روک رکھا جائے گا، اور جب ضرورت ہوگی دوبارہ اس میں استعمال کرلیا

---

(۱) الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱۹۵

جائے گا اور اگر بعینہ اس شئے کا استعمال ممکن نہ رہے تو فروخت کر کے اس کی قیمت مرمت واصلاح میں صرف کی جائے گی:

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه يبيع ويصرف ثمنه إلى المرمة" (۱)

لہٰذا اس رقم کو دوسرے مدرسہ کے لیے نہ دینا جائز ہے اور نہ واقفیت کے باوجود لینا، یہاں تک کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کسی وقف کے مال کو دوسرے وقف کے لیے دینا جائز نہیں ہے گو کہ وہ مال پہلے وقف کی ضرورت سے زائد ہو اور دوسرے وقف کو اس کی ضرورت ہو:

"هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة فقال: لا الخ" (۲)

وقف کی زمین حکومت کو رجسٹری کر دینا

سوال:- ایک جگہ مدرسہ کے لئے وقف ہے، زمین کے متولی چاہتے ہیں کہ وہ گورنر کے نام زمین کی رجسٹری کر دیں اور حکومت کے حوالے کر دیں؛ تاکہ حکومت اس میں ترقیاتی کام کرائے اور مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچے، اس بات پر آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، کیا اس زمین کو گورنمنٹ کو رجسٹری کر دینا شرعاً جائز ہے؟ (عبدالمجید، اندور)

---

(۱) فتاوی هندیه ۲ /۴۹۳ (۲) فتاوی هندیه ۲ /۴۷۸

جواب:- کسی بھی دینی یا رفاہی کام کے لئے جو زمین یا جائداد وقف کی جاتی ہے، وہ شرعاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہو جاتی ہے، اس کو کسی شخص یا ادارہ کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں؛ اس لئے گورنر کے نام اس زمین کا رجسٹری کر دینا اور حکومت کو اس کا مالک بنا دینا درست نہیں، ہاں اس بات کی گنجائش ہے کہ زمین اس ادارہ کی ملکیت ہو جس کو وقف کی گئی ہے اور اسی مقصد کے لئے گورنمنٹ سے اس پر عمارت تعمیر کرائی جائے یا گورنمنٹ سے قرض لے کر عمارت تعمیر کی جائے اور وقف کی آمدنی سے بتدریج اسے ادا کر دیا جائے؛ کیوں کہ اس میں وقف کا فائدہ ہے اور وقف میں ایسا تصرف جائز ہے، جو اس کے مقصد کے لئے مفید ہو؛ لہٰذا مذکورہ جائداد کے متولی صاحب کو سرکار کو زمین دینے سے باز رکھنا چاہئے۔ واللہ اعلم

غلط فہمی میں موقوفہ زمین پر تعمیر

سوال:- زید نے اپنی ایک مملوکہ زمین ایک مدرسہ کے لیے وقف کر دی اس زمین سے متصل عمرو کی زمین ہے، اس موقوفہ زمین کے ایک حصہ پر عمرو نے ایک مکان تعمیر کیا؛ لیکن تعمیری کام مکمل ہونے کے بعد جب موقوفہ زمین کو ناپا گیا تو یہ تعمیر شدہ مکان ننانوے فیصد موقوفہ زمین میں ہی ہے اور ایک فیصد کے قریب عمرو کی زمین میں ہے، واضح ہو کہ واقف باحیات ہے، اگر وہ موقوفہ کی بیع یا عوض لینے کی اجازت دے یا نہ دے تو بہر صورت مسئلہ کے حکم پر کیا اثر پڑے گا؟ (امان اللہ قاسمی، رائے گڑھی)

جواب:- اولاً تو عمرو کا بلا تحقیق اس طرح مکان تعمیر کرنا نہایت نامناسب بات ہے، تاہم جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں چند شکلیں ممکن ہیں:

(۱) عمرو سے کہا جائے کہ اپنی بنائی عمارت یہاں سے اکھاڑ لے۔

(۲) مدرسہ عمرو کو قیمت ادا کر دے اور مکان لے لے۔

(۳) عمرو سے اس کے بدلہ قیمت لے لی جائے۔

(۴) عمرو سے اس کے بدلہ زمین لے لی جائے۔

ان میں سے پہلی صورت مناسب نہیں، کیونکہ اس میں ایک مسلمان کے مال کا ضیاع ہے۔

دوسری صورت جب مدرسہ کے مفاد میں نہیں ہے، تو یہ بھی درست نہیں؛ کیونکہ ادارہ کا مفاد مقدم ہے اور اس کی مصلحت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

تیسری صورت وقف کے مفاد کے خلاف ہے؛ کیونکہ پیسے محفوظ نہیں رکھے جا سکتے؛ اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر وقف میں استبدال کرنا ہو تو درہم و دینار کے بجائے زمین اور مکان سے تبادلہ کیا جائے۔

"ان یستبدل بعقار لا بدراهم ولا بدنانیر"(۱)

اس لیے زمین لے لی جائے؛ البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ عمرو کی زمین بمقابلہ اس موقوفہ کے کم قیمت کی ہو یا کم مقدار میں ہو تو اس کی تلافی کرالی جائے؛ چوں کہ واقف زندہ ہے؛ اس لئے اگر وہ اجازت دیدے تو اور بہتر ہے اور اگر وہ اجازت نہیں دے تب بھی اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ وقف کے مفاد کی پوری رعایت ہو اور کوئی نزاع نہ پیدا ہو جائے، اگر واقف کی رائے اس کے خلاف بھی ہو تو اس کا لحاظ ضروری نہیں۔

غیر مسلم کو ڈیولپمنٹ کے لئے وقف کی اراضی کرایہ پر دینا

سوال:- وقف کی اراضی یا مکانات غیر مسلم بھائی کو دس پندرہ سال کے لئے لیز (اجارہ) پر دی جاسکتی ہے، جبکہ وہ شخص آٹھ نو لاکھ روپیہ خرچ کر کے نئی بلڈنگ تعمیر کرواتا ہے اور رعایۃً اس شخص سے بازاری رقم کرایہ سے آدھی رقم ماہانہ کرایہ مقرر کر کے اگریمنٹ

---

(۱) ردالمحتار ۶/۵۸۶

رکھا گیا ہو، نیز کرایہ بھی تعمیر میں خرچ شدہ پوری رقم ادا ہونے تک

منہا ہوتا رہے گا، شرعی حیثیت سے روشنی ڈالیں۔

(احمد سعید المبر، مجریال)

جواب:- وقف کی اراضی یا عمارت جائز کام میں استعمال کرنے کے لئے مسلمانوں کو بھی دی جاسکتی ہے اور غیر مسلم کو بھی، اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ وقف کی حفاظت اور اس کو زیادہ نافع بنانے کا خیال رکھا جائے، قدیم فقہاء نے وقف کو کرایہ پر دینے کے سلسلے میں مدت کی کوئی تحدید نہیں رکھی تھی، لیکن وقف کی اراضی اور جائیداد پر ناجائز قبضہ اور کرایہ داروں کی طرف سے بد دیانتی کو دیکھتے ہوئے بعد کے فقہاء نے مدت کی تحدید کرنے کی کوشش کی ہے، بعضوں نے زیادہ سے زیادہ ایک سال اور بعض حضرات نے تین سال تک کے لئے کرایہ پر لگانے کی اجازت دی ہے، لیکن اصل میں مقصود یہ ہے کہ وقف کا تحفظ ہو اور اس سے فائدہ پہنچے، حالات کے لحاظ سے اس میں فرق ہوسکتا ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

"وهذا أمر يختلف باختلاف المواضع واختلاف

الزمان ... إنما هو بسبب الخوف على الوقف،

فإذا كانت المصلحة الزيادة أو النقص اتبعت" (1)

اس وضاحت کی روشنی میں عرض ہے کہ اگر کسی غیر مسلم کو وقف کی زمین یا مکان کرایہ پر دیا جائے، تا کہ آئندہ وقف کی آمدنی زیادہ ہو سکے اور اس کا کرایہ عام کرایہ سے کم رکھا جائے، لیکن بلڈنگ میں ڈیولپمنٹ کی صورت میں کسی مرحلہ پر مروج ہو تو اس طرح کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ بظاہر اس میں وقف کا مفاد نظر آتا ہے، بشرطیکہ وقف کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کا اندیشہ نہ ہو۔

---

(۱) ردالمحتار: ۶۰۴-۶۰۵

وقف کا بے محل استعمال

سوال:- مسجد کے لئے وقف شدہ جائیداد سے جو آمدنی ہوتی ہے ، کیا واقفین جائیداد کے منشا کے خلاف اس کو مسجد کی انتظامی کمیٹی استعمال کرسکتی ہے ؟ واقفین جائیداد نے اس وقت دستور العمل میں یہ صاف صراحت کردی تھی کہ جائیداد سے جو بھی آمدنی ہو اس کا چوتھائی حصہ عملہ کے مشاہرہ کے لئے اور ما بقیہ تین چوتھائی حصہ دینی تعلیم پر خرچ کیا جائے ، اب موجودہ کمیٹی دینی تعلیم پر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کررہی ہے ، شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں ؟

(احمد سعید ، مجر پال)

جواب:- وقف کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کی آمدنی کو خرچ کرنے میں وقف کرنے والے کے منشا کی پوری رعایت کی جائے ، جب وقف کرنے والے نے آمدنی کا تین چوتھائی حصہ دینی تعلیم کے لئے مخصوص کردیا تھا تو اب ضروری ہے کہ اتنی مقدار اسی مد میں خرچ کی جائے ، خواہ مسجد کے تحت مکتب قائم کردیا جائے اور اس میں یہ رقم صرف کی جائے ، یا دینی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کو اس سے وظیفہ دیا جائے ؛ لیکن یہ درست نہیں ہے کہ دینی تعلیم پر وقف کی جانے والی رقم ان خدام مسجد پر خرچ کی جائے ، جن سے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری متعلق نہیں ہے :

" ...... لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم : شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به " (۱)

البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر کبھی دینی تعلیم والے مد میں زیادہ پیسے ہوں اور مسجد کی مد میں

---

(۱) الأشباہ والنظائر ص:۱۷۵

کم از کم عارضی طور پر مسجد کی مد میں دوسری مد سے قرض کے طور پر رقم لے لی جائے اور بعد میں مسجد کی مد سے یہ رقم ادا کر دی جائے۔

وقف کی زمین پر غاصبانہ قبضہ

سوال:- رشید نے وقف کی زمین کرایہ پر حاصل کی اور بعد میں اس پر قابض ہو گیا؛ چوں کہ طویل مدت سے یہ زمین رشید کے استعمال میں تھی؛ اس لئے عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، جس میں چالیس فیصد زمین وقف یعنی مسجد کو دی گئی اور ساٹھ فیصد رشید کو، تو اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) کیا عدالت کے اس فیصلے کی وجہ سے رشید اس زمین کا مالک ہو جائے گا؟

(ب) اگر رشید اس زمین کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو کیا مسجد کمیٹی اس زمین کو اس طور پر بیچنے کی اجازت دے سکتی ہے کہ جو قیمت آئے اس کا چالیس فیصد مسجد کو مل جائے اور ساٹھ فیصد رشید لے لے؟

(ج) کیا مسجد کمیٹی حیلہ کے طور پر وہ پوری زمین اتنی کم قیمت پر بیچ سکتی ہے جو مسجد کی چالیس فیصد حصہ داری کے مطابق ہو؛ لیکن بطور حیلہ اتنی ہی قیمت پر اسے دے دیا جائے؛ کیوں کہ رشید بھی چاہتا ہے کہ زمین پر اس کا قبضہ شرعاً جواز کے دائرے میں آجائے؟

(د) رشید کی مقبوضہ زمین پر حکومت نے قبضہ کر لیا تھا، اگر وہ مقدمہ لڑ کر کامیابی حاصل نہ کرتا تو یہ پوری زمین حکومت کے قبضہ میں چلی جاتی تو کیا نصف یا اس سے زیادہ زمین رشید کو بطور اجرت کے دی جا سکتی ہے؛ جیسا کہ عام معاملات میں اتنی اجرت ادا کی جاتی ہے، کیا یہ صورت درست ہوگی؟ (مسجد کمیٹی، کیلے از مساجد ممبئی)

جواب:- (الف) وقف کی زمین کے بارے میں شریعت کا تصور یہ ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہوتی ہے، اگر کوئی شخص وقف کی زمین پر ناجائز قبضہ کرتا ہے تو دراصل وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے حق میں مداخلت کرتا ہے اور اپنے خالق و مالک سے لڑائی مول لیتا ہے، دین و آخرت میں ایسے شخص کا کیا حشر ہوگا؟ وہ محتاج بیان نہیں! اس لئے عدالت کے فیصلے کی وجہ سے رشید کے لئے مسجد کی زمین پر اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اللہ کے فیصلہ کے مقابلے کسی عدالت کا فیصلہ معتبر نہیں ہے اور کسی بھی مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ اللہ اور اللہ کے گھر کے مقابلے میں عدالت کے فیصلے سے فائدہ اٹھائے؛ بلکہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر غاصب نے مسجد کی زمین سے نفع اٹھایا ہو تو نہ صرف زمین واپس کرنی واجب ہوگی؛ بلکہ اس مدت میں جو نفع حاصل کیا ہے، اس کا واپس کرنا بھی واجب ہوگا:

"وإذا كان في أرض الوقف نخيل وأشجار استغلها الغاصب سنين يعني الأشجار والنخيل ثم أراد رد الأرض والنخيل والأشجار رد الغلة معها إن كانت قائمة بعينها وإن كانت مستهلكة ضمن مثلها" (۱)

(ب) وقف کے احکام میں اس بات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ متولی کو وہ عمل کرنا چاہئے، جو وقف کے مفاد میں ہو، کبھی زمین کو باقی رکھنے میں وقف کا مفاد رہتا ہے اور کبھی زمین کو بیچ دینے میں وقف کا مفاد رہتا ہے، اصلاً تو یہ بات جائز نہیں ہے کہ مسجد کی زمین فروخت ہو، چالیس فیصد مسجد کو ملے اور ساٹھ فی صد رشید کو؛ لیکن جب رشید پوری زمین مسجد کو دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اگر اس طرح پر معاملہ طے نہ کرلیا جائے تو مسجد کے چالیس فیصد زمین سے بھی محروم ہو جانے کا اندیشہ ہے: اس لئے اگرچہ کہ رشید کے لئے ساٹھ فیصد رقم لے لینا جائز نہیں؛ لیکن مسجد کمیٹی کے لئے وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے چالیس فیصد پر معاملہ طے کر لینے کی گنجائش ہے۔

(۱) الفتاوی الهندیة: ۴۴۹/۲

(ج) وقف کی زمین کو مروجہ قیمت سے کم میں بیچنا درست نہیں، اسی طرح مروجہ اجرت سے کم میں کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں: "ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل" (۱) اس لئے رشید کے لئے مارکیٹ ریٹ سے کم میں مسجد سے اس زمین کو خرید کرنا جائز نہیں؛ لیکن اگر اس کو اس پر اصرار ہو تو چوں کہ اسی قیمت پر بیچنے میں وقف کا تحفظ ہے؛ اس لئے مسجد کمیٹی معاملے کو حل کرنے کے لئے اور محض مسجد کو نقصان سے بچانے کے لئے اس قیمت پر معاملہ طے کر سکتی ہے۔

(د) عدالتی کارروائی کے لئے رشید نے جو پیسے خرچ کئے ہیں، اتنی رقم اور جو محنت کی ہے اس کی مروجہ مناسب اجرت مسجد سے لینے کی گنجائش ہے، اتنی اجرت لینا جو اس کام کے لئے عام طور پر ادا نہیں کی جاتی، جائز نہیں ہے؛ البتہ — جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا — اگر مسجد کا مفاد اس میں ہو تو مجلس انتظامی کے لئے اس پر معاملہ طے کر لینے کی گنجائش ہے۔

بہر حال رشید کو چاہئے کہ مسجد کو اپنی آخرت کے کمانے کا ذریعہ بنائے نہ کہ دنیا کے حاصل کرنے کا اور اللہ کو ناراض کرنے کا، اس کے لئے ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ مسجد کی زمین کو تو مارکیٹ ریٹ کے لحاظ سے خرید کرے اور پوری زمین کی قیمت ادا کرے؛ لیکن پچیس فیصد نقد ادا کر دے اور بقیہ کے لئے مناسب مہلت لے لے اور کچھ عرصہ کے بعد قسطوں میں اسے ادا کرے، اس طرح اسے کاروبار کے لئے فوری طور پر ایک بڑی رقم مہیا ہو جائے گی، ہو سکتا ہے کہ اس کے نفع میں سے بتدریج مسجد کے پیسے ادا ہو جائیں اور اس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اللہ کے پاس جواب دہی سے بچ جائے گا، دنیا کے چند روزہ نفع کے لئے آخرت کے نقصان کو خرید کرنا عقلمندی نہیں ہے، مجلس انتظامی کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ وقف کے مفاد اور اس کے تحفظ کو پیش نظر رکھے؛ ایسا نہ ہو کہ کل کو حاصل کرنے کی فکر میں جز بھی ہاتھ سے نکل جائے۔

---

(۱) الفتاوی الہندیہ: ۲/ ۴۱۹

مساجد سے متعلق احکام

نماز کی جگہ پر کچن

سوال:- شہر کی ایک مسجد میں ایک تبدیلی یہ ہوئی کہ اگلی صف کے نزد کچن روم بنادیا گیا ہے، تاکہ دینی کام کرنے والے جب مسجد میں قیام کریں تو کھانا پکانے میں سہولت رہے، اسی کی وجہ سے پہلی صف مختصر ہوتی ہے، بلکہ اب پہلی صف چھوڑ کر دوسری صف سے صف بندی ہو رہی ہے، تو کیا اس طرح مسجد کے حصہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟ (محمد شمشیر، یوسف گوڑہ)

جواب:- مسجد سب سے زیادہ قابلِ احترام جگہ ہے، جب کسی جگہ کو مسجد کے لئے وقف کردیا گیا اور وہاں ایک بار نماز پڑھ لی گئی تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد اور نماز کی جگہ ہے، اس جگہ میں کوئی بھی ایسا کام کرنا اور اس کے لئے اس کو مخصوص کردینا جو عبادت میں شامل نہیں ہے، قطعاً جائز نہیں، بلکہ ایسی صورت میں مسجد کی بے احترامی کا گناہ ہوگا، لہٰذا اگر کچن کی جگہ پر نماز پڑھی جاتی تھی اور اب اس کی حیثیت تبدیل کردی گئی تو یہ درست نہیں اور باعث گناہ ہے، منتظمین کو چاہئے کہ جس جگہ پر نمازیں پڑھی جاتی رہی ہیں، ان سے ہٹ کر دیگر ضروریات کی جگہ بنائیں۔

مسجد کے طہارت خانہ وغیرہ کی جگہ کی تبدیلی

سوال:- مدھیہ پردیش کی حکومت سپریم کورٹ کے

آرڈر کی بنا پر بہت سی مسجدوں اور مندروں کو سڑک کی توسیع میں منتقل کر رہی ہے، مندر تو ایسے سیکڑوں ہیں، لیکن دو تین مسجدیں بھی زد میں آ رہی ہیں، ہمارے شہر اندور سے قریب ایک مسجد اسی طرح سڑک کی توسیع میں متاثر ہو رہی ہے، پھر نماز پڑھنے والی جگہ توسیع میں نہیں آئے گی؛ لیکن کھلا ہوا صحن جس پر فرش نہیں ہے، نیز وضو خانہ اور مؤذن صاحب کا کمرہ توسیع کی زد میں آ رہا ہے اور حکومت کہہ رہی ہے کہ اگلی جانب نماز کی جگہ سے متصل زمین پر سرکار یہ تمام ضرورتیں مہیا کر کے دے دے گی، کیا اس کو قبول کر لینا جائز ہے؟ (ممتاز احمد، اندور)

جواب:- اگر روڈ کی توسیع میں طہارت خانہ، صحن اور مؤذن کا کمرہ جا رہا ہے، عین نماز کی جگہ نہیں جا رہی ہے اور اس کا متبادل حکومت دوسری طرف جگہ دے رہی ہے تو اس کو قبول کر لینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ عین مسجد جو نماز ادا کرنے کے لئے مخصوص ہے، اس کی حیثیت میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے:

" بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وإن کان بأمر القاضي وإن کان خرابا " (۱)

لیکن جو جگہ مصالح مسجد کے لئے استعمال ہو رہی ہے، وہ عام اوقاف کی طرح ہیں، ان کے بوقت ضرورت استبدال کی گنجائش ہے: "... لکن لا یبیعها إلا بإذن الحاکم ألخ " (۲) واللہ اعلم

مسجد کے لیے خریدے گئے پلاٹ کو کرائے پر دینا

سوال:- پندرہ سال پہلے ۴۰ × ۳۰ پلاٹ پر ایک مسجد

---

(۱) البحر الرائق: ۵/۲۲۳ (۲) البحر الرائق: ۵/۲۲۳

تعمیر کی گئی، فی الوقت اس میں پانچوں وقت نماز ادا کی جا رہی ہے، تین سال پہلے مسجد کی توسیع کے لیے مسجد سے بالکل لگ کر ایک پلاٹ خریدا گیا، رقم کی کمی کے سبب اب تک پلاٹ کھلا پڑا ہوا ہے، ایک ہفتہ پہلے اس کے کھلے پلاٹ کو ماہانہ پانچ سو روپے کرایہ پر دے دیا گیا، اس پر کرایہ دار ایک عارضی ٹین شیڈ ڈال کر پرانا سامان لوہا وکنڈ ڈال کر استعمال کر رہا ہے، مسجد کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ تعمیری چندہ یا سرمایہ رقم جمع ہونے تک کھلے پلاٹ پر مسجد کی تعمیر نہیں کی جا سکتی، اس لیے جب تک مسجد کی آمدنی و دیگر اخراجات کے لیے کھلے پلاٹ سے کرایہ حاصل کیا جائے، شرعی احکام کے مطابق یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ معلوم فرمائیں۔ (پی شاہ میاں، گلبرگہ)

جواب:- مسجد کے لیے جو زمین خرید کی جائے، جب تک اس پر نماز ادا نہ کی جائے وہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوتی، اس لیے مسجد کی مجلس انتظامی کو اپنی نیت یہی رکھنی چاہیے کہ جس مقصد کے لیے انھوں نے زمین خریدی ہے، اسی مقصد میں استعمال کریں، لیکن جب تک تعمیر کی گنجائش نہ ہو، اسے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ فی الحال وہ خطۂ زمین مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہے۔

نیچے دکانیں اوپر مسجد

سوال:- ہمارے علاقہ میں جدید مسجد کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ تہ خانے میں حجرے بنائے گئے، انھیں حجروں پر مسجد تعمیر کی گئی، ابتداءً ان حجروں میں ایک دینی مدرسہ چلتا تھا، جو بعد میں دوسری جگہ منتقل ہوگیا، اب ان حجروں کو جو بالکل مسجد کے نیچے ہیں

---

(۱) در مختار و رد المحتار: ۵۱۵-۱۴/۶

کرایہ پر دے دیا گیا ہے، ان حجروں کو کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

(محمد ندیم، نظام آباد)

جواب:- اگر شروع میں زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہو تو وہ زمین سے تا آسمان مسجد سمجھی جانے گی، مسجد کے نیچے کسی اور مقصد کے لیے کمرے بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، اور اگر پہلے سے حجرے بنائے گئے، ان حجروں کی چھت پر مسجد بنائی گئی، گویا چھت سے مسجد بنائی گئی، اور مسجد تک جانے کا الگ راستہ بنایا گیا، تو چھت سے مسجد شمار ہوگی، نیچے کے حجرات مسجد کے حکم میں نہیں ہوں گے، اگر ان حجروں میں دینی مدرسہ چلایا جائے، یا جائز چیزوں کے لیے کرایہ پر لگایا جائے، اور وہ کرایہ مسجد کی ضرورت پر خرچ کیا جائے تو یہ صورت جائز ہے:

" من جعل مسجداً تحته سرداب و فوقه بيت و جعل باب لمسجد إلى الطريق ... لو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في بيت المسجد المقدس " (۱)

قدیم غیر آباد مسجد کا حکم

سوال:- ہمارے یہاں ایک بہت قدیم مسجد ہے، تنگ پڑ جانے کی وجہ سے اس کے پچھلے حصہ میں پانچ چھ قدم آگے جدید تعمیر کی گئی ہے اور قدیم مسجد کو چھوڑ دیا گیا ہے؛ کیوں کہ لوگوں میں اس سلسلہ میں انتشار ہے کہ قدیم مسجد شہید کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس مسجد کو مدرسہ کی حیثیت سے رکھا جائے اور اس میں تعلیم ہوا کرے، اگر قدیم مسجد میں بھی نماز ادا کی جائے تو مستقل امام مقرر کرنا ہوگا، پھر دیہات میں لوگ اتنے پابند صلوٰۃ نہیں کہ دونوں مسجدوں کو آباد کر سکیں، ایسی صورت میں بہتر طریقہ کیا ہوگا؟

(محمد نظام الدین مظہری، کاماریڈی)

---

(۱) شامی: ۶/۲۰۹

جواب :- جو جگہ ایک دفعہ مسجد بن گئی ، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو گئی ، اب اس کو کسی اور کام میں استعمال نہیں کیا جا سکتا ، اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ سابقہ مسجد کی تعمیر کو بڑھا کر نئی مسجد سے ملا دیا جائے ، اگر اس کے لئے سابقہ عمارت کو منہدم کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی بھی گنجائش ہے :

" أراد أهل المحلة نقض المسجد و بناءه أحكم من الأول إن الباني من أهل المحلة لهم ذلك و إلا لا " (۱)

اگر فی الحال تعمیر کی گنجائش نہ ہو تو مسجد ہی کے تحت دینی مکتب قائم کر کے قدیم مسجد کے حصہ میں مکتب چلایا جا سکتا ہے ۔

مسجد کے واٹر کولر سے وضو

سوال :- بہت سے اہل خیر مسجدوں میں واٹر کولر لگا دیتے ہیں ؛ تا کہ مسجد میں آنے والوں کو ٹھنڈا پانی مل سکے ، بعض لوگ اسی پانی سے وضو کرنے لگتے ہیں ، کیا ایسا کرنا درست ہے ؟

(حبیب الرحمن ، کنگ کوٹھی)

جواب :- جو پانی پینے کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو ، اس سے وضو کرنا درست نہیں ، بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر پینے کے پانی کے حوض میں پانی موجود ہو اور دوسرا پانی قریب میں دستیاب نہ ہو تب بھی اس پانی سے وضو کرنے کے بجائے تیمم کر لینا چاہئے ، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ایک تو اس پانی سے وضو کرنا واقف کے منشاء کے خلاف ہے ، دوسرے لوگوں کے لئے دشواری اور تکلیف کا باعث ہے ؛ لہٰذا کولر کے پانی سے وضو کر لینا درست نہیں :

" لا يجوز الوضوء من الحياض المعدة للشرب ، ولا يمنع جواز التيمم إلا أن يكون الماء كثيرا " (۲)

---

(۱) رد المحتار ۶ : ۵۴۹ (۲) در مختار و رد المحتار ۱ : ۲۱۹

ملگیوں کی چھت کے لئے مسجد کی دیوار کا استعمال

سوال:- ہمارے یہاں نئی مسجد تعمیر ہو رہی ہے، جو بازار میں واقع ہے، یہاں اگر چند ملگیاں بن جائیں تو مسجد کے لئے آمدنی کا بہت اچھا ذریعہ بن سکتا ہے، اس لئے مسجد کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد کی مشرقی جانب کو چھوڑ کر بقیہ تینوں طرف مسجد سے متصل ملگیاں بنادی جائیں، چوں کہ جگہ کم ہے، اس لئے چاہتے ہیں کہ مسجد ہی کی دیوار پر ملگیوں کی چھت ڈال دی جائے، اس طرح ایک دیوار مسجد کی ہو جائے گی اور اخراجات بھی کم ہو جائیں گے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب:- مسجد کی دیواریں بھی مسجد یعنی نماز کے لئے مخصوص جگہ سے متصل ہو کر مسجد ہی کے حکم میں ہیں اور مسجد ہی کی طرح ان کا احترام واجب ہے، جو جگہ مسجد کے لئے مخصوص ہو، اس کو دکان کے لئے استعمال کرنا درست نہیں، اس لئے مسجد کی دیوار کو دکان کی دیوار کے طور پر استعمال کرنا اور اس پر دکانات کی چھت ڈال دینا جائز نہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه" (۱)

البتہ مسجد کی دیوار سے علیحدہ دوسری دیوار ملگیوں کے لئے بنائی جاسکتی ہے، تاکہ مسجد کی ضروریات کے لئے آمدنی کا مستقل نظم ہو سکے۔

مسجد کی سمت قبلہ میں یا مسجد کے نیچے بیت الخلاء

سوال:- (الف) مسجد کے سامنے قبلہ کی طرف بیت

(۱) رد المحتار ۳: ۳۸۲

الخلاء بنانے کا کیا حکم ہے؟ (ب) پہلے سے نیچے بیت الخلاء بنا ہوا تھا، مسجد کی جگہ تنگ ہوگئی؛ چنانچہ اس کی چھت کو مسجد کی بالائی منزل کا حصہ بنا دیا گیا، اس میں کوئی حرج ہے؟

جواب:- (الف) مسجد کی دیوار قبلہ کے سامنے بیت الخلاء اس طرح بنانا کہ مسجد کی دیوار اور بیت الخلاء کے درمیان کوئی اور دیوار فاصل نہ ہو، مکروہ ہے، فقہاء نے نجاست کی وجہ سے قبلہ مسجد میں حمام کو بھی مکروہ قرار دیا ہے، تو بیت الخلاء تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا:

"قال محمد: أكره أن تكون قبلة المسجد إلى المخرج والحمام والقبر" (۱)۔

پھر اس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ان دونوں کے درمیان دیوار کا فصل نہ ہو:

"وهذا إذا لم يكن بين المصلي وبين هذه المواضع حائط أو سترة، أما إذا كان لا يكره و يصير الحائط فاصلا" (۲)۔

لہٰذا اگر مسجد کی دیوار کے بعد بیت الخلاء کی علاحدہ دیوار موجود ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن کوشش یہی کرنی چاہئے کہ مشرق کی جانب، دائیں بائیں یا مغرب میں تھوڑے فاصلے سے بیت الخلاء تعمیر کیا جائے۔

(ب) جب مسجد کے نیچے بیت الخلاء ہو تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا؛ کیونکہ بعض اہل علم کے نزدیک اگر چھت سے بھی مسجد کی نیت کی جائے تو نیچے ہی سے مسجد کا حکم ثابت ہو جاتا ہے، ہاں! اگر ازدحام کی وجہ سے اس چھت پر نماز ادا کرلی جائے تو اس میں حرج نہیں؛ کیونکہ ایسی صورت میں اس کا حکم مسجد شرعی کا نہیں ہوگا، مسجد بیت کا ہوگا اور مسجد بیت میں اس طرح کی صورتیں مکروہ نہیں ہیں۔

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۵: ۳۱۹ (۲) حوالہ سابق: ۵: ۳۲۰

" فإنما يكره استقبال هذه المواضع في مسجد الجماعات فأما في مسجد البيت فلا يكره " (۱)

مسجد میں امام صاحب کا کمرہ

سوال:- ہمارے محلہ میں مسجد کی تعمیر ہوئی ہے جس میں نیچے امام صاحب کے لئے رہائشی مکان بنایا گیا اوپری حصہ میں مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، جس میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں، تو کیا اس مکان میں امام صاحب اپنی فیملی کے ساتھ رہ سکتے ہیں؟

(احمد حسن، نظام آباد)

جواب:- اگر پہلے سے اس جگہ مسجد نہ رہی ہو؛ بلکہ پہلی بار تعمیر کی جارہی ہو اور ابتداءِ تعمیر میں نیچے رہائشی مکان بنادیا گیا ہو اور اوپر مسجد تو یہ صورت درست ہے، اور تعمیر جدید میں نیچے رہائش گاہ اور اوپر مسجد بنادی گئی تو یہ جائز نہیں، کیونکہ جب ایک دفعہ مسجد بن گئی تو اب اس کو کسی اور مصرف میں نہیں لیا جاسکتا۔

نئی تعمیر میں نچلی منزل کو کسی اور کام میں استعمال کرنا

سوال:- ایک جگہ مسجد کے لئے خریدی گئی، اس میں پانچ سال تک نماز ادا کی جاتی رہی، اب وہ پرانی ٹین شیڈ مسجد شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کی جارہی ہے، اور وہ دو منزلہ تعمیر کی جارہی ہے، نچلی منزل جہاں نماز ادا کی جارہی تھی اس جگہ پر دوکانیں برائے آمدنی مسجد اور مدرسہ بنا رہے ہیں اور اوپری منزل مسجد ہے، کیا اس جگہ پر دوکان اور مدرسہ بنانا جائز ہے؟ (لیاقت علی، بلڈانہ)

جواب:- جو زمین مسجد کے لئے خریدی گئی اور اس میں ایک عرصہ تک نماز پڑھی

(۱) الفتاوی الهندیة: ۵/ ۳۲۰

جاتی رہی، خواہ وہ ٹین شیڈ کی ہو یا کسی معمولی چھپر کی، اب وہ جگہ مسجد کے حکم میں ہوگی، نئی تعمیر میں اس جگہ دوکان یا مدرسہ بنانا اور اسکے اوپر مسجد درست نہیں، وہ جگہ سطح زمین ہی سے مسجد ہے:

" ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثانی ابدا الى قيام الساعة وبه يفتى " (۱)

حالت کفر کی کمائی مسجد پر خرچ کرنا

سوال:- ایک شخص کو اللہ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی، اس کے پاس حالت کفر کے کمائے ہوئے پیسے ہیں — جن میں حرام طریقہ پر حاصل کی ہوئی آمدنی بھی شامل ہے — کیا وہ ان پیسوں کو مسجد میں صرف کرسکتا ہے؟

جواب:- کسب حرام کی بعض صورتیں وہ ہیں، جن کی ممانعت ہر مذہب میں ہے اور جو عقل سلیم کا تقاضا ہے، جیسے چوری، ڈکیتی کے ذریعہ سے مال حاصل کرنا، کچھ صورتیں وہ ہیں، جن کی شریعت اسلامی میں ممانعت ہو، عقل کے نزدیک قابل قبول ہو، جیسے سود، مردار وحرام جانور فروخت کر کے حاصل کی ہوئی قیمت، قمار وغیرہ، تو حالت کفر میں پہلی قسم کے جو مال اس نے حاصل کیے ہوں، ان کا حکم مال حرام ہی کا ہے، ان کو مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں، اگر مالک کا پتہ چل سکے، تو اسے حوالہ کر دے، ورنہ بلانیت ثواب صدقہ کر دے، اور جو مال دوسرے طریقہ پر حاصل کیا گیا ہو، وہ اس کے حق میں حلال ہے؛ کیونکہ حالت کفر میں انسان عملی، فروعی احکام کا مخاطب نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا وہ مال اس کے حق میں حلال سمجھا جائے گا اور اس پیسے کو مسجد میں خرچ کرنا بھی جائز ہوگا۔

اگر مسجد کی توسیع میں قبریں رکاوٹ ہوں؟

سوال:- اگر قبرستان میں مسجد ہو اور مسجد کی توسیع کی

---

(۱) درمختار ۱/۳۷۹

ضرورت ہو تو کیا قبر کو ہٹا کر وہاں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے، یا قبروں کے اوپر چھت ڈالی جاسکتی ہے؟　　(عبدالسلام، بیدر)

جو**اب**:- اگر قبریں پرانی ہوگئی ہوں، یہاں تک کہ ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوگئی ہوں تو ان قبروں کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے، اگر کھدائی میں ہڈیاں نکلیں تو انہیں احترام کے ساتھ دوسری جگہ دفن کر دیا جائے، اگر اتنی پرانی قبریں نہ ہوں تو اس حصہ میں مسجد کی توسیع نہیں کی جاسکتی، مشہور حنفی فقیہ علامہ عینیؒ نے پرانی اور نئی قبروں کے درمیان یہ فرق کیا ہے؛ البتہ اگر قبر کو باقی رکھتے ہوئے زمین سے ستون دے کر چھت ڈال دی جائے اور اسے مسجد کا حصہ بنا یا جائے تو یہ درست ہے، اس میں پرانی اور نئی قبر کی تفصیل نہیں، علماء ہند میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔(۱)

---

(۱) دیکھئے کفایت المفتی: ۳۰۸/۳، فتاویٰ رحیمیہ: ۸۷/۶

آداب مسجد

مسجد کے طہارت خانے

سوال:- آج کل تمام مسجدوں میں نمازیوں کی سہولت کے لیے طہارت خانے بنائے جاتے ہیں، طہارت خانوں کا مسلسل اور کثرت سے استعمال ہونے کی وجہ سے وہاں سے ناگوار بو آتی ہے، طہارت خانوں کی صفائی کا خیال رکھنے کے باوجود ناگوار بو میں کمی نہیں ہو رہی ہے اور تقریباً تمام مسجدوں کی حالت یکساں ہے، کیا مسجدوں میں طہارت خانے ہونا ضروری ہے؟ یا اس کا تدارک کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ مسجد کی حرمت اور اس مسئلہ کا حل شریعت کی روشنی میں عنایت فرمائیں تو مہربانی ہوگی۔

(عبدالرافع، ناندیڑ)

جواب:- مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جگہ ہے، یہاں فرشتہائے رحمت کی آمد و رفت رہتی ہے، نیز عبادت و بندگی کے لیے خوشگوار ماحول کی ضرورت ہے، بدبو ملائکہ جیسی لطیف مخلوق کے لیے گرانی کا باعث ہے اور اس کی وجہ سے ماحول بھی خراب ہوتا ہے اور عبادت کے لیے یکسوئی باقی نہیں رہتی، اس لیے ضروری ہے کہ مسجد کو بدبو سے بچایا جائے اور اس کے قرب و جوار کو گندگی سے محفوظ رکھا جائے، رسول اللہ ﷺ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا

کہ آپ ﷺ نے کچی لہسن کھائے ہوئے شخص کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا،(۱) اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد میں خروج ریح سے بچنا چاہیے، یعنی اگر ریاح کا دباؤ ہو تو مسجد سے باہر چلا جانا چاہیے، اس لیے طہارت خانے کا نماز کی جگہ سے اتنا قریب ہونا کہ نمازیوں تک اس کی بدبو پہنچے، کراہت سے خالی نہیں، اس لیے دونوں کے درمیان فاصلہ رکھ کر یا دیوار بنا کر مسجد کو بدبو سے بچانے کی تدبیر کرنی چاہیے، اکثر مسجدوں میں اس کی رعایت کی جاتی ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کب ہوئی ؟

سوال:- مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد کب رکھی گئی ؟

(محمد غوث الدین قدیری، کریم نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو شروع ہی سے آپ ﷺ کو مسجد کی تعمیر کا خیال تھا؛ چنانچہ ہجرت کے سال ربیع الاول ہی کے مہینہ میں آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر فرمائی ہے، جس کو اہل سیرت نے عیسوی کیلنڈر کے لحاظ سے اکتوبر ۶۲۲ء کا مہینہ بتایا ہے، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''جذب القلوب'' میں علامہ سمہودیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں دو بار مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہوئی ہے، پہلی بار سن ۱ھ میں اور اس وقت اس کی تعمیر مستطیل تھی، دوسری بار سن ۷ ہجری میں اور اس وقت اس کے رقبہ کو مربع نما بنایا گیا۔

شادی میں مطالبہ کی ہوئی رقم میں سے مسجد کا تعاون

سوال:- شادی کے موقع سے لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ اور لڑکی والوں کا بدرجۂ مجبوری اسے ادا کرنا عام بات ہے؛ لیکن ہمارے علاقہ کے بعض دیہاتوں میں ایک نئی بات یہ شروع ہوئی ہے کہ جب دونوں فریق لین دین کی بات طے کرتے ہیں

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۵۶۱

اور لڑکے والے لڑکی والوں کے یہاں پیسے لینے کے لئے جاتے ہیں، تو مسجد کمیٹی کے ذمہ داران بھی رسید لے کر پہنچ جاتے ہیں کہ اس حاصل شدہ رقم میں سے دو فیصد انہیں بھی دی جائے، کیا مسجد کے لئے اس طرح رقم لینا اور اسے مسجد میں خرچ کرنا درست ہے؟

(خالد امام قاسمی، وشیرازی)

جواب:- آج کل شادی کے موقع سے لڑکی والوں سے مطالبہ کی جو صورت مروج ہوگئی ہے، یہ قطعاً حرام ہے اور اس کا حکم رشوت کا ہے، اس کا لینا بھی حرام ہے اور لینے کے بعد متنبہ ہو تو واپس کر دینا واجب ہے، اور شدید ضرورت کے بغیر دینا بھی جائز نہیں، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ:

"اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہو، عورت دوبارہ اسی مرد سے نکاح کی خواہاں ہو، شوہر اس رجحان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہے کہ میں اس شرط پر نکاح کروں گا کہ تم واجب ہونے والا مہر مجھے ہبہ کر دینا، تو یہ شرط باطل ہے اور اگر عورت آئندہ اس شرط کے تحت اپنا مہر ہبہ بھی کر دے تب بھی مرد کے لئے وہ مال جائز نہیں؛ کیوں کہ نکاح میں عورت پر مالی عوض عائد نہیں کیا جاسکتا"

"وفي النكاح لا يكون العوض على المرأة" (۱)

پس یہ جو مطالبہ کر کے لڑکی والوں سے رقم یا سامان وصول کیا جاتا ہے، وہ حرام ہے اور مال حرام یوں تو ہر مسلمان کے لئے ناقابل استعمال ہے، لیکن خاص کر مسجد میں اس کا صرف کرنا تو گناہ بھی ہے اور خلاف ادب بھی؛ اس لئے اس سے احتراز کرنا واجب ہے، اگر مسجد کمیٹی کے ذمہ داران اس رقم کو مسجد میں استعمال کریں گے تو مسجد کی بے احترامی کے مرتکب اور سخت گناہ گار ہوں گے، اس کے علاوہ عام حالات میں بھی کسی دینی کام کے لئے جبر کر کے چندہ وصول کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیہ: ۱/۳۳۰

اگر چند اشخاص مل کر مسجد تعمیر کریں؟

سوال:- میں نے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کا گھر بنائے ، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر بنائیں گے تو اگر کوئی مسجد چار پانچ افراد مل کر بنائیں تو کیا اللہ تعالیٰ جنت میں ان سب کا گھر بنائیں گے؟ (سید حفیظ الرحمن ، نظام آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اسی کے مثل بنائیں گے'' (۱)

اور بعض روایت میں ہے کہ ''جنت میں اس کے لئے گھر بنائیں گے'' (۲) اس حدیث میں ''مَن بنیٰ '' کے الفاظ آئے ہیں ، جس کا ترجمہ ''جو بنائے'' سے کیا جاتا ہے ، عربی زبان میں ''مَن '' کا لفظ ایک شخص کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور بہت سے افراد کے لئے بھی ، اس سے معلوم ہوا کہ چاہے ایک شخص مسجد بنائے یا کئی لوگ مل کر مسجد بنائیں ، دونوں کو انشاء اللہ اپنے عمل اور جذبہ کی نسبت سے یہ اجر حاصل ہوگا ؛ اس لئے اگر چار پانچ آدمی مل کر مسجد تعمیر کریں تو امید ہے کہ وہ سب اس بشارت میں شامل ہوں گے ۔ واللہ اعلم

مساجد کی دیواروں پر قرآنی آیات اور اسماءِ مبارکہ

سوال:- مساجد میں دیواروں کے اوپر قرآنی آیات اور خلفاءِ راشدین کے اسماء لکھے جارہے ہیں اور اس کو بعض لوگ افضل طریقہ قرار دیتے ہیں شرعاً یہ عمل کیسا ہے؟

(حافظ سید حیدر علی ، کاروان)

---

(۱) مسلم حدیث نمبر : ۵۳۳

(۲) صحیح ابن حبان ، حدیث نمبر : ۱۶۱۰

جواب:- فقہاء نے دیواروں پر آیات قرآنی کے لکھنے کو ناپسند کیا ہے، ایک تو بے احترامی کے اندیشہ سے، کیوں کہ یہ حروف بعض وقت ٹوٹ کر دیوار سے گر جاتے ہیں اور ان پر کسی کا پاؤں پڑ سکتا ہے،(۱) آج کل چوں کہ پکی دیواریں ہوتی ہیں، آئل پینٹ کیا جاتا ہے، تراشے ہوئے پتھر دیوار کے ساتھ جوڑ دئے جاتے ہیں؛ اس لئے اس کا امکان کم ہے، لیکن اس کا احتمال بہر حال رہتا ہے کہ پرندے یا چھپکلی ان حروف پر چڑھیں اور بیٹ کردیں، اس لئے بے احترامی کا اندیشہ پھر بھی موجود ہے، دوسرے اگر دیوار قبلہ میں تحریریں اور نقش ونگار ہوں تو اس سے نمازی کی توجہ بٹ جاتی ہے اور اس کا دل ودماغ مشغول رہتا ہے، اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ دیوار قبلہ میں تو کچھ نہ لکھا جائے اور دوسری دیواروں کو بھی سادہ رکھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر آیات، اسماء حسنیٰ، اسماء نبوی اور خلفاء راشدین کے اسماء گرامی لکھنے ہی ہوں تو کاغذ والے فریم کے اندر لکھ کر دیوار قبلہ کے سوا دوسری دیواروں پر لگایا جائے، یہ افضل طریقہ ہوگا۔

مساجد کی تزئین وآرائش میں غلو

سوال:- آج کل مساجد کی تزئین وآرائش پر بہت خرچ کیا جاتا ہے، خوبصورت نقش ونگار بنائے جاتے ہیں، پتھر کے کام کئے جاتے ہیں اور اس پر کافی رقم بھی خرچ ہوتی ہے، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ (شفیع قریشی، سعید آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی علامتوں میں یہ علامت بھی بیان کی ہے کہ مساجد کی تزئین وآرائش کی طرف لوگوں کی توجہ بہت بڑھ جائے گی؛ اس لئے آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا، ہر زمانہ میں اس زمانہ کے تعمیری معیار کے مطابق مسجد کی عمارت کو بہتر طور پر بنایا جائے جو مضبوط اور راحت بخش ہو، لیکن مسجد کی زینت وآرائش میں تکلف سے کام لینا کراہت سے خالی نہیں، فقہاء نے اسے مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے اور خاص طور پر دیوار قبلہ میں

---

(۱) هندیه ۳۲۳:۵

ایسے نقوش کو منع کیا ہے:

"و یکره التکلف بدقائق النقوش و نحوها خصوصا فی جدار القبلة" (۱)

اگر کسی شخص نے خاص طور پر نقش و نگاری کے لئے پیسے دیئے ہوں تب تو ان چیزوں کا استعمال اس میں روا ہے، اور اگر اس مقصد کے لئے پیسے نہیں دیئے گئے ہیں، تو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وقف کے پیسے اس کام میں خرچ کئے جائیں:

"لا بأس بنقشه خلا محرابه بجص و ماء ذهب ...

إلا من مال الوقف فإنه حرام" (۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسجد کی مبالغہ آمیز تزئین و آرائش، اور اس میں مبالغہ اور غلو سے بڑا نقصان پہنچ رہا ہے، اور شہروں میں ایسی مسجدیں تعمیر کی جارہی ہیں جن پر کئی کئی کروڑ روپے کی لاگت آتی ہے، اور دیہاتوں میں بسنے والے مسلمان ایسی مسجدوں کو بھی ترستے ہیں جس پر پھوس کی چھپر کا انتظام ہو، اگر ہم سادگی کے ساتھ مسجد کی تعمیر کر دیں اور جو پیسے تزئین و آرائش پر خرچ ہوتے ہیں ان سے دیہاتوں میں مساجد و مکاتب کا انتظام کر دیں، تو اس سے کتنے ہی لوگوں کے دین کی حفاظت ہو سکتی ہے، اور وہاں علماء اور دعوتی کام کرنے والوں کی آمد و رفت کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں، جس سے مسلمانوں کی اصلاح ہو سکتی ہے، کاش ہم اس پہلو سے غور کریں اور دین کے حقیقی منشا کو اپنے ذوق کی تسکین پر ترجیح دیں۔

خانہ کعبہ کے ڈیزائن پر مسجد کی تعمیر

سوال:- یہاں کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے ڈیزائن پر مسجد تعمیر کریں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(حق اللہ ندوی، مونگیر)

---

(۱) در مختار مع الرد: ۴۳۱:۲ (۲) حوالہ سابق

جواب :- یوں تو مسجد کی تعمیر کے لئے کوئی ڈیزائن مقرر نہیں، کسی بھی ڈیزائن پر مسجد کی تعمیر ہوسکتی ہے، اس لحاظ سے کعبۃ شرفہ کے ڈیزائن پر بھی مسجد تعمیر کرنا جائز ہے؛ لیکن جب کسی چیز کی امثال کثرت سے پائی جاتی ہیں اور لوگ اس جیسی چیز بنانے لگتے ہیں تو اس شئ کی عظمت اور اس کو دیکھنے کا شوق وجذبہ نسبتاً کم ہوجاتا ہے، اس لئے میری ذاتی رائے ہے کہ بالخصوص کعبۃ اللہ، مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ کے ڈیزائن پر مساجد کی تعمیر مناسب نہیں، یہ مسجدیں جیسے معنوی اعتبار سے یکتا و بے نظیر ہیں، ایسے ہی ظاہری طور پر بھی اس کی یکتائی کو برقرار رکھنا بہتر ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں بھی اور اس کے بعد بھی ایک سے ایک خوب صورت، پرشکوہ اور عالی شان مسجدیں تعمیر کی ہیں اور فن تعمیر کے نادر نمونے اس باب میں پیش کئے ہیں؛ لیکن ان مساجد کی نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم

تعمیر مساجد سے مراد

سوال :- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله و اليوم الآخر " کہ مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اس میں مسجد کی تعمیر سے کیا مراد ہے؟ اور کیا تعمیر میں جزوی تعمیر بھی شامل ہے؟ اگر کسی شخص کے اندر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ پوری مسجد تعمیر کرسکے؛ لیکن وہ اس کی تعمیر میں جزوی طور پر حصہ لے تو کیا اس کا شمار بھی مسجد کی تعمیر کرنے والوں میں ہوگا؟

(عبدالکریم، بنگلور)

جواب :- تعمیر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک ظاہری تعمیر یعنی در و دیوار کو بنانا، چھت ڈالنا وغیرہ، دوسرے معنوی تعمیر یعنی عمارت جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہے، اس کو بروئے کار لانا، جیسے نماز، ذکر، تلاوت اور دین کی دعوت وغیرہ، مفسرین نے یہ دونوں معنی مراد لئے ہیں، ظاہری تعمیر کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے اللہ

کے لئے گھر بنایا، اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے۔" من بنی لله بیتا بنی الله له بیتا فی الجنة "(۱) اور معنوی تعمیر کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کی طرف اس کا دل لگا ہوا ہے تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔" إذا رأیتم الرجل یتعاهد المسجد فاشهدوا له بالإیمان "(۲) اس کے ساتھ آپ ﷺ نے مذکورہ آیت" إنما یعمر مساجد الله الخ " کی تلاوت فرمائی، بلکہ اس حدیث سے دوسرا معنی یعنی مسجد کو عبادت سے آباد کرنا راجح معلوم ہوتا ہے۔(۳)

جہاں تک مساجد میں جزوی تعمیر میں حصہ لینے کی بات ہے تو یہ بھی تعمیر مسجد میں شامل ہے، علامہ حموی نے لکھا ہے کہ تعمیر مسجد، مسجد کی مرمت، مسجد میں جھاڑو دینے، اس کے صاف ستھرا کرنے اور اس میں چراغ جلانے کو شامل ہے:

" وتتناول ما استرم منها، وکنسها، وتنظیفها، وتنویرها بالمصابیح "(۴)

غیر مسلم کو مسجد میں مدعو کرنا

سوال:- عام طور پر برادران وطن ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے اسلام، مسلمان، مساجد اور مدارس کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں، بعض غیر مسلموں کی خواہش ہوتی ہے کہ مسجدوں میں آئیں اور دیکھیں کہ مسلمان یہاں کیا عمل کرتے ہیں، ایسی صورت میں اگر دعوتی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کو مسجد میں بلا کر کوئی پروگرام رکھا جائے اور ان کو اسلام کے بارے میں بتایا جائے،

---

(۱) ابن ماجه، کتاب المسجد، باب من بنی لله مسجدا، حدیث نمبر:۷۳۷

(۲) الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة:۲۶۱۷

(۳) دیکھئے: حلبی کبیر:۶۲۲، فصل فی أحکام المسجد

(۴) حلبی کبیر:۶۲۹

تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟ یا اللہ تعالیٰ کے ارشاد: إنما المشركون نجس کے خلاف ہوگا؟ (فضل الرحمن، کاکی ناڑہ)

جواب:- قرآن مجید میں جو مشرکین کو ناپاک قرار دیا گیا ہے، اس میں ناپاکی سے مراد نجاست اعتقادی ہے نہ کہ نجاست ظاہری، اور مسجد کو جو نجاست سے بچانے کا حکم ہے، اس سے مراد ظاہری نجاستیں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم وفود اور جنگی قیدیوں کو مسجد نبوی ہی میں ٹھہرایا ہے، اس سلسلہ میں وفد بنی نجران کا واقعہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے آیا ہے، جو کئی دنوں تک آپ ﷺ کے یہاں مقیم رہے، (۱) اس لیے حرمین شریفین کو چھوڑ کر دوسری مساجد میں غیر مسلموں کے داخلہ کو عام طور پر فقہاء نے جائز قرار دیا ہے (۲) اور اگر ان کو دعوتی مقصد کے تحت مسجد میں بلایا جائے اور ان کے لیے کوئی پروگرام رکھا جائے، تو یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہوگا اور اس سے غلط فہمیوں کے دور کرنے میں بھی مدد ملے گی، البتہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ ان کی آمد سے فتنوں اور فساد کا اندیشہ نہ ہو۔

مسجد میں بھیک مانگنا

سوال:- بہت سے گداگر مسجد کے اندر آجاتے ہیں، اور نمازیوں سے بھیک مانگتے ہیں، لوگ بھی مسجد کا احترام کرتے ہوئے انہیں دے دیتے ہیں، حرمین شریفین میں تو ایسا بہت ہوتا ہے کہ بعض فقراء نمازیوں کی صفوں کے درمیان گھوم گھوم کر لوگوں سے پیسے مانگتے ہیں، کیا مسجد میں بھیک مانگنا اور بھیک دینا درست ہے؟

(محمد رشید بیگ)

جواب:- مسجد کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، یہ اللہ سے مانگنے کی جگہ ہے نہ کہ خلق اللہ سے، مسجد کے اندر آکر لوگوں سے بھیک مانگنا اور ان کے سامنے دست سوال دراز کرنا مسجد کی روح اور اس کے مقصد بناء کے خلاف ہے، اور ایسے گداگروں کو بھیک دینا ان

(۱) الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۱/۳۵۶ (۲) رد المحتار: ۶/۳۸۵

کے اس عمل کو تقویت پہنچانا اور ان کی خو کو پختہ کرنا ہے، اس لیے فقہاء نے مسجد میں بھیک مانگنے کو حرام اور ایسے سائلوں کو بھیک دینے کو مکروہ قرار دیا ہے:

"...... و یحرم فیه السوال و یکره الإعطاء مطلقاً" (۱)

حدود مسجد کے باہر اگر واقعی ضرورت مند اور مجبور شخص سوال کرے، اور اس نے اس کو اپنا پیشہ نہ بنالیا ہو؛ بلکہ وقتی مجبوری کے تحت دست سوال دراز کر رہا ہو، تو اس کا مانگنا اور نمازیوں کا اس کو دینا درست ہے، اسی طرح اگر مسجد میں دینی کاموں کے لیے تعاون کا اعلان کیا جائے تو یہ اعلان اور لوگوں کا تعاون کرنا مسجد میں جائز ہوگا؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاد وغیرہ کے لیے اعلان فرمایا ہے اور صحابہ نے جو اعانتیں پیش کیں، ان کو مسجد نبوی کے صحن میں جمع کیا گیا ہے، اسی طرح اگر کسی کی شخصی ضرورت کے لیے مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے اعلان ہو اور لوگ تعاون کریں، تو یہ درست ہے، حضور ﷺ نے اپنی خدمت میں آنے والے بعض مفلوک الحال وفود کے لیے مسجد نبوی میں صحابہ سے تعاون کی تلقین فرمائی ہے، افسوس کہ آج کل مسلمان، بھکاریوں کو روپے دو روپے دے کر ان کی خوئے گداگری کو پختہ کرتے رہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گداگروں میں مسلمانوں کا تناسب ان کی آبادی سے کہیں بڑھ کر ہے، اس طرح جو قوم دینے کے لیے آئی تھی، لوگوں سے لینا اور مانگنا اس کی شناخت بن گئی ہے۔

مسجد میں تجارتی اشتہار

سوال:- ہمارے گاؤں میں دو الگ اداروں کے قاضی موجود ہیں اور ضلع "بوقوار ایک میان" کے ایک قاضی صاحب نے قرآن کی آیات کو توڑ مروڑ کر دلیل بنا کر دوسرے قاضی صاحب کی مخالفت کی مہم چھیڑ دی ہے، اور مساجد میں صرف خود کو عقد پڑھانے کے لیے مدعو کرنے کی گذارش و التجا کی ہے، میرا سوال یہ ہے کہ کیا

---

(۱) در مختار مع الرد: ۴۳۲/۲

مساجد میں اس طرح کا اشتہار لگانا تجارت کے زمرے میں نہیں آتا
کہ "صرف ہمارے ذریعہ ہی عقد پڑھوائیں" کیا یہ مسجد کی حرمت
پر ضرب کاری نہیں؟ (مقیت احمد، بھوکر)

جواب: - آپ نے اپنے گاؤں میں دو نکاح خواں حضرات کی باہمی رقابت کا جو ذکر کیا ہے، اگر وہ درست ہے تو افسوس ناک ہے، ان حضرات کو چاہئے کہ آپس میں آبادی کے مختلف حصوں کو تقسیم کر لیں اور اپنے اپنے حصے میں نکاح پڑھانے کا فریضہ انجام دیں، جہاں تک مسجد میں عقد پڑھوانے کے سلسلہ میں اپنی خدمات کا اعلان و اشتہار ہے، تو اس کا مقصود صرف نکاح پڑھانے کی پیشکش کرنا نہیں ہے، وہ اجرت مقصود ہے جو نکاح پڑھانے پر دی جاتی ہے، اور مسجد میں کوئی بھی ایسی بات کرنا جس کا مقصد تجارت کرنا ہو درست نہیں؛ چنانچہ مسجد میں خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے، اپنی گم شدہ چیز کا اعلان باوجودیکہ تجارت نہیں ہے، لیکن چونکہ فی الجملہ اس کا بھی مقصود مال کا حاصل کرنا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے: " نهى عن إنشاد الضالة في المسجد " (۱) اس لئے مسجد کے اندر اس طرح کا اشتہار لگانا جائز نہیں ہے اور احترام مسجد کے خلاف ہے۔

مسجد میں بے ستر ہونا

سوال: - یہ تو ٹھیک ہے کہ نماز کی حالت میں انسان کا بے ستر ہونا جائز نہیں ہے، ورنہ نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں نہ ہو اور مسجد میں ٹھہرا ہوا ہو، اور وہ پائجامہ سے پاجامہ تبدیل کرے، اس کی وجہ سے ستر کھولنا پڑے، تو کیا مسجد میں ایسا کرنا جائز ہوگا؟ (مجیب الرحمن، غازی پنڈ)

جواب: - مرد یا عورت کے لئے جن حصوں کا ستر واجب ہے، ان کو چھپانا نماز میں تو ضروری ہے ہی، عام حالات میں بھی بلا وجہ اس حصہ کو بے پردہ رکھنا کراہت سے خالی

(۱) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۷۶۵

نہیں ہے، گو تنہائی کی حالت ہو، اور مسجد چونکہ قابل احترام جگہ ہے، اس لئے مسجد میں تو اس کا لحاظ رکھنا زیادہ ضروری ہے: ''ویکرہ التجرد في المسجد ''(۱) یعنی مسجد میں بے لباس ہوجانا مکروہ ہے، اس لئے اگر مسجد میں معتکف شخص کو کپڑا تبدیل کرنے کی بھی ضرورت پیش آئے تو چادر یا لنگی وغیرہ کی مدد سے تبدیل کرے، یا مسجد سے باہر حمام یا کسی کمرہ میں تبدیل کرے، مسجد میں اس طرح کپڑا تبدیل کرنا درست نہیں۔

مسجد کے صحن میں کاروبار

سوال:- مکہ مسجد کے صحن میں یا دیگر مساجد کے صحن میں مختلف قسم کے کاروبار کئے جاتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(سید افضل نقشبندی، شاد نگر بندہ)

جواب:- مسجد کا ایک تو وہ حصہ ہے جو نماز ادا کرنے کے لئے مخصوص ہے، یہ عین مسجد ہے، اس میں کوئی کاروبار اور خرید و فروخت جائز نہیں ہے، دوسرے مسجد سے متصل کھلی اراضی ہیں، جو مسجد کی دوسری ضروریات کے لئے استعمال ہوتی ہیں، یہ مصالح مسجد کے لئے ہیں، ان میں ایسا کاروبار یا خرید و فروخت — جس سے نمازیوں کو خلل نہ پیدا ہوتا ہو — جائز ہے، اگر وقتی طور پر کچھ چیزیں بیچی جائیں اور نماز کے بعد اسے اٹھا دیا جائے تب تو موجودہ عرف کی بنا پر انتظامیہ کی اجازت سے، بغیر کرایہ کے بھی عارضی دوکان لگائی جاسکتی ہے، اور اگر کوئی مستقل دکان لگالیں تو مسجد کو اس کا کرایہ ادا کرنا اور انتظامیہ سے اس کی اجازت حاصل کرنا واجب ہے؛ کیونکہ مصالح مسجد کی زمین بھی مسجد ہی کے مصارف کے لئے وقف ہوتی ہے۔

مسجد میں آل آوٹ لگانا

سوال:- آج کل فجر اور عشاء کی نمازوں میں مچھر ستاتے رہتے ہیں، کیا مسجد میں مچھر کش دوا جیسے All out وغیرہ لگاسکتے

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية ۱:۱۹۹

ہیں، تاکہ مچھروں کو بھگا سکیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(ایس، کے برہان الدین، ورنگل)

جواب:- مچھروں کو بھگانے کے لئے مسجد میں آل آؤٹ All Out کا استعمال درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ موذی چیزوں کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے، اور مچھروں کی کثرت نہ صرف نمازیوں کے لئے تکلیف کا باعث ہوتی ہے؛ بلکہ اس سے توجہ بھی بٹ جاتی ہے؛ اس لئے مچھر کو بھگانا نماز میں خشوع و خضوع میں معاون ہوسکتا ہے اور جو چیزیں خشوع و خضوع میں رکاوٹ بنتی ہوں، مسجدوں کو اس سے بچانا مطلوب ہے، (۱) نیز آل آؤٹ سے ناگوار خاطر بو پیدا نہیں ہوتی، جس سے مسجد کے بچانے کا حکم دیا گیا ہے، اور نہ اس سے مچھر جل کر مرتے ہیں کہ جلا کر مارنے کی سزا دینے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (۲)

مسجد میں عقد نکاح کی اجرت

سوال:- بعض مسجدیں کشادہ اور آرام دہ ہیں، وہاں لوگ عقد نکاح پڑھواتے ہیں اور ہر نکاح پڑھوانے پر مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے ایک رقم متعین ہے، اس کو ادا کرنے پر ہی نکاح پڑھوانے کی اجازت دی جاتی ہے اور اسے ''بلڈنگ فنڈ'' کا نام دیا جاتا ہے، کیا اس طرح مسجد کی انتظامیہ کا رقم وصول کرنا جائز ہے؟

(احمد شریف، بنصاحب نیک)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں نکاح کرنے کی تلقین فرمائی ہے (۳)

---

(۱) صحیح البخاری، عن جابر بن عبد اللہ، باب ما یکرہ من الثوم... حدیث نمبر: ۸۵۴، ۱۵۳۵

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب التودیع، حدیث نمبر: ۲۷۹۵

(۳) سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب إعلان النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۹۹، عن عائشة رضی اللہ تعالی عنہا

اسی لئے فقہاء نے اسے مستحب قرار دیا ہے، بشرطیکہ مسجد کے احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ بعض منکرات جیسے گانے بجانے وغیرہ سے بچ جاتے ہیں، لیکن مسجد اللہ کا گھر ہے اور خالصتاً عبادت کے لئے ہے، مسجد ایسی جگہ نہیں ہے، جس کو کرایہ پر لگایا جائے، اس لئے انتظامیہ کا نکاح پڑھوانے والے پر کوئی رقم باندھ دینا اور مسجد میں نکاح کی اجازت کو اس کے ساتھ مشروط کردینا جائز نہیں ہے، یہ مسجد کی عظمت کے مغائر ہے، ہاں، اگر مسجد میں نکاح ہو اور عاقدین سے عام مسلمانوں کی طرح تعمیر مسجد میں تعاون کی اپیل کی جائے اور وہ اپنی رغبت اور رضا مندی کے ساتھ کوئی رقم دے دیں، تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ صورت تعمیر مسجد میں تعاون کی ہے اور پہلی صورت مسجد کے استعمال کا کرایہ لینے کی ہے، مسجد کے لئے تعاون حاصل کرنا جائز ہے اور اس کو کرایہ پر لگانا جائز نہیں ہے۔

دعوت کے بچے ہوئے پیسے کا مساجد اور اس کی تعمیر میں استعمال

سوال:- ہمارے یہاں ایک طریقہ یہ مروج ہے کہ پچاس، سو روپے کا کوپن چھپواتے ہیں، جتنے لوگ کوپن لیتے ہیں، وہ سب کھانے پر مدعو ہوتے ہیں، کھانے پر جو رقم خرچ ہوتی ہے، اس کے بعد اچھی خاصی رقم بچ جاتی ہے، اس رقم کو مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں لگاتے ہیں، یہ یہاں اعانتیں جمع کرنے کا عمومی طریقہ ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ (محمد ارشد، برہانپور)

جواب:- اگر لوگوں سے رقم وصول کرتے وقت یہ بات کہہ دی جائے کہ ان پیسوں سے مشترک طور پر کوپن لینے والوں کے لئے کھانا بنے گا اور جو رقم بچ جائے گی، وہ فلاں خیر کے کام میں خرچ کی جائے گی، یا دعوت کے بعد جو رقم بچ جائے اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھ لیا جائے کہ یہ رقم بچی ہوئی ہے، اگر آپ حضرات اجازت دیں تو اس کو فلاں کارِ خیر میں خرچ کردیا جائے اور وہ اجازت دے دیں تو اس رقم کو مساجد و مدارس کی تعمیر میں صرف کرنا درست ہوگا؛ کیوں کہ کھانے سے بچی ہوئی رقم کے بارے میں رقم دینے والے کی نیت موجود

ہے، اور یہ ان کی طرف سے مقررہ کار خیر کے لئے وقف کے درجہ میں ہے، البتہ اس میں جبر وزبردستی اور دباؤ کی صورت نہیں ہونی چاہیے؛ کیوں کہ اس طریقہ پر کسی سے پیسے وصول کرنا جائز نہیں۔

ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں طہارت خانہ

سوال:- ایک مسجد میں طہارت خانہ کی کمی ہے، اس کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں، کیا میں اپنے حلال پیسوں سے کسی مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے یہ کرسکتا ہوں؟　　(فیصل، چھتاپور)

جواب:- طہارت خانہ بھی مسجد کے لئے ایک ضرورت ہے، اس لئے اس کی تعمیر میں بھی ان شاء اللہ ضرور ثواب ہوگا؛ لہٰذا آپ کسی مرحوم کی طرف سے ایصالِ ثواب کے لئے تعمیر کرسکتے ہیں۔(۱)

ناپاک کپڑے کے ساتھ مسجد میں جانا

سوال:- یہ تو معلوم ہے کہ اگر کپڑے یا جسم پر نجاست ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی؛ لیکن میرے ایک دوست کا ہاتھ کٹ گیا، کافی خون نکلا جس سے تقریباً چوتھائی آستین بھیگ گئی، وہاں سامنے ہی مسجد تھی، لوگ انہیں مسجد لے گئے، مسجد میں خون تو نہیں گرا؛ لیکن بعد میں بعض ساتھیوں نے کہا کہ خون لگے ہوئے کپڑے اور بدن کے ساتھ انہیں مسجد میں نہیں لے جانا چاہئے تھا، کچھ ساتھیوں کا کہنا تھا کہ جب مسجد میں خون نہیں گرا، تو پھر اس میں کوئی غلط بات نہیں ہوئی، مہربانی کرکے اس کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔　　(علی حسن، حسینی علم)

---

(۱)　مجمع الأنهر ۲:۳۸۹

جواب:- مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر کی جگہ ہے، اس لئے ہر طرح کی ناپاکی اور گندگی سے اسے بچنا چاہئے، یہ مسجد کے احترام کا تقاضہ ہے، اسی لئے ایسی چیز مسجد میں لے جانا جو ناپاک ہو اور مسجد میں لگ جائے تو ناجائز ہے ہی؛ کیوں کہ یہ تو خود مسجد کو نجاست سے آلودہ کرنا ہے، لیکن اس کے علاوہ مسجد کے اکرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقہاء نے ناپاک چیز کو مسجد میں داخل کرنے سے بھی منع کیا ہے، اگرچہ کہ مسجد اس سے آلودہ نہ ہو؛ اس لئے جس کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو اسے مسجد میں داخل نہ ہونا چاہئے: "لا یدخل المسجد من علی بدنہ نجاسة" (۱) البتہ مجبوری اور ناواقفیت اس سے مستثنیٰ ہیں، آپ اپنے زخمی ساتھی کو مجبوری کی حالت میں لے گئے، اور آپ مسئلے سے واقف بھی نہیں تھے؛ اس لئے ان شاء اللہ عنداللہ جوابدہ نہیں ہوں گے؛ کیوں کہ شریعت کے احکام کے مخاطب وہ لوگ ہوتے ہیں، جو معذور نہ ہوں، اور واقف ہوں۔

گندے کپڑے اور منھ کی بدبو کے ساتھ مسجد میں آنا

سوال:- گندے کپڑے اور منھ میں بیڑی سگریٹ کی بدبو کے ساتھ کیا مسجد میں نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (ع، م، بیدر)

جواب:- مسجد کے احترام اور نماز کی توقیر کا تقاضہ یہ ہے کہ مسجد میں صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور منھ میں بدبو ہو تو منجن وغیرہ سے منھ صاف کر کے مسجد جائے، لیکن یہ بھی درست نہیں کہ کپڑے گندے ہونے یا منھ میں بدبو ہونے کی وجہ سے جماعت چھوڑ دی جائے اور اسے مسجد نہ جانے کا بہانہ بنالیا جائے، حدیث سے ثابت ہے کہ جمعہ کے موقع سے دیہات کے لوگ نماز پڑھنے آتے وہ اونی کپڑوں میں ملبوس تھے، ایک تو موسم گرم اور پھر کپڑے بھی گرم، نتیجہ یہ ہوا مسجد میں بدبو پھیل گئی (۲)؛ چنانچہ حضور ﷺ نے اس موقع پر جمعہ کے دن غسل

---

(۱) رد المحتار: ۴۲۸/۲

(۲) ابو داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة: ۳۵۳

کرنے کی تاکید تو فرمائی لیکن ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے انہیں مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بدبو کا سبب غفلت و کوتاہی ہو تو یہ آداب مسجد کے خلاف تو ہے، لیکن اس کو ترک جماعت کا حیلہ نہیں بنا سکتے۔

مسجد کے اندر مٹی تیل کا چراغ

سوال:- مسجد کے اندر مٹی کے تیل کا چراغ یا گیس کا پٹرو میکس استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (عبدالسلام، بیدر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کچھ لہسن یا پیاز کھائی ہو وہ ہماری مسجد سے دور رہے۔ (۱) یہ ممانعت بدبو کی وجہ سے ہے، کہ اس سے فرشتوں اور دوسرے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے؛ اس لیے اس میں تمام بدبودار چیزیں شامل ہیں، چاہے وہ کھائی جاتی ہوں یا نہیں۔

" ویلحق مما نص علیه فی الحدیث، کل رائحة کریهة مأکولا أو غیره " (۲)

مٹی کے تیل اور گیس سے بدبو پیدا ہوتی ہے؛ اس لیے جہاں تک ممکن ہو مسجد میں اس کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے، اگر مجبوری ہو تب بھی بہتر ہے کہ پٹرومیکس باہر جلایا جائے اور جلا کر اندر لایا جائے، اسی طرح مسجد سے باہر جا کر بجھایا جائے اس لیے کہ جلانے اور بجھانے کے وقت زیادہ بدبو پیدا ہوتی ہے۔

مسجد میں کتاب بیچنا

سوال:- میں موظف لکچرار ہوں اور میرا ماشاء اللہ اچھا خاصا وظیفہ ہے، لیکن ساتھ ہی میں مختلف مساجد میں دینی کتب بھی فروخت کرتا ہوں، کبھی میرے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ

---

(۱) بخاری حدیث: ۸۵۴، مسلم حدیث: ۵۶۴ (۲) اعلاء السنن: ۵/۱۲۹

میرا یہ کتب بیچنے کا عمل جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ میں لوگوں کو دعوت دین کے لئے مسجد کو بلاتا تو ہوں، مگر میری نیت یہی ہوتی ہے کہ میری چند کتابوں کی بکری ہو جانے اور دوسری بات یہ ہے کہ میں ان کتابوں کو مسجد کے اندر رکھ کر اور کبھی کبھی مسجد کے محراب میں ''برائے فروخت'' کا اشتہار لگا کر بھی فروخت کرتا ہوں، جب کہ یہ خیال آتا ہے کہ مسجد کے اندر تجارت جائز نہیں؟

(عبدالرشید خان، ممبئی)

جواب:- اعمال میں نیت کا اعتبار ہے اور اصل میں جس کام کی نیت ہو وہی مقصود و معتبر ہوتی ہے، جیسے آپ مسجد جانے کے ارادہ سے نکلے اور سوچا کہ راستہ میں قلم بھی خرید کر لیں گے تو یہ مسجد تک جانا نماز ہی کے لئے سمجھا جائے گا نہ کہ قلم خریدنے کے لئے، اور ان شاء اللہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہر قدم پر آپ کو ایک نیکی کا اجر ملتا جائے گا، قلم خریدنے کی وجہ سے اجر میں کوئی فرق نہیں ہوگا، لہذا اگر آپ مسجد میں کتابیں بیچنے کے لئے جاتے ہیں اور یہی اصل مقصود ہے تو نماز اور جماعت کے ثواب میں تو کوئی کمی نہیں ہوگی، لیکن مسجد پہنچنے تک کا ثواب کم ملے گا، اور اگر اصل مقصد نماز پڑھنا ہو اور اس کے ضمن میں کچھ کتابیں بھی فروخت کر لیں تو اس سے ان شاء اللہ آپ کے مسجد جانے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی —— البتہ مسجد کے اندر کتاب بیچنا یا محراب میں برائے فروخت کا اشتہار لگانا درست نہیں؛ کیوں کہ مسجد میں ہر طرح کا تجارتی عمل ممنوع ہے، کتابوں کو حدودِ مسجد یعنی اس حصہ سے باہر ہونا چاہئے جس میں نماز ادا کی جاتی ہے اور جو نماز پڑھنے کے لئے مخصوص ہے۔

مسجد میں غیر مسلم کی آمد

سوال:- آج کل یہ رواج عام ہو چکا ہے کہ نکاح مسجدوں میں منعقد کئے جاتے ہیں اور میزبان مسجد میں غیر مسلموں کو بھی مدعو کرتے ہیں بعض غیر مسلم شخصیتیں طہارت کے بغیر رہتی

ہیں اور وہ بھی مسجد کے اندر آ جاتی ہیں؟ (اے، اعجاز خان، عمرکھیڑ)

جواب:- مسجدوں میں نکاح کی تقریب رکھنا بہتر عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے،(۱) اور اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسجد ہونے کی وجہ سے لوگ بہت سے منکرات سے بچ جاتے ہیں، اسی طرح غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں غیر مسلم مہمانوں کو مسجد ہی میں ٹھہرایا جاتا تھا، غیر مسلم قیدی مسجد ہی کے ستون سے باندھے جاتے تھے؛ اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ ایسے موقع پر اسلام کے تصور نکاح کو اچھی طرح واضح کیا جائے تو یہ غیر مسلموں کے لئے دعوت بھی ہے؛ البتہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، یہ ضروری ہے کہ ان کے جسم یا کپڑے پر ایسی نجاست نہ لگی ہو، جس سے مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو۔

مسجدوں میں بچوں کی آمد

سوال:- ہمارے محلہ کی مسجد میں بعض حضرات چھوٹے بچوں کو لے آتے ہیں، جس کی وجہ سے مسجد میں شور مچتا ہے، اور نمازوں میں خلل پیدا ہوتا ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بچوں کو نہ لائیں تو برا مان جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں باضابطہ بچوں کی صف ہوا کرتی تھی، براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں؛ کیوں کہ بہت سی مسجدوں میں نمازی حضرات اس کی وجہ سے دشواری محسوس کرتے ہیں۔ (اقبال جہانگیر، شیخ روازہ)

جواب:- اصل میں بالغ ہونے کی عمر تک لڑکوں کو "بچہ" کہا جاتا ہے؛ لیکن عقل وشعور کے لحاظ سے وہ سب یکساں نہیں ہوتے؛ اسی لئے فقہاء نے "صبی ممیز" اور "صبی غیر ممیز" یعنی باشعور اور بے شعور بچوں کے احکام میں فرق کیا ہے، یہی فرق مساجد میں بچوں کو لانے

(۱) سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء في إعلان النكاح، حدیث نمبر:۱۰۸۹

کے سلسلہ میں بھی کرنا ضروری ہے، یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بچے مسجد میں آیا کرتے تھے اور نماز میں شامل ہوا کرتے تھے، آگے بڑوں کی صف ہوتی تھی، درمیان میں بچوں کی اور پیچھے عورتوں کی، (۱) لیکن آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہماری مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ "جنبوا مساجدكم صبيانكم" (۲) اس لئے دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جو بچے اتنے باشعور ہو گئے ہوں کہ مسجدوں کے آداب سمجھتے ہوں، نماز کا احترام کرتے ہوں، اور نمازیوں کے لئے خلل کا باعث نہ ہوں، انہیں مسجد میں لانا چاہئے؛ تاکہ ان میں نماز کی عادت پڑے اور ان کی تربیت ہو، اور جو بچے بے شعور ہوں، ان کو گھر پر نماز پڑھوانا چاہئے اور مسجد لانے سے احتراز چاہئے؛ تاکہ مسجد کی بے احترامی اور نمازیوں کو دشواری نہ ہو؛ چنانچہ علامہ رافعی نے لکھا ہے کہ اگر بچے باشعور ہوں اور اپنے سرپرستوں کی تربیت کی وجہ سے مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوں تو ان کو مسجد لانے میں کوئی کراہت نہیں ہے:

"فإن كانوا مميزين ويعظمون المساجد بتعليم وليهم فلا كراهة في دخولهم" (۳)

مسجد میں کسی مصلحت سے جگہ متعین کرنا

سوال:- ہمارے یہاں مسجد میں بعض حضرات نے اپنی جگہ مخصوص کر رکھی ہے، وہ تراویح میں بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی جگہ پر کوئی اور نہ بیٹھے، اگر کوئی اور بیٹھ گیا تو برا مانتے ہیں، کیا اس طرح جگہ متعین کر لینا درست ہے؟ (غلام محمد، گلبرگہ)

---

(۱) سنن أبي داؤد - عن أبي مالك أشعري، باب مقام الصبيان من الصف، حدیث نمبر: ۶۷۷۔

(۲) سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، حدیث نمبر: ۷۵۰۔

(۳) تقريرات رافعي على رد المحتار ۱۲۰/۲

حوالہ: مسجد میں اپنے لئے کوئی جگہ مخصوص کرلینا درست نہیں، مسجد پوری کی پوری اللہ کا گھر ہے، اس جگہ سے تمام مسلمانوں کا حق یکساں طور پر متعلق ہے، ایک ہی جگہ اور ہمیشہ بیٹھنے سے اور اس کو اپنے لئے مخصوص سمجھ لینے سے بعض اوقات کبر کا اظہار ہوتا ہے، حالاں کہ مسجد اس لئے ہے کہ انسان اپنی بڑائی کے تمام احساسات کو فنا کردے اور خدا کی بڑائی کا یقین اس کے وجود میں رچ بس جائے، اس لئے مسجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کرلینا مکروہ ہے:

"ویکرہ تخصیص مکان في المسجد ؛ لأنه یخل بالخشوع" (۱)

البتہ اس سے اگر نماز یا مسجد کی کوئی مصلحت متعلق ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے امام کے پیچھے مؤذن کے لئے جگہ مخصوص رکھی جاتی ہے؛ کیوں کہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے امام اپنی نماز جاری نہ رکھ سکے اور کسی کو نائب بنانا پڑے تو وہ مؤذن کو آگے بڑھا دے۔

(۱) البحر الرائق : ۲/۳۲، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہ، نیز دیکھئے: در مختار مع الرد : ۲/۴۰۹، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا

مدارس سے متعلق احکام

مسجد کی زمین دینی یا عصری تعلیم کے لئے دینا

سوال:- کیا کسی مسجد کی اراضی کو دینی یا عصری تعلیم گاہوں کے لئے ایسے ٹرسٹ کو دی جاسکتی ہے، جس کے بعض ممبران مسجد کے ہیں اور دیگر مسجد کے باہر کے ہیں، مسجد کے ممبر نہیں ہیں؟ (عبدالمجید کاریگر)

جواب:- مسجد کی وہ زمین جو نماز پڑھنے کے لئے استعمال نہیں ہورہی ہے اور مسجد کی دوسری ضروریات یا آمدنی کے لئے ہے، اس کو اس شرط کے ساتھ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے کہ جب بھی مسجد کو ضرورت ہوگی، وہ زمین واپس لے لی جائے گی، یہ بھی ضروری ہے کہ جس کام کے لئے زمین دی جارہی ہو وہ شرعاً جائز ہو، اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس جگہ کا جو مروجہ کرایہ ہوسکتا ہے، اتنا یا اس سے زیادہ کرایہ ٹرسٹ مسجد کو ادا کرے، دینی درسگاہ کے لئے اور عصری تعلیم گاہ قائم کی جائے تو اس میں شرعی حدود کی رعایت ملحوظ رکھی جائے، تو مسجد کی ایسی زمین جس کی مستقبل قریب میں نماز، طہارت وغیرہ کے لئے ضرورت نہ ہو، اس کو کرایہ پر دی جاسکتی ہے؛ لیکن اس کی آمدنی مسجد کے لئے ہوگی اور مسجد کی ضروریات پر ہی خرچ کی جائے گی، ٹرسٹ اپنے مصارف میں اس کو خرچ نہیں کرسکتا؛ بلکہ مسجد کی ضروریات ہی میں اس کو خرچ کرنا واجب ہے، ہاں، اگر یہ ادارہ مسجد ہی کے تابع ہو اور اس کی انتظامیہ کے تحت ہو تو مسجد کی آمدنی

مسجد کی ضروریات پوری ہونے کے بعد اس ادارہ پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ اب مسجد خود اس ادارہ کی مالک ہے۔

نیچے مدرسہ یا فنکشن ہال اور اوپر مسجد

سوال:- ابوبکر نے مدرسہ کے لئے زمین خریدی اور وہ اسے دومنزلہ تعمیر کررہا ہے، اوپری منزل برائے مسجد اور نچلی منزل برائے مدرسہ، فنکشن ہال، فنکشن ہال تیار ہے اور مسجد تیار ہونے میں ابھی کافی وقت ہے، جب تک مسجد تیار نہیں ہوجاتی کیا فنکشن ہال میں نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ پھر مسجد تیار ہوجانے کے بعد جگہ کی قلت ہوجانے پر کیا نیچے بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ کیا فنکشن ہال یا مدرسہ پر بھی مسجد کے حکم کا اطلاق ہوگا؟ (لیاقت علی خان، بنڈلہ)

جواب:- اگر تعمیر کی ابتداء ہی سے یہ نیت کرلی جائے کہ نیچے کی منزل مدرسہ یا کسی اور کام کے لئے ہوگی اور اوپری منزل مسجد کے لئے، تو اس کی گنجائش ہے: " وإن جعل تحته سردابا لمصلحة أي المسجد جاز كمسجد القدس " (۱) اور جب تک اوپر کی منزل نہ بن جائے عارضی طور پر نیچے نماز پڑھی جاسکتی ہے، اس کی وجہ سے نچلی منزل مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوگی، اوپر مسجد بننے کے بعد بھی اگر کسی خاص موقع سے مسجد کی جگہ تنگ پڑ جائے تو نیچے کے حصہ میں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ کیونکہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد شرعی کا ہونا ضروری نہیں، کسی بھی پاک جگہ پر نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ البتہ مسجد کے نیچے فنکشن ہال بنانا مناسب نہیں؛ کیونکہ آج کل تقریبات منکرات اور لہو ولعب سے خالی نہیں ہوتیں اور وہ چار حضرات احتیاط کریں بھی تو سبھوں سے اس کی توقع نہیں رکھی جاسکتی، اور مسجد کے عین نیچے ایسے منکرات کا ارتکاب مسجد کے احترام اور اس کے ادب کے خلاف ہے، ہاں! مدرسہ بنانے

---

(۱) الدر المختار: ۶/ ۳۴۹

میں کچھ حرج نہیں ؛ بلکہ دینی مدرسہ تو بہتر ہے ؛ کیونکہ اس سے مسجد آباد رہتی ہے ، نیز بیت الخلاء اور استنجاء خانہ جس حصہ میں بنایا جائے ، اس کی چھت کو اوپر کی منزل میں مسجد شرعی کے حدود سے باہر رکھا جائے ؛ کیونکہ مسجد کے عین نیچے طہارت خانہ بنانا احترام مسجد کے خلاف ہے ۔

دینی مدرسہ کی کچھ جگہ کو کرایے پر دینا

سوال :- ہمنکنڈہ میں ایک مدرسہ ہے ، جہاں صبح میں بچوں کو عربی تعلیم دی جاتی ہے ، مدرسہ کی انتظامیہ نے اس مدرسہ کی بلڈنگ شام کے ٹائم ایک غیر مذہب کے آدمی کو ٹیوٹر یل کے لئے دیدیے ، جہاں کئی قوم کے بچے آرہے ہیں ، اس کے علاوہ پیسوں کی اراپخ میں سود کے کاروبار کرنے کے لئے جمعرات کے دن دیا ہے کہ کئی قوم کی عورتیں قرض حاصل کرنے کے لئے آرہی ہیں ، مدرسہ میں عربی کتابیں ، پارے اور قرآن رکھے ہوئے ہیں ، جس کی بے ادبی ہورہی ہے ، کیا ایسا دینا جائز ہے؟ (محمد افضل شاہ ہمنکنڈہ)

جواب :- دینی مدارس کی حیثیت اسلامی اوقاف کی ہے اور انتظامیہ کی حیثیت متولیان کی ہے ، اوقاف کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے اسے وقف کیا گیا ہے ، اسی مقصد کے لئے اس کو استعمال کیا جائے ، مدرسہ کے معاونین کی حیثیت وقف کرنے والوں کی ہے ، ان کا منشا یہی ہوتا ہے کہ ان کی اعانت دینی تعلیم کے فروغ کے لئے استعمال کی جائے ؛ لہٰذا اصل میں دینی مدارس کی عمارتوں کو دینی تعلیم ہی کے لئے استعمال ہونا چاہئے ؛ لیکن اگر مدارس کے نظم تعلیم میں خلل پیدا کئے بغیر اس کا کوئی حصہ کرایہ پر لگایا جائے اور دو باتوں کا لحاظ رکھا جائے ، ایک یہ کہ کرایہ سے حاصل ہونے والی رقم دینی تعلیم ہی پر خرچ کی جائے ، دوسرے کرایہ دار کو ایسے کام کے لئے دیا جائے جو شرعاً جائز ہو ، اور اس سے گناہ اور حرام کام میں تعاون نہ ہوتا ہو تو یہ صورت جائز ہے ، کیوں کہ اس کا مقصد منشأ وقف ہی کو تقویت پہنچانا ہے ۔

"... إن هذه المسئلة دليل على أن المسجد إذا احتاج إلى النفقة تؤاجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه" (۱)

اس لئے شام کو عصری تعلیم کے لئے مدرسہ کی بلڈنگ دینے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ سودی کاروبار کے لئے جگہ کرایہ پر دینا ذاتی طور پر بھی جائز نہیں ہے، اور مدرسہ کے لئے دینا تو گناہ بالائے گناہ ہے، جہاں تک غیر مسلموں کو کرایہ پر دینے کی بات ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، معاملات جیسے مسلمانوں کے ساتھ درست ہیں، اسی طرح غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ بھی درست ہیں، مگر قرآن مجید کے نسخوں کا احترام برقرار رکھنا ہر حال میں ضروری ہے، اس میں بے احتیاطی سخت گناہ ہے۔

---

(۱) الفتاوی الولوالجية ۱/۱۰۲

قبرستان سے متعلق احکام

قبروں پر عمارتیں اور ان سے استفادہ

سوال:- ہماری آبادی میں ایک قدیم قبرستان تھا، جس کا متولی برہمن تھا، اس نے قبرستان کو مسطح کر کے پلاٹس بنا کر فروخت کردیا، اب وہاں پر اچھی خاصی آبادی بھی ہوگئی ہے، تو کیا شرعی نقطۂ نظر سے قبرستان میں قبروں پر مکان بنا کر رہ سکتے ہیں؟ کیا اس زمین پر بیت الخلاء کی تعمیر اور اس کا استعمال درست ہوگا؟ کیا اس میں قبروں کی بے حرمتی نہیں؟ (ساکنان جولنہ، مہاراشٹر)

جواب:- یہ بات افسوسناک ہے کہ ایک برہمن مسلمانوں کے قبرستان کا متولی ہے، اور یہ بہت ہی افسوسناک ہے کہ قبرستان پر تعمیر ہوئی، اور اس وقت مناسب طریقہ پر اس کو روکنے اور افہام وتفہیم سے کام لینے کی کوشش نہ کی گئی اور اب جب قبروں پر مکانات بن گئے ہیں اور بیت الخلاء وغیرہ تعمیر کئے گئے ہیں، تو ان کے بارے میں دریافت کیا جارہا ہے؛ بہرحال اگر قبرستان کی زمین کا اصل مالک وہی متولی یا اس کے آباء واجداد تھے، قبرستان میں تدفین کا سلسلہ بند ہوگیا تھا اور قبریں بوسیدہ ہوچکی تھیں، تو اب اس پر تعمیر کی گنجائش ہے:

"وفي التبيين: لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه" (1)

(1) البحر الرائق ۲/۱۹۵، نیز دیکھئے: درمختار مع ردالمحتار ۳/۱۳۸، مطبوعہ زکریا دیوبند۔

اور اگر قبر میں تدفین ہوئی تھی اور قبریں بہت بوسیدہ نہیں ہوئی تھیں، تو اس پر جو کچھ تعمیر ہوئی ہے، وہ سب غصب کے حکم میں ہے، پہلی صورت میں اگر بیت الخلاء بنانے کے وقت ہڈیاں بھی باقی نہیں رہی ہوں، تو ایسے بیت الخلاء سے استفادہ کی گنجائش ہے اور اگر ہڈیاں اسی جگہ باقی رہی ہوں اور اوپر سے بیت الخلاء بنا دیا گیا، یا دوسری صورت پیش آئی ہو کہ قبرستان اس شخص کی ملکیت نہ ہو، وقف ہو اور اس میں تدفین کا سلسلہ جاری رہا ہو تو بہرحال ایسی جگہ میں بنے ہوئے بیت الخلاء سے استفادہ کرنا درست نہیں۔

قبرستان کے درخت اور گھاس کا مصرف

سوال:- ایک قدیم قبرستان ہے، جس میں گاؤں کے مردے دفن کئے جاتے ہیں، اس میں کچھ درخت اور گھاس بھی ہیں، جو از خود اُگ آتے ہیں، ان درختوں اور گھاس کا کیا مصرف ہوگا؟ کیا انہیں بیچ کر مسجد وغیرہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

(شیخ جاوید پٹیل، بہادر پورہ)

جواب:- اس خودرو گھاس اور درخت کا اصل حکم یہ ہے کہ اسے قبرستان ہی کی ضروریات میں خرچ کیا جائے؛ کیوں کہ یہ قبرستان کی وقف شدہ اشیاء کے حکم میں ہیں، جیسے قبرستان کی احاطہ بندی، اس کی صفائی، ہموار اور صاف سڑک کی تعمیر، قبرستان کے نگراں کی تنخواہ، قبرستان میں روشنی کا انتظام، تاکہ رات کے وقت تدفین میں دشواری نہ ہو وغیرہ، موجودہ حالات میں لاوارث مردوں کی تجہیز و تکفین اور قبرستان تنگ ہوگیا ہو تو اس کی توسیع کے لئے زمین کی خریدی کو بھی اسی زمرہ میں رکھ سکتے ہیں اور اگر قبرستان میں کوئی مصرف نہیں ہو، تو متولیان یا انتظامی کمیٹی دوسرے کار خیر میں بھی اس رقم کو استعمال کر سکتی ہے:

"... الحكم في ذلك إلى رأي القاضي، إن رأى بيعها وصرف ثمنها إلى عمارة المقبرة، فله ذلك" (۱)

(۱) الفتاوى الهندية ۴۷۳:۲، باب الوقف

غیر مستعمل قبرستان کا حکم

سوال:- میں جونپور کا رہنے والا ہوں، میرے شہر میں ایک قبرستان ہے، جو اب آبادی کے بیچ میں آگیا ہے، وہاں تدفین بھی نہیں ہوتی ہے، مسلمانوں کی آبادی بھی اس علاقہ سے ختم ہوگئی ہے، قبریں کافی پرانی ہوگئی ہیں اور اب ان کا پتہ بھی نہیں چلتا ہے، اگر اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے، تو قوی اندیشہ ہے کہ شر پسند عناصر اس پر قابض ہو جائیں گے، ایسی صورت میں کیا اس قبرستان کو فروخت کر دینا اور اس کو مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی کاموں میں استعمال کرنا جائز ہوگا؟ (شمیم احمد، فلک نما)

جواب:- اگر قبریں اتنی بوسیدہ ہوگئی ہوں کہ اب ان کے نشانات بھی ختم ہوگئے ہوں، بحیثیت قبرستان اس کا استعمال اب ممکن نہ ہو، اور اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو یہ بات درست ہے کہ اس کو فروخت کر دیا جائے، اگر اس میں کچھ قبروں کے آثار باقی ہوں تو ان کو گھیر کر محفوظ کر دیا جائے، اور اس رقم کو کسی اور جگہ وہاں کی ضرورت کے مطابق قبرستان کے لئے اراضی خریدنے میں صرف کیا جائے؛ کیوں کہ وقف کے سلسلہ میں فقہاء نے دو بنیادی اصول لکھے ہیں، ایک یہ کہ مسجد کے علاوہ جو اوقاف ہیں، انہیں اس وقت فروخت کیا جا سکتا ہے، جبکہ اس کے ضائع یا بے فائدہ ہو جانے کا اندیشہ ہو، اور یہ پہلو یہاں موجود ہے، دوسرے، چاہے اصل وقف شدہ شی باقی ہو یا اس کو فروخت کر دیا گیا ہو، وقف کرنے والے کے منشا کی رعایت کی جائے، اور جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں وقف کرنے والے کے منشا کی رعایت اسی طور پر ہو سکتی ہے، کہ اس زمین کی قیمت کو پھر قبرستان ہی کے لئے استعمال کیا جائے۔

" ... فعلی هذا ساغ النقض في موضعين ؛ عند تعذر عوده ، وعند خوف هلاکه ، والمراد ما

انهدم من الوقف إلخ " (۱)

قبرستان میں راستہ

سوال :- ایک پرانا قبرستان ہے جس میں ابھی تک مردے دفن کیے جاتے ہیں، قبرستان کے دونوں طرف سڑک واقع ہے، ایک سڑک سے دوسرے سڑک پر جانے کے لئے لمبا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے؛ اس لئے سرکاری انتظامیہ چاہتی ہے کہ قبرستان میں سے روستہ نکالے، کیا اس طرح راستہ نکالنا جائز ہوگا؟ (محمد فضل اللہ، بیدر)

جواب :- قبرستان کی زمین ایک خاص مقصد کے لئے وقف ہے اور وہ مقصد ہے مردوں کی تدفین، دوسرے مقاصد کے لئے قبرستان کی زمین کو استعمال کرنا شدید مجبوری کے بغیر جائز نہیں، پھر یہ کہ سڑک بنانے میں قبریں اکھیڑنی پڑتی ہیں، جو مردہ کے ساتھ اہانت آمیز عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسلمان مردوں کا زندوں کی طرح احترام کرنے کا حکم دیا ہے: "کسر عظم المیت ککسرہ حیا " (۲) اس لئے قبرستان کی زمین کو شاہراہ بنانے کے لئے استعمال کرنا درست نہیں، زیادہ سے زیادہ ایسا کیا جا سکتا ہے کہ ایک سڑک سے دوسری سڑک تک فلائی برج بنایا جائے، ہاں! خود قبرستان میں تدفین کی سہولت کے لئے قبروں سے بچتے ہوئے یا پرانی اور بوسیدہ قبروں کے کنارے سے حسب ضرورت چھوٹے راستے بنائے جاسکتے ہیں؛ کیونکہ اس سے قبرستان ہی کی مصلحت متعلق ہے۔

قبرستان کو تفریح گاہ بنانا

سوال :- مقبرہ یا مقبروں پر جس کی کلیتاً حیثیت قبر یا قبور کی ہے، کسی ادارے یا کمیٹی کی جانب سے اس پر تفریحی ٹکٹ کا عائد

---

(۱) البحر الرائق : ۵/۴۲۰ (۲) الجامع الصغیر ، حدیث نمبر: ۶۲۳۱

کرنا یا لینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(محمد عرفان عالم، ولی صاحب نینک)

جواب:- ازروئے شرع ہر مسلمان کو زیارتِ قبور کی اجازت ہے، اس لئے مقبرہ میں داخلہ کی اجرت بصورتِ ٹکٹ وصول کرنا درست نہیں۔

ایک محلہ کے قبرستان میں دوسرے محلہ کی میت کی تدفین

سوال:- آج کل بعض محلوں میں جو قبرستان ہوتے ہیں دوسرے محلہ کی میت کو اس میں دفن نہیں ہونے دیتے، یہ کس حد تک درست ہے؟ (وسیم احمد، مہدی پٹنم)

جواب:- جس قبرستان کو مالکِ زمین نے کسی تخصیص و تحدید کے بغیر وقف کیا ہو، اس سے تمام مسلمانوں کا حق متعلق ہے، اس لئے اگر کسی محلے کے لوگ قبرستان سے قریب ہوں تو ان کا اس پر قابض ہو جانا اور دوسرے کو اس میں تدفین سے منع کرنا جائز نہیں، —— بعض قبرستان ایک محلہ کے لوگ مل کر اس محلہ کے لئے خرید کرتے ہیں، یا محلہ کا کوئی آدمی خرید کر اس محلہ کے ضرورت مندوں کے لئے وقف کر دیتا ہے تو واقف کی نیت کی وجہ سے یہ قبرستان اسی محلہ کے مردوں کے لئے وقف ہوگا اور دوسرے محلہ کے لوگوں کا اس قبرستان میں دفن کرنے پر اصرار کرنا درست نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ اضطراری اور مجبوری کی صورت پیدا ہو جائے اور اس کے علاوہ تدفین کی کوئی جگہ موجود نہ ہو؛ کیوں کہ کسی بھی مسلمان کی تجہیز و تدفین تمام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے، چاہے وہ اس کے محلہ کا ہو یا دوسرے محلہ کا، اور اس کے شہر کا ہو یا دوسرے شہر کا:

رجل حفر لنفسه قبرا في مقبرة هل يكون لغيره أن
يقبر فيه ميته، قالوا: إن كان في المقبرة سعة
فليستحسن أن لا يوحش الذي حفر وإن لم يكن

في المكان سعة كان لغيره أن يدفن فيه ميته (۱)

قبرستان کی زمین میں عیدگاہ

سوال: ہمارے یہاں مسلمانوں کے دو محلے ہیں، ایک اتر طرف، دوسرا دکھن طرف، یہ دونوں ہمیشہ عیدگاہ میں عید کی نماز ادا کیا کرتے تھے، اب آپس میں اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے ایک محلہ کے لوگ قبرستان کی زمین میں عیدگاہ بنانا چاہتے ہیں، کیوں کہ قبرستان کی زمین کافی وسیع ہے، نیز قبرستان کے لئے جو چندہ کیا گیا ہے، اسی سے عیدگاہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ (محمد مختار الدین، غازی آباد)

جواب:- شریعت میں نماز عیدین آبادی سے باہر عیدگاہ یا کھلے میدان میں ادا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان جمع ہوں، خود ان میں اجتماعیت کا مزاج پیدا ہو اور دوسرے لوگوں پر بھی ان کی اجتماعیت کا اظہار ہو؛ اس لئے اتر اور دکھن دونوں محلہ کے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک ہی عیدگاہ میں نماز ادا کریں اور اپنی صفوں کو اختلاف و انتشار سے بچائیں، جہاں تک قبرستان کو عیدگاہ بنانے کی بات ہے تو جو زمین قبرستان کے لئے وقف کی گئی ہو اور جو چندہ قبرستان کی حصار بندی کے لئے لیا گیا ہو، اس کا کسی کام میں خرچ کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ وقف کی چیز کو منشأ واقف ہی میں استعمال کیا جا سکتا ہے؛ البتہ اگر قبرستان کا کچھ حصہ خالی ہو اور اس کو مستقل عیدگاہ تو نہ بنایا جائے؛ لیکن کھلی ہوئی جگہ میں عارضی طور پر لوگ نماز عید ادا کرلیں تو اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

---

(۱) خانية مع هندية ۳۱۲/۳ فصل في المقابر والرباطات

متفرقات

عیدگاہ کی توسیع میں غیر مسلم کا چندہ

سوال:- لاڑنوں کے تعلقہ نندی کنسور میں ایک عیدگاہ ہے جو تنگ پڑ رہی ہے اور اس کی توسیع بہت ضروری ہے، مقامی ایم ایل اے غیر مسلم ہیں اور انہوں نے سرکاری فنڈ سے عیدگاہ کی توسیع کے لئے زمین خریدنے کی پیشکش کی ہے، کیا اس طرح زمین کا خریدنا درست ہوگا؟ (عبدالرحمٰن قاسمی، مقام نامعلوم)

جواب:- عیدگاہ کی توسیع میں ان سے تعاون حاصل کرنا درست ہے؛ کیونکہ سرکاری خزانہ پر تمام قوموں کا حق ہے اور مسلمان بھی اس میں برابر کے شریک ہیں؛ لہٰذا یہ اپنا حق وصول کرنا ہے اور اگر وہ اپنے طور پر رقم دیتے ہوں تب بھی دو شرطوں کے ساتھ اسے قبول کرنا جائز ہے، اول یہ کہ وہ اسے کارِ خیر تصور کرتے ہوں، دوسرے اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ آئندہ مسلمانوں سے مندر یا کسی بھی غیر اسلامی عبادت گاہ کے لئے تعاون طلب کریں گے، فقہاء کے یہاں مسجد وغیرہ کے لئے غیر مسلموں کے تعاون کے سلسلہ میں اس کی صراحت ملتی ہے۔

غیر مسلموں سے چندہ لینا

سوال:- غیر مسلم سے چندہ یا عطیہ لینا کیسا ہے؟

(عبدالحلیم، شفقت نگر)

جواب :- غیر مسلم سے چندہ لینا درست اور جائز ہے، بہ شرطیکہ اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ کل اپنے تہوار اور عبادت گاہ کے لئے چندہ کا مطالبہ کریں گے ۔(۱)

فاسق شخص کا مسجد کمیٹی کا صدر بننا

سوال :- ایک شخص کمیونسٹ پارٹی کا سرگرم رکن ہے، اعلانیہ مشرکانہ رسوم جیسے پوجا کی محفل میں شرکت، مورتی کے سامنے ناریل پھوڑنا وغیرہ کرتا ہے، نہ داڑھی رکھتا ہے اور نہ کبھی مسجد آتا ہے، ایسے شخص کو مسجد کمیٹی کا صدر بنانا کیسا ہے؟

(محمد محی الدین، مقام نامعلوم)

جواب :- مسجد کے متولی ہونے کے لیے صرف عاقل و بالغ ہونا شرط ہے، لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ کم سے کم اس میں علانیہ فسق نہ پایا جاتا ہو:

"الصالح للنظر من لم یسأل الولایة للوقف ولیس فیه فسق یعرف" (۲)

اس لیے ایسے شخص کو مسجد کمیٹی کا صدر نہیں بنانا چاہیے؛ کیونکہ اس کے بعض اعمال علانیہ فسق ہیں، بلکہ مشرکانہ بھی ہیں، نیز انہیں محبت کے ساتھ ایسے گناہ کی باتوں سے بچنے کی نصیحت بھی کرنی چاہیے۔

مسجد کی تولیت

سوال :- زید ایک مسجد کا متولی تھا، زید اس مسجد و درگاہ کا واحد بااختیار حسب دستور سابق بذریعہ تولیت نامہ منتخب کردہ تھا، اس کو اپنی جانب سے باضابطہ متولی مسجد و درگاہ کے لئے کسی مناسب شخص کو اپنی حیات میں مقرر کرنے کے اختیارات دیے گئے تھے

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۳ / ۳۵۱ (۲) ہندیہ: ۲ / ۴۰۸، نیز دیکھئے: شامی: ۶ / ۵۷۸

اور اسے یہ حق حاصل تھا کہ بموجب اپنے اختیارات کسی مناسب شخص کو یہ عہدہ سونپے! لہٰذا زید متولی مسجد و درگاہ اور سجادہ نشیں و متولی درگاہ مذکور نے عمر ۷۶ سال کی ضعیف العمری واا غرض کی وجہ سے اپنی حیات میں اپنی جانب سے حسب دستور سابق بذریعہ تولیت نامہ مورخہ ۳۱/دسمبر ۱۹۷۰ء کو اس مسجد و درگاہ مذکورہ کا باضابطہ سجادہ نشیں و متولی درگاہ اور جانشیں و متولی مسجد مقرر کردیا۔ اس سے پہلے بھی اسی طرح باضابطہ مسجد و درگاہ مذکورہ کے جانشیں متولیان اور سجادگان و متولیان بموجب تولیت نامہ جات ایک کے بعد دوسرے کو اسی طرح اختیارات دیتے چلے آئے ہیں، زید کا منتخب کردہ موجودہ متولی و جانشیں مسجد اور سجادہ نشیں و متولی درگاہ مذکورہ بموجب تولیت نامہ مورخہ ۳۱/دسمبر ۱۹۷۰ء حسب دستور باضابطہ قائم ہے، مسجد و درگاہ سے متعلق وقف نامہ فساد میں برباد ہوگیا، کیا زید کا منتخب کردہ مسجد و درگاہ کا جانشیں متولی سجادہ نشیں و متولی رو برو شریعت محمدیہ درست قرار دیا جاسکتا ہے؟

(احمد اللہ خاں، دہلی)

جواب:- تولیت باقی رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تولیت نامہ یا وقف نامہ محفوظ ہو، اور علامہ شامی وغیرہ نے تصریح کردی ہے کہ متولی کے منجملہ اختیارات کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی اور کو (بشرط اہلیت) متولی مقرر کردے اور ایسی صورت میں اس کا کسی کو مقرر کرنا درست و صحیح ہوگا:

"أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته وصحته إن كان التفويض له بالشرط عاماصح"(۱)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۳ / ۴۱۱، ط مکتبہ رشیدیہ پاکستان

اس لئے مذکورہ صورت میں جن صاحب کو متولی مقرر کیا گیا ہے ان کی تولیت شرعاً صحیح ہے۔

اگر مسجد کا منتظم غیر مسلم ہو؟

سوال:- مسجد کا کسی غیر مسلم ادارہ یا غیر مسلم انتظامیہ کی جانب سے انتظام شرعاً کس حد تک جائز قرار پاتا ہے؟ جبکہ اس ادارہ یا انتظامیہ کے تحت غیر مسلم عبادت گاہیں بھی ہیں، اور اندیشہ ہے کہ اس سے حاصل کردہ رقم سے مسجد کے تمام اخراجات برداشت کئے جا رہے ہوں۔ (انتظامیہ مسجد، جگہ غیر مذکور)

جواب:- کسی مسجد کا ہندو اوقاف کے تحت ہونا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ اس میں دو پہلو قابل غور ہیں، ایک یہ کہ کسی غیر مسلم کو مسجد کا متولی بنایا جائے یا نہیں؟ اس لئے کہ جب ہندو وقف کے تحت مسجد ہے تو ضرور اس کا نظم بھی ہندو ارباب حل وعقد اور ذمہ دار انجام دیتے ہوں گے، دوسرے یہ کہ غیر مسلم اوقاف کا مسجدوں کے لئے استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ جہاں تک مسجد پر غیر مسلم کی تولیت کا مسئلہ ہے تو قرآن نے اس کے نادرست ہونے کی صراحت کردی ہے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (۱)

دوسرا مسئلہ غیر مسلموں کے اوقاف کا ہے، غیر مسلموں کا وقف اسی وقت درست ہوگا جب وہ ان کے عقیدے کے مطابق بھی قربت اور ثواب کا کام ہو، مثلاً بیت المقدس ہے، اگر عیسائی و یہودی اس کے لئے کچھ وقف کریں تو صحیح ہوگا؛ کیونکہ اس مسجد سے ان کا بھی اعتقادی اور مذہبی تعلق ہے، اس کے برخلاف اگر وہ حج و عمرہ کے لئے وقف کریں تو صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ وہ خود اس کے قائل نہیں ہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

---

(۱) التوبۃ: ۱۷

"أن شرط وقف الذي أن يكون قربة عندنا وعندهم ... بخلاف الوقف علی حج و عمرة فإنه قربة عندنا فقط" (۱)

ہندوستان میں عام ہندو حضرات کے ذہن میں بھی مساجد کا تقدس واحترام ہے، اور شرک کے عقیدہ کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی عبادت گاہوں کے ساتھ ساتھ مساجد کو بھی خدا کا گھر سمجھتے ہیں؛ اس لیے ان کا تعاون قبول کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ آئندہ وہ بھی اپنی عبادت گاہوں، تہواروں وغیرہ کے لیے آپ سے تعاون کے طلب گار ہوں گے۔ واللہ اعلم

حرم شریف کے لئے کرسی کا وقف

سوال:- اگر مساجد میں کنواں کھدوائی، معذوروں کے لئے کرسیاں رکھا جانا، جائے نماز یں اور ٹوپیاں وغیرہ سپلائی کرنا باعث ثواب سمجھا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی حاجی طواف کعبہ کے بعد استعمال شدہ کرسیوں کو بطور ثواب جاریہ وہاں پر ہی چھوڑ دیتا ہے، اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟ (مرزا قمر علی، ملے پلی، حیدرآباد)

جواب:- اسلام میں دوسرے انسانوں کو راحت پہنچانے کی بڑی اہمیت ہے اور اگر اس راحت رسانی کا تعلق عبادت سے ہے اور وہ شی بھی ایسی ہو جس سے پہلے بعد دیگرے متعدد لوگ فائدہ اٹھائیں تو اس کا اجر و ثواب مزید بڑھ جاتا ہے؛ کیوں کہ جتنے لوگوں کو اس کے وقف کی ہوئی چیز سے عبادت میں مدد ملے گی وہ ان سب کے اجر میں شریک ہوگا، یہ ایک حقیقت ہے کہ حرمین شریفین میں معذوروں کے لئے کرسیوں کی اور خاص کر وہیل چیئر (Wheel Chair) کی بہت ضرورت پیش آتی ہے؛ اس لئے حرم شریف میں کرسیوں کو ثواب جاریہ کے لئے چھوڑ دینا ان شاء اللہ اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔

---

(۱) رد المحتار: ۶؍ ۵۲۲، مطلب: [illegible]

کتاب الفتاوی
نواں حصہ
کتاب النکاح
نکاح سے متعلق مسائل

نکاح سے متعلق مسائل

ایجاب وقبول میں والد کا نام غلط ذکر کر دیا جائے؟

سوال:- فاطمہ بنت افضل شریف کا نکاح ہونا تھا ،لیکن نکاح پڑھانے والے نے غلطی سے افضل شریف کے بجائے امجد شریف کا نام لے لیا ،تو نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟

(ثمینہ عادل ،ملک پیٹ)

جواب:- اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

(الف) لڑکی خود مجلس نکاح میں موجود تھی ،تو نکاح درست ہو جائے گا؛ کیوں کہ اشارہ کا درجہ نام لینے سے بڑھ کر ہے اور مجلس عقد میں لڑکی کا موجود ہونا گویا اس کی طرف بحیثیت منکوحہ اشارہ کرنا ہے۔

(ب) اگر نام لینے میں غلطی ہوگئی ،لیکن عاقد کو بھی وہ لڑکی معلوم ہے ،گواہان بھی پہلے سے اس لڑکی سے واقف ہیں اور معلوم ہے کہ اس کا نکاح ہو رہا ہے ،تب بھی اس لڑکی کا نکاح ہو جائے گا؛ چنانچہ علامہ شامیؒ ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" إنها لو جرت مقدمات الخطبة على معينة وتميزت عند الشهود أيضاً يصح العقد وهي واقعة الفتوى ، لأن المقصود نفي الجهالة و ذالك حاصل بتعينها

عند العاقد و الشهود"(۱)

"اگر خطبہ کے مقدمات کسی معین عورت سے متعلق ہوں اور دو گواہوں کے نزدیک جانی پہچانی ہو تو عقد صحیح ہو جائے گا، یہی اس فتویٰ کا واقعہ ہے، اس لئے کہ مقصود تو آگہی کی نفی کرنا ہے، اور جب عاقدین اور گواہوں کے نزدیک منکوحہ متعین ہے تو یہ مقصد حاصل ہو گیا"

(ج) اگر مجلس نکاح میں لڑکی بھی موجود نہ ہو اور گواہان بھی اس لڑکی سے واقف نہیں ہوں، ایسی صورت میں اگر والد کا نام غلط لے لیا گیا تو نکاح درست نہیں ہوگا اور دوبارہ نکاح کر لینا چاہئے؛ چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

"غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح للجهالة (۲)

مجلس نکاح کے گواہ نہ ہوں تو نکاح کی تصدیق

سوال:- میں قاضی ہوں، میرے پاس جہاں لوگ نکاح پڑھواتے ہیں، وہیں پہلے سے جو نکاح شدہ ہیں، اپنی تصدیق بھی بعض دفتری ضروریات کے تحت کراتے ہیں، بعض دفعہ ایک مرد و عورت آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وطن میں ہم دونوں کا نکاح ہو چکا ہے، نکاح کے وقت کے گواہان تو نہیں لا سکتے ہیں؛ لیکن ایسے گواہوں کو پیش کرتے ہیں جو ان کے درمیان نکاح کے تعلق کی تصدیق کرتے ہیں، ایسی صورت میں کیا میں ان کے نکاح کی تصدیق کر سکتا ہوں؟　　　(ابو الحسن قادری، ممبئی)

---

(۱) رد المحتار ۲: ۳۴۱، کتاب النکاح

(۲) در مختار علی هامش الرد ۲: ۳۰۸

جواب:- مرد و عورت کے دعویٰ نکاح کے خلاف کسی کا دعویٰ نہ ہو، تو ان دونوں کی باہمی تصدیق کو بھی فقہاء نے نکاح کے ثبوت کے لئے کافی مانا ہے:

"۔۔۔ ان النکاح یثبت بالتصادق ۔۔۔ والمراد من قولهم أنه یثبت بالتصادق أن القاضي یثبته به أي بالتصادق ویحکم به" (۱)

البتہ موجودہ فتنہ اور جھوٹ کے غلبہ کے دور میں بہتر ہے کہ گواہ بھی طلب کر لئے جائیں، ان گواہان کا ہونا ضروری نہیں، جن کا نام عقد کے وقت لیا گیا ہو، یا جو عقد کی مجلس میں شریک رہے ہوں، بلکہ شہرت کی بنا پر جو ان دونوں کو شوہر و بیوی جانتے ہوں، ان کی گواہی بھی کافی ہے فقہاء نے نکاح میں ایجاب و قبول کا عینی گواہ ہونے کو ضروری قرار نہیں دیا ہے، اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں نکاح کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

نکاح پڑھانے میں کس کو ترجیح ہے؟

سوال:- میں ایک نکاح کی مجلس میں شریک ہوا، وہاں لڑکے والے بھی نکاح پڑھانے کے لئے ایک عالم کو لے کر آئے اور لڑکی والے کی طرف سے بھی ایک عالم موجود تھے، جس کے نتیجہ میں دونوں فریق کے درمیان کافی اختلاف ہو گیا، آخر لوگوں نے دونوں کو سمجھا بجھا کر ایک تیسرے دین دار آدمی کے ذریعہ نکاح پڑھوا دیا، اس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے کہ نکاح پڑھانے کا حق کس فریق کو حاصل ہے؟ (سمیع اللہ شریف، گلبرگہ)

جواب:- جو شخص نکاح پڑھاتا ہے وہی عام طور پر محفل نکاح میں لڑکی کی طرف سے لڑکے کے سامنے ایجاب کرتا ہے اور لڑکے سے نکاح قبول کراتا ہے، اس طرح نکاح

(۱) رد المحتار ۳: ۲۴۳، ط: مکتبہ دار الکتاب دیوبند

پڑھانے والے کی حیثیت لڑکی کے وکیل کی ہے؛ لہٰذا لڑکی کے اولیاء جس سے نکاح پڑھوانا چاہیں، وہ نکاح پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے، البتہ نکاح پڑھانا کوئی ایسی فضیلت کی بات نہیں ہے کہ جس کے لئے آپس میں لڑائی جھگڑا کیا جائے، ایسی باتوں کے لئے جھگڑنا انتہائی افسوس ناک ہے۔ وباللہ التوفیق

خطبۂ نکاح کا ثبوت

سوال:- نکاح میں جو خطبہ پڑھایا جاتا ہے، یہ کب شروع ہوا اور اس کی کیا اصل ہے؟ کیا خطبہ پڑھنا ضروری ہے، اس کے نہ پڑھنے سے نکاح میں کوئی نقص پیدا ہوسکتا ہے؟

(شمس الدین ندوی، ملک پیٹ)

جواب:- سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں میں نکاح کے وقت خطبہ کا رواج تھا، ایک شخص لڑکے کی طرف سے خطبہ دیتا تھا اور وہ اس میں اپنے خاندان کی تعریف کرتا اور اس کی بہادری و جواں مردی کا ذکر کرتا تھا، اسی طرح ایک شخص لڑکی کی طرف سے خطبہ دیتا اور وہ اپنے خاندان کی مدح وستائش کرتا، رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کو باقی رکھا؛ لیکن اس کا رخ تبدیل فرمادیا کہ اس موقع پر خاندان کی تعریف کرنے کی بجائے اللہ کی حمد وستائش کی جائے اور اس میں خاص طور پر چند آیات کو شامل فرمایا، جس میں تقویٰ کا ذکر ہے؛ کیوں کہ اکثر اوقات انسان شادی کے وقت خوشی میں بے قابو ہوجاتا ہے اور اللہ کو فراموش کردیتا ہے، اس خطبہ کو خطبۃ الحاجۃ اور خطبۃ الشہادۃ کہا گیا ہے، خود رسول اللہ ﷺ سے اس خطبہ کی عبارت منقول ہے، ترمذی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء في خطبة النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۲۵، السنن الکبری للبیہقي، کتاب النکاح، باب ماجاء في خطبة النکاح، حدیث نمبر: ۱۳۶۰۳، إعلاء السنن، حدیث نمبر: ۳۰۶۷، باب استحباب إعلان النکاح بالخطبة الخ

نکاح کے وقت حقیقی والد کے بجائے گود لینے والے کا نام لینا

سوال :- عقد کے موقع پر بوقت ایجاب وقبول بچی کے حقیقی والد کے نام کے بجائے گود لینے والے شخص کا نام لیا گیا اور یہی نام نکاح نامہ میں بھی لکھا گیا ، نیز صورت حال یہ ہے کہ لڑکی کے سرٹیفکیٹ پر بھی حقیقی والد کے بجائے اسی شخص کا نام لکھا گیا ہے اور پاسپورٹ اسی سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر بنے گا ، ولدیت تبدیل کرانے میں کافی دشواری ہے ، ایسی صورت میں نکاح شرعی طور پر منعقد ہوگیا یا نہیں اور کیا پاسپورٹ پر گود لینے والے شخص کا نام لکھا جا سکتا ہے؟ (حاجی محمد احمد ، نانڈیڑ)

جواب :- (الف) لڑکے یا لڑکی کی نسبت ہمیشہ حقیقی باپ ہی کی طرف کرنی چاہئے ، پرورش کرنے والے کی طرف نسبت کرنا قطعاً جائز نہیں ، خود قرآن مجید میں اس کی تاکید آئی ہے : ﴿ ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله ﴾ (۱)

(ب) جس لڑکی کا نکاح ہوا ہے ، اگر حاضرین مجلس میں سے کم سے کم دو آدمی اس سے واقف ہوں تو نکاح منعقد ہو جائے گا :

" ... إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها فقط خلافاً لابن الفضل وعند الخصاف يكفي مطلقاً " (۲)

(ج) اگر دشواری کے ساتھ ہی سہی ، ولدیت میں نام کی تبدیلی کرانا ممکن ہو تو پاسپورٹ میں صحیح نام کا اندراج کرانا واجب ہے ۔

کس صورت میں دوسری شادی کرنی چاہئے؟

سوال :- دوسری شادی کس صورت میں کرنی چاہئے ، جب

---

(۱) الاحزاب : ۵ (۲) رد المحتار ۴ : ۹۲

کہ بیوی صحت مند اور صاحب اولاد ہو، اگر بیوی اپنے حق کا مطالبہ
کرتی ہے تو شوہر اس کو دوسری شادی کی دھمکی دیتا ہے، کیا شوہر کا اس
کا یہ عمل درست ہے؟ (ماشر احمد منیر، نئی دہلی)

جواب:- شریعت میں مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ مالی اور جسمانی اعتبار سے دو بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کر سکتا ہو، دوسرے دونوں کے درمیان عدل سے کام لینے کی امید رکھتا ہو، اگر دونوں کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت نہیں، یا عدل وانصاف کی بجائے ایک بیوی کو اذیت پہنچانا مقصود ہو تو مرد کے لئے دوسرا نکاح کرنا درست نہیں ہے، قرآن مجید نے صاف طور پر کہا ہے کہ اگر تم عدل نہیں کر سکتے تو ضروری ہے کہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو:

﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ما ملکت أیمانکم﴾ (۱)

بلکہ اگر دو بیوی رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تب بھی فقہاء کہتے ہیں کہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا بہتر ہے، کیوں کہ عام طور پر دو بیویوں کے درمیان عدل کا حق ادا نہیں ہو پاتا ہے:

"وإن علم أن یعدل بینهما فهو فی سعة، وإن لم یفعل ذلك فهو مأجور، لأنه ترك إدخال الغم علی امرأته" (۲)

جبراً نکاح

سوال:- ایک ۲۳ سالہ مسلم لڑکے نے بزور جبر اور بعد اغوا (لڑکے والے نے لڑکی کا ایئرپورٹ سے اغوا کرایا تھا) قاضی صاحب کی موجودگی میں اپنا نکاح کیا، قاضی صاحب نے نام

(۱) النساء: ۳ (۲) مختارات النوازل ۹۳/۲

وکیل عاقدہ کے کالم میں یہ عبارت درج کی کہ "عاقدہ نے بذات خود ایجاب وقبول کیا ہے" دریافت طلب سوال یہ ہے کہ بغیر لڑکی کے والدین کی موجودگی و دیگر اہم گواہوں کے کیا یہ نکاح منعقد ہو چکا؟ کیا لڑکی بغیر کسی وکیل یا کلیدی گواہوں کے اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرنے کا شرعی استحقاق رکھتی ہے؟ قاضی صاحب کا یہ اقدام از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟　（قاری ایم، ایس، خاں، کہر بانغ）

جواب:- کسی لڑکی کا اغوا کر کے زور زبردستی کے ساتھ نکاح کر لینا قطعاً جائز نہیں، اگر لڑکی رشتہ پر رضامند نہیں تھی، لیکن دھمکی دے کر اس سے قبول کے الفاظ کہلا لئے جائیں، یا لڑکی کو سمجھا بجھا کر رشتہ پر راضی کر لیا جائے اور وہ قبول کر لے تو نکاح منعقد ہو جائے گا؛ بشرطیکہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہو، کیوں کہ ایسی لڑکی اپنے نفس کے بارے میں خود اختیار رکھتی ہے، وکیل کے ذریعہ ہی نکاح کرنا ضروری نہیں، اسی طرح نکاح کے وقت کسی بھی دو عاقل و بالغ مسلمان مردوں یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کی موجودگی بحیثیت گواہ کافی ہے، شریعت میں کلیدی اور غیر کلیدی گواہوں کی تخصیص نہیں؛ البتہ اگر لڑکی سے جبراً قبول کرایا گیا ہو تو وہ قاضی کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے، (۱) اسی طرح اگر وہ لڑکا خاندان، تعلیم اور معاشی حالات کے اعتبار سے لڑکی سے کمتر درجہ کا ہے، تو لڑکی کے ولی کو اس پر اعتراض کرنے اور دار القضاء کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہے —— بہر حال مسلم معاشرے میں ایسے واقعات کا پیش آنا نہایت ہی لائق افسوس ہے۔

پہلی بیوی کو طلاق یا نکاح ثانی؟

سوال:- بیوی چار پانچ سال سے طویل علالت میں مبتلا ہے، ورحت کے آثار مفقود ہیں، یہ علالت ازدواجی تعلقات میں

---

(۱) دیکھئے: جبری شادی کا شرعی حکم، ترتیب: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

مانع ہے، ایسی صورت میں شوہر کے لئے کیا احکام ہیں؟ کیا شوہر طلاق دے سکتا ہے یا بیوی خلع حاصل کرسکتی ہے؟ ہر دو صورت میں اولاد کس کی تحویل میں ہوں گی؟ اگر نکاح ثانی مقصود ہو تو کیا پہلی بیوی سے از روئے شریعت اجازت حاصل کرنا ضروری ہے؟

(عمران پاشا، پونہ)

جواب:- (الف) رشتۂ نکاح اسی لئے ہے کہ آرام کی طرح تکلیف اور سکھ کی طرح دکھ میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، اس لئے بیوی کے بیمار ہونے کی وجہ سے اسے طلاق دے دینا مکروہ، غیر اسلامی اور غیر انسانی فعل ہے اور اس سے زیادہ لائق شرم بات یہ ہے کہ عورت یا اس کے اہل خانہ سے کہا جائے کہ وہ خلع حاصل کرلے۔

(ب) البتہ شوہر کو اپنی ضرورت کے لئے اس بیمار بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے، اور اس کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا یا اس پر اس کو ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے۔

(ج) اگر شوہر و بیوی میں تفریق ہو جائے تو لڑکے سات سال کی عمر تک ماں کے پاس رہیں گے، اور باپ کو ان سے ملاقات کا حق حاصل رہے گا، اور اس عمر کے بعد باپ کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اور ماں اور نانا نانی وغیرہ کو ملاقات کا حق حاصل رہے گا۔(۱)

اسلام قبول کرنے سے پہلے کا نکاح اور کورٹ میں نکاح

سوال:- ایک نو مسلم صاحبہ نے ایک مسلمان سے کورٹ میریج کرلی، ان کو اس نکاح سے تشفی نہیں ہے، وہ نکاح کرنا چاہتی ہیں؛ لیکن کہتی ہیں کہ جب تک میرا نکاح صحیح نہ ہو جائے، میں قرآن پاک نہیں پڑھ سکتی؛ حالاں کہ میں نے ان سے کہا کہ ان

---

(۱) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۲۰۳/۵

کے سابقہ مذہب کے مطابق جس طریقہ پر بھی نکاح ہوا ہو، وہ اسلام میں قابل قبول ہے، براہ کرم اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیے۔ (صبغت اللہ امبدی، پٹنہ)

جواب:- اگر نکاح کے وقت یہ دونوں غیر مسلم تھے، بعد میں مسلمان ہوئے تو ان کا نکاح باقی رہے گا؛ کیوں کہ جب تک وہ حالت کفر میں تھے، شریعت کے فرعی احکام کے مخاطب نہیں تھے، اور اگر یہ نکاح اسلام کی حالت میں ہوا ہو تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: اول یہ کہ رجسٹرار نے دونوں سے صرف دستخط کرایا ہو، زبان سے ایجاب و قبول نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بھی ایجاب و قبول کرایا ہو؛ لیکن وہاں پر دو مسلمان مرد گواہ موجود نہ ہوں، تیسری صورت یہ ہے کہ تحریر پر دستخط لینے کے ساتھ زبان سے بھی ایجاب و قبول کرایا ہو اور نکاح کے وقت دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں موجود ہوں، ان میں سے پہلی صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ ایجاب و قبول کا زبان سے تلفظ ضروری ہے، دوسری صورت میں بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ نکاح کے درست ہونے کے لئے ایجاب و قبول کے وقت کم سے کم دو مسلمان مرد گواہان کا ہونا ضروری ہے؛ البتہ تیسری صورت میں نکاح منعقد ہو گیا؛ کیوں کہ یہاں زبانی ایجاب و قبول بھی موجود ہے اور گواہان بھی موجود ہیں، اب دیکھنا چاہئے کہ کس طریقہ سے نکاح ہوا ہے؟

ایک نکاح دو بار

سوال:- میرے بھائی نے شرعی طریقے پر گھر والوں کے علم میں لائے بغیر نکاح کر لیا ہے، گھر والوں میں صرف مجھے علم ہے، میرے والدین بھائی سے شادی کے لئے اصرار کر رہے ہیں، کیا برائے نام اسی لڑکی سے ایک بار پھر نکاح کیا جا سکتا ہے؟ عقد نکاح اور ولیمہ کی محفل سجائی جا سکتی ہے؟ (محمد فیصل، حیدرآباد)

جواب:- ایک تو بھائی صاحب کو چاہئے تھا کہ آپ کے والد صاحب کو اعتماد میں لے کر نکاح کرتے ؛ کیوں کہ بالغ ہونے کے بعد بھی استحباب کے درجہ میں نکاح میں ولی کی شرکت ہونی چاہئے ، اسی لئے ''ولایت ندب'' بلوغ کے بعد بھی اولیاء کو حاصل ہوتی ہے ، ——اور جب بھائی صاحب نے جائز طریقہ پر نکاح کر لیا ہے ، تو والدین کو اسے قبول کر لینا چاہئے ؛ کیوں کہ نکاح اصل میں عاقدین کا حق ہے نہ کہ والدین کا ، —— جہاں تک دوبارہ نکاح کی بات ہے تو نکاح دوبارہ نہیں ہوسکتا ؛ کیوں کہ جو نکاح پہلے سے موجود ہے ، اس کو پھر سے پڑھانے کی نہ شریعت میں کوئی اصل ہے اور نہ اس میں کوئی معقولیت ہے ؛ البتہ ضیافت کا اہتمام کیا جا سکتا ہے ، کیوں کہ دعوت اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے ؛ اسی دعوت میں دونوں کی شادی کے بارے میں اظہار بھی کر دیا جائے ؛ کیوں کہ حلال رشتے کو معروف ہونا چاہئے ۔

کیا مجسٹریٹ کے سامنے نکاح نامہ پر دستخط کافی ہے ؟

سوال:- شمیم نے شبانہ سے رجسٹری آفس میں نکاح کیا ، اس وقت شمیم کے ساتھ اس کے دو مسلمان دوست بھی موجود تھے ، شمیم اور شبانہ نے رجسٹرار کے سامنے نکاح کے کاغذ پر دستخط کیا اور میرج سرٹیفکیٹ حاصل کر لی ، البتہ قاضی جس طرح نکاح کے الفاظ بولواتا ہے اس طرح بولنے کی نوبت نہیں آئی ، اب دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں ، تو کیا یہ نکاح شرعاً منعقد ہو گیا ؟

(محمد نور شریف ، ٹولی چوکی)

جواب:- اول تو لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو اور خاص کر لڑکیوں کو ولی کو اعتماد میں لے کر اور اسے شریک کر کے ہی نکاح کرنا چاہئے ، جو نکاح ولی کی شرکت کے بغیر ہوتا ہے ، وہ عام طور پر کامیاب نہیں ہوتا ، اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : '' لا نكاح إلا بولي '' (۱) ویسے اگر لڑکا اور لڑکی دونوں عاقل و بالغ ہوں اور لڑکا لڑکی کا کفو ہو یعنی ہمسر لوگوں میں ہو تو

---

(۱) بخاری ، حدیث نمبر : ۵۱۲۷ ۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن نکاح کے لئے ایجاب وقبول اور دو عاقل، بالغ، مسلمان گواہان کا ایجاب وقبول کے وقت موجود ہونا ضروری ہے، پھر ایجاب وقبول کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر عاقدین موجود ہوں اور بولنے پر قادر ہوں تو زبان سے ایجاب وقبول کریں، صرف لکھ دینا یا لکھی ہوئی تحریر پر دستخط کر دینا کافی نہیں:

" ولا ینعقد بالکتابة من الحاضرین فلو کتب تزوجتك فکتبت قبلت لم ینعقد "(۱)

اس لئے اس صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوا۔

اردو زبان میں خطبۂ نکاح کا حکم

سوال:- خطبۂ نکاح کیا عربی ہی میں دیا جانا چاہیے یا اردو زبان میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ (محمد شفیع قریشی، مہدی پٹنم)

جواب:- نکاح کا خطبہ محض مستحب ہے، یہ جمعہ کے خطبہ کی طرح نہیں ہے، جمعہ کا خطبہ شرائط جمعہ میں سے ہے اور گویا نماز جمعہ ہی کا ایک حصہ ہے، ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی جاتی ہے اور دو رکعت کی جگہ خطبہ دیا جاتا ہے؛ اس لیے جیسے نماز میں قرأت، اذکار اور دعاؤں کا عربی زبان میں ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح خطبۂ جمعہ میں بھی اکثر علماء نے عربی زبان کو ضروری قرار دیا ہے (۲) خطبۂ نکاح کی نوعیت یہ نہیں ہے؛ اس لیے صرف اردو زبان میں خطبہ دیا جائے، پھر بھی درست ہے، اردو عربی ملا کر دیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں، بہتر ہے کہ پہلے اردو میں خطبہ کا مطلب بیان کر دیا جائے، پھر عربی زبان میں خطبہ پڑھا جائے، اس سے ایک طرف لوگ اپنی زبان میں احکام نکاح سمجھ لیں گے اور خطبہ کا اصل مقصد حاصل ہو جائے گا اور عربی میں خطبہ دینے سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعینہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک الفاظ میں خطبہ کی ادائیگی ہوگی اور اس کا افضل ہونا ظاہر ہے۔

---

(۱) ہندیہ: ۱/ ۲۷۰ (۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/ ۱۴۱

شادی کے لئے خوبصورتی کو معیار بنانا

سوال:- آج کے مقامی انگریزی اخبار میں اطلاع آئی ہے کہ ایک اسکول کی خاتون ٹیچر نے اس لئے خودکشی کرلی کہ اس کا رنگ کالا تھا اور وہ خوبصورت نہیں تھی؛ اس لئے اس کی شادی نہیں ہو رہی تھی، اس مسئلہ میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

(محمد صہیب الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- رنگ وروپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شکل وصورت ہی سب کچھ نہیں ہے، مزاج واخلاق اور طور وطریق کی اہمیت صورت سے بھی زیادہ ہے، بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے ہیں کہ خوش شکل لڑکی دیکھ کر شادی کی گئی، لیکن وہ نبھ نہیں سکی اور اس کے مقابلہ میں کم خوبصورت لڑکی کا انتخاب کیا گیا اور یہ رشتہ فریقین کے لئے بڑا باعث سکون ثابت ہوا؛ اس لئے سماج کے اس رجحان کو بدلنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین کی بنیاد پر رشتہ کا انتخاب کامیابی کا باعث ہے، باقی رہا حسن وجمال تو یہ ڈھل جانے والی چیز ہے؛ اس لئے اس جواب کی وساطت سے نوجوانوں اور ان کے سرپرستوں سے خواہش کی جاتی ہے کہ وہ اس طرز فکر کو بدلنے کی کوشش کریں، ورنہ ایسے واقعات کے سلسلہ میں بالواسطہ پورا سماج گنہگار تصور کیا جائے گا، اس سلسلہ میں ہدایت رسول ﷺ ملاحظہ ہو:

"تنکح المرأة لأربع : لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك"(1)

شادی کی عمر

سوال:- شادی کے لئے کتنی عمر ہونی چاہئے، نیز لڑکے کی عمر اور لڑکی کی عمر میں کتنا فرق ہونا چاہئے؟ (جویریہ فردوس، نظام آباد)

---

(1) بخاری، کتاب النکاح، باب الأکفاء في الدين، حدیث نمبر: ۵۰۹۰

جواب :- شریعت میں لڑکے یا لڑکی کے لئے نکاح کی کوئی عمر متعین نہیں ہے اور نہ یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ان دونوں کے درمیان عمر میں کیا فرق ہونا چاہئے؟ رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کی عمر پندرہ سال زیادہ تھی، آپ ﷺ کا نکاح ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو ان کی عمر آپ ﷺ سے بہت کم تھی، تاہم عام حالات میں کوشش کرنی چاہئے کہ عمر میں بہت زیادہ تفاوت نہ ہو، شاید اس بنیاد پر بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے آپ ﷺ نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رشتہ کو ترجیح دی، آپ ﷺ کے ایک صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ نوعمر تھے، انہوں نے ایک بیوہ خاتون سے نکاح کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کنواری لڑکی سے نکاح کیا ہوتا تو بہتر ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ عمر کی مناسبت کی رعایت مطلوب ہے — دوسرے شریعت میں عفت و پاک دامنی کے نقطۂ نظر سے یہ بات پسند کی گئی ہے کہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، بالغ ہونے کے بعد ان کا نکاح کردیا جائے، نابالغی میں نکاح کردینا بھی مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں عاقدین کی پسند شامل نہیں ہوتی اور اس کی وجہ سے اندیشہ ہوتا ہے کہ آئندہ رشتہ پائدار نہ رہے، اور بالغ ہونے کے بعد تاخیر کرنا بھی اچھا نہیں؛ کیوں کہ اس سے عفت و عصمت کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی لئے قرآن مجید میں بالغ ہونے کو نکاح کی عمر قرار دیا گیا ہے: ﴿حَتّٰی إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾(۱)۔

گھر میں حادثۂ وفات کے بعد چالیس دنوں کے اندر شادی کی تقریب

سوال :- زاہد کی شادی شدہ بہن کا انتقال ہو گیا ہے اور زاہد کی شادی کی ایسی تاریخ مقرر ہے کہ اس وقت تک اس کی بہن کے انتقال کو چالیس دن پورے نہیں ہوں گے، ایسی صورت میں کیا مقررہ

---

(۱) النساء: ۶

تاریخ میں زاہد کی شادی ہو سکتی ہے؟ (محمد عبدالستار، دوجے دارہ)

جواب:- جس عورت پر عدت واجب ہو، اس کے لئے عدت گذارنا ضروری ہے، عدت گذرنے کے بعد ہی نکاح درست ہوگا، اس کے علاوہ دوسرے مردوں یا عورتوں کے لئے کسی حادثہ اور واقعہ کی وجہ سے مخصوص مدت تک شادی سے رکے رہنے کا حکم نہیں ہے، حادثۂ وفات کے چالیس دن کے اندر بھی گھر میں شادی ہو سکتی ہے، بلکہ جب تاریخ مقرر ہے تو اسی تاریخ پر شادی کر دینی چاہئے، حادثہ کے بعد چالیس دنوں کے اندر شادی نہ کی جائے، یہ بعض غیر مسلم اقوام کے یہاں پایا جانے والا رواج ہے اور توہم پرستی ہے، اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

منگیتر کے ساتھ تنہائی

سوال:- میرا ایک لڑکی سے رشتہ طے ہو چکا ہے، لیکن ابھی نکاح نہیں ہوا ہے، میرا اس کے گھر آنا جانا ہے، ایسی صورت میں کیا میں اس لڑکی کے ساتھ تنہائی میں بات چیت کر سکتا ہوں، اور ہاتھ ملا سکتا ہوں؟ (نام غیر مذکور، گلبرگہ)

جواب:- صرف رشتہ طے پا جانے کی وجہ سے عقد نکاح وجود میں نہیں آتا اور لڑکے اور لڑکی کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ قائم نہیں ہو جاتا، جب تک نکاح نہ ہو جائے، آپ ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں اور غیر محرم اجنبی عورت کے ساتھ جن امور کی ممانعت ہے وہ آپ دونوں کے لئے بھی ہے، اس لئے آپ کا ابھی اپنے ہونے والے سسرال میں زیادہ آمد و رفت کرنا مناسب نہیں اور اپنی منگیتر کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا یا ہاتھ ملانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے:

"لا یخلون أحدکم بامرأة فإن الشیطان ثالثهما" (۱)

بہتر ہے کہ آپ جلد نکاح کر لیں، کہ نکاح انسان کو عفیف و پاک دامن رکھتا ہے۔

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۱۴

مخطوبہ کو دیکھنا اور اس کے اصول

سوال:- نکاح کی غرض سے کیا لڑکا خود اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھ سکتا ہے؟ اس کے لئے کس حد تک لڑکی کو دیکھنا جائز ہے؟

(محمد زاہد الحق، ممبئی)

جواب:- شریعت اسلامی کا منشا یہ ہے کہ نکاح کا رشتہ پائیدار ہو اور اس میں دوام پیدا کیا جائے؛ اسی لئے نکاح سے پہلے لڑکے کے لئے لڑکی کو اور لڑکی کے لئے لڑکے کو دیکھنے کی اجازت ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی آمادہ ہوں تو خواتین لڑکی کو اور مرد حضرات لڑکے کو دیکھ لیں، لیکن اگر وہ خود بھی ایک دوسرے کو دیکھنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس میں چند باتوں کی رعایت ضروری ہے: اول یہ کہ واقعی نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، محض نگاہ کی ہوسناکی مقصود نہ ہو، دوسرے: دونوں کے درمیان تنہائی نہ ہو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ محرم کے بغیر تنہائی اختیار نہ کرے: "لا یخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم"(۱) تیسرے: اس کے سامنے بہت زیب و زینت اختیار نہ کرے، کیوں کہ ابھی وہ اس کے حق میں اجنبی ہے اور اجنبی شخص کے سامنے زیب و زینت اختیار کرنا درست نہیں، چوتھے: صرف چہرہ، گٹوں تک ہاتھ دیکھنے کی اجازت ہے؛ کیوں کہ غیر محرم کے سامنے ضرورتاً اتنا ہی حصہ کھولنا جائز ہے۔

رشتہ کے لئے لڑکے کے مرد رشتہ داروں کا لڑکی کو دیکھنا

سوال:- آج کل حیدرآباد میں یہ رواج بنتا جا رہا ہے کہ جب عورتیں لڑکی کو دیکھنے جاتی ہیں تو لڑکے کا باپ، بڑے بھائی، چچا، چچازاد بھائی، ماموں اور خود لڑکا بھی لڑکی کو دیکھتے ہیں، پھر اس کے بعد لڑکی کو پسند یا ناپسند کیا جاتا ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس کا حکم

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۵۲۳۳

کیا ہے؟ یعنی لڑکے کا باپ، بھائی وغیرہ اور خود لڑکا لڑکی کو پسند کرنے سے پہلے دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (ابوجنید، سعید آباد)

جواب:- اگر نکاح کا ارادہ ہو تو لڑکے کو لڑکی کے دیکھنے کی اجازت ہے؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلقین کی ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے رشتۂ نکاح میں استحکام پیدا ہوتا ہے "فإنه أحرى أن يؤدم بينكما" (۱) چنانچہ فقہاء نے مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت دی ہے:

"ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها، وإن خاف أن يشتهي بها" (۲)

اور اگر خود اس کے لئے دیکھنا دشوار ہو تو پھر کسی عورت کو بھیجے کہ وہ دیکھ لے اور اس کے بارے میں بتائے۔

"وإذا لم يمكنه النظر إليها استحب أن يبعث امرأة تصفها له" (۳)

لڑکے کے بھائی، بہنوئی، ماموں اور چچازاد بھائی وغیرہ کا لڑکی کو دیکھنا درست نہیں، زیادہ سے زیادہ باپ کے لئے گنجائش ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ اس کے دیکھنے میں عام طور پر فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

"ولا يجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا وجهها وكفيها ..." (۴)

دوسرے غیر محرموں کا دیکھنا قطعاً درست نہیں۔

گونگی، بہری لڑکی کا نکاح

سوال:- ایک عورت بالغ ہے، مگر گونگی اور بہری ہے،

---

(۱) سنن ترمذی - عن مغیرہ بن شعبہ ، حدیث نمبر: ۱۰۸۷

(۲) رد المحتار: ۵/۲۳۶ (۳) مرقاۃ المفاتیح: ۶/۱۹۵

(۴) ہدایہ: ۴/۴۶۰

اس کا نکاح کس طرح کیا جائے گا؟ (حبیبہ بیگم، ٹولی چوکی)

جواب:- جو مرد و عورت بولنے پر قادر ہوں، ان کے لئے زبان سے ایجاب و قبول ضروری ہے، محض تحریر و اشارہ سے ایجاب و قبول کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، اور جو گویائی سے محروم ہو اس کے لئے تحریر اور اشارہ بولنے کے قائم مقام ہے، لہٰذا اگر وہ لڑکی لکھنا جانتی ہو تو لکھ کر اپنی رضا مندی ظاہر کر دے اور اگر لکھنے سے بھی قاصر ہو تو واضح اشارہ کے ذریعہ اپنی رضا مندی کا اظہار کر دے، نکاح منعقد ہو جائے گا۔

کیا مسجد میں نکاح نہیں کرنا چاہئے؟

سوال:- ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ مسجد میں نکاح نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ یہ ایک دنیوی کام ہے، اس سے مسجد کا ماحول پراگندہ ہوتا ہے۔

جواب:- نکاح اسلام کی نگاہ میں ایک عبادت اور رسول اللہ ﷺ نیز انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہے، اس لئے اسے خالص دنیوی کام نہیں سمجھنا چاہئے، چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد میں نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور فقہاء نے اسے مستحب لکھا ہے: "عقد النكاح في المسجد لا يكره بل يستحب" (۱) البتہ اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ مسجد میں کوئی ایسا کام نہ ہو جو ادب کے خلاف ہو۔

سن رسیدہ شخص کا نکاح

سوال:- کوئی مرد یا عورت اپنی بیوی یا شوہر کے انتقال کے بعد — اگر کوئی ذمہ داری نہ ہو اور عمر پچاس یا ساٹھ سال کی ہو — کیا اپنا شریک زندگی تلاش کر سکتا ہے، یا اس میں کچھ مضائقہ ہے؟ (محمد سعید، سنگ ڈھی)

---

(۱) فتاوی سراجیہ : ۱۰

جواب :- نکاح کا مقصد صرف اپنی صنفی ضرورت کی تکمیل ہی نہیں ہے ، بلکہ زندگی کے سرد و گرم اور نشیب و فراز میں ایک دوسرے کی رفاقت اور ایک دوسرے کی دستگیری بھی ہے ، اور اس پہلو سے جیسے انسان جوانی میں بیوی اور شوہر کا محتاج ہوتا ہے ، اسی طرح بلکہ بعض اوقات اس سے بڑھ کر وہ اخیر عمر میں زندگی کے ساتھی کا ضرورت مند ہوتا ہے ؛ اسی لئے نکاح کی کوئی عمر متعین نہیں ہے اور تجرد کی زندگی کو بہر حال ناپسند کیا گیا ہے ؛ لہٰذا جو صورت دریافت کی گئی ہے ، اس میں نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ، بلکہ نکاح کر لینا بہتر ہے ، بہ شرطیکہ بیوی کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت ہو ، البتہ رشتہ کے انتخاب میں عمر کے تناسب کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور بال بچوں کو بھی چاہئے کہ وہ اس میں حارج نہ ہوں ؛ بلکہ اس میں تعاون کریں ، کہ یہ بھی والدین کی خدمت کی ہی ایک صورت ہے۔

ضرورت پوری کرنے کے لئے دوسرا نکاح

سوال :- میں نے اس بناء پر دوسرا نکاح کیا ہے کہ میری پہلی بیوی میری ضرورت پوری نہیں کر سکتی ، اس کے بعد سے میری پہلی بیوی مسلسل لڑائی جھگڑا کر رہی ہے اور مجھ سے طلاق چاہتی ہے ، ایسی صورت میں شریعت مجھے کیا حکم دیتی ہے ؟

(عظیم الدین ، نولی پوکی)

جواب :- جو صورت آپ نے لکھی ہے ، اگر درست ہے تو آپ نے جو دوسرا نکاح کر لیا ہے ، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ تمام حقوق بشمول شب گذاری میں دونوں بیویوں کے ساتھ برابری کا سلوک کریں ، بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنا سخت گناہ اور حرام ہے ، اور اگر آپ ان دونوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے ہوں اور اس بنا پر ان میں سے کوئی علاحدگی کی خواہاں ہوں تو شرعاً آپ پر واجب ہے کہ ان کو چھوڑ دیں ؛ کیوں کہ ازدواجی رشتہ میں دو ہی راستے ہیں یا تو معروف طریقہ پر یعنی شرعی حقوق ادا کرتے ہوئے

اور عدل و انصاف کو باقی رکھتے ہوئے نکاح کو باقی رکھا جائے یا خوشگوار طریقہ پر رشتۂ نکاح کو ختم کر دیا جائے:

﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (۱)

طلاق اور عدت کے بعد ہی دوسرا نکاح

سوال:- سلمیٰ کی شادی زید سے ہوئی، زید کے پاس ایک یا تین رات رہی، اس کے بعد اپنی ماں کے گھر آگئی اور کہا کہ زید نامرد ہے، سلمیٰ کے رشتہ دار طلب کر زید کو مدد نے کے لئے بچی وغیرہ کے ساتھ پہنچے، محلہ کے بزرگوں نے کہا کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے، اس کے بجائے سلمیٰ کی شادی زید کے بھائی عارف سے کر دیں، یہ بہتر صورت ہوگی، چنانچہ عارف کے ساتھ سلمیٰ کی شادی کر دی گئی اور وہ دونوں خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں؛ کیا یہ صورت درست ہوئی؟ (حافظ محمد غوث الدین، دوبے واڑہ)

جواب:- نامرد شخص کا بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لہٰذا جب زید اور سلمیٰ کے درمیان ایجاب و قبول ہو گیا تو نکاح منعقد ہو گیا، پس اگر زید نے طلاق دے دی اور سلمیٰ کی عدت گزر گئی تو عارف کے لئے سلمیٰ سے نکاح کرنا جائز ہوا، یا عدت خلوت صحیحہ کے بعد واجب ہوتی ہے، کوشوہر نامرد ہو اور بھائی کی مطلقہ بیوی سے نکاح ہو سکتا ہے، اور اگر زید سے طلاق دلوائے بغیر یا طلاق دلانے کے بعد عدت گزارے بغیر سلمیٰ کا عارف سے نکاح کر دیا گیا تو یہ نکاح درست نہیں ہوا، ان کو فوری طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو جانا چاہئے، اگر طلاق نہیں دی ہو تو اب دلوادی جائے اور عدت گزروادی جائے اور اگر اس وقت طلاق لے لی تھی اور عدت کا انتظار کئے بغیر نکاح کر دیا گیا تھا اور اس واقعہ کے بعد سلمیٰ کو تین بار ماہواری آچکی تو

---

(۱) البقرۃ: ۲۲۹

عدت گزر چکی ہو، دوبارہ نکاح کردیا جائے ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے کے لئے حلال ہو جائیں گے۔

عہد نبوی اور مسجد میں نکاح

سوال:- موجودہ دور میں لوگ مسجد میں نکاح کو ترجیح دیتے ہیں، جب لوگ نکاح کی غرض سے مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں، تو کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد میں نکاح کئے جاتے تھے؟

(شیخ معز الدین قادری، تالاب کٹہ)

جواب: رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے، (۱) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح بھی قرار دیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک گروہ کو دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ مجمع کس نوعیت کا ہے؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا: محفل نکاح ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ واقعی نکاح ہے، سفاح (زنا) نہیں ہے "ھذا النکاح لیس بالسفاح" (۲) اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں صحابہ ؓ بھی مسجد میں نکاح کی محفل منعقد کرتے تھے، البتہ اس موقع سے دنیوی گفتگو کرنا قطعاً جائز نہیں، شرکاء محفل کو اس سے منع کرنا چاہیے، واللہ الموفق۔

نومسلمہ سے نکاح

سوال:- الف نے ایک غیر مسلم لڑکی سے اس کے اسلام قبول کئے بغیر ناجائز تعلق قائم کرلیا، وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں اور لڑکی اسلام قبول کرنا چاہتی ہے، لیکن الف کے والدین کو یہ رشتہ پسند نہیں، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ (ایم، کے، جے)

---

(۱) ترمذی: ۲۰۸/۱ (۲) مصنف عبد الرزاق: ۶/ ۱۸۰

جواب:- الف کا کسی عورت سے ناجائز تعلق قائم کرنا بہت ہی قبیح اور گناہ کا فعل ہے اور اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں، اسے فوراً توبہ کرنا چاہیے، رہ گیا نکاح تو لڑکی کے اسلام قبول کرنے کے بعد شرعی نقطۂ نظر سے نکاح ہو سکتا ہے، الف کو چاہیے کہ اپنے والدین کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کرے اور خوب اچھی طرح تمام پہلوؤں پر غور کر لے؛ کیونکہ ماں باپ کی رائے تجربہ پر مبنی ہوتی ہے اور اکثر اس طرح کی جذباتی شادی دیرپا ثابت نہیں ہو پاتی، والدین کو بھی چاہیے کہ شدت کا مظاہرہ نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس شدت کی وجہ سے گناہ میں وسعت ہوتی جائے، اگر کسی نومسلمہ لڑکی کو بحیثیت بہو قبول کر لیا جائے تو اس میں ان شاء اللہ زیادہ اجر و ثواب ہے؛ کیونکہ یہ ایمان پر استقامت میں تعاون کرنا ہے۔

محرم وغیر محرم رشتے

ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح

سوال:- میرے شوہر نے میری بڑی بہن کے نکاح میں رہتے ہوئے مجھ سے نکاح کرلیا اور ہم دونوں بہنوں سے ان کے ازدواجی تعلقات رہے اور دونوں سے بچے بھی ہوئے، اب میری بڑی بہن یعنی ان کی بیوی کا انتقال ہوچکا ہے، کچھ دیندار حضرات نے ہم لوگوں کو سمجھایا ہے کہ ایک ساتھ دو بہنیں نکاح میں نہیں رہ سکتیں، اس لئے تمہارا نکاح جائز نہیں تھا تو اب جبکہ میری بڑی بہن کا انتقال ہوچکا ہے اور میں تب ان کے ساتھ ہوں تو کیا اب میرا نکاح ان سے درست ہوگیا یا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟ اور اگر دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا تو میرے ذریعہ پیدا ہونے والے بچے حلال سمجھے جائیں گے یا نہیں؟ (ایک بہن، حیدرآباد)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ ایک بہن کے نکاح میں رہتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح حرام ہے، اگر ایجاب وقبول کر بھی لے، تب بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صراحتاً اس سے منع فرمایا ہے: " وأن تجمعوا بين الأختين " (۱)

---

(۱) النساء: ۲۳

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس سے بتاکید منع فرمایا ہے(۱)؛ اس لئے بڑی بہن کے نکاح میں رہتے ہوئے آپ کے ساتھ جو ایجاب وقبول کیا گیا، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نکاح ہوا ہی نہیں: " ولا یجمع أختین نکاحا ولا بملك یمین وطئا " (۲) —— بڑی بہن کے انتقال کی وجہ سے آپ کا نکاح خود بخود درست نہیں ہوا، بلکہ ابھی آپ اس مرد کے لئے حرام ہیں اور اگر آپ دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ نیا نکاح کریں، نکاح کے لئے باضابطہ تقریب رکھنا ضروری نہیں، اگر دو گواہ کے سامنے عقد نکاح کے مسائل سے واقف کوئی شخص آپ دونوں میں ایجاب وقبول کرادے تو کافی ہے۔

جہاں تک بچوں کے نسب کی بات ہے تو بڑی بہن کے بچے صحیح النسب ہیں اور وہ اپنے باپ کی اولاد سمجھے جائیں گے، آپ کے بطن سے جو بچے اب تک پیدا ہوئے ہیں، وہ صحیح النسب نہیں ہیں اور ان کو اس مرد کے ترکہ سے میراث نہیں ملے گی، البتہ اگر وہ چاہے تو اپنی موت کے بعد کے لئے ایک تہائی ترکہ کے اندر آپ کے بچوں کے لئے وصیت کرسکتا ہے اور زندگی میں دینا چاہیں تو ہبہ کرسکتا ہے، ایسی صورت میں بچے بالکل محروم نہیں رہیں گے۔

پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا

سوال:- کیا ایک شخص اپنی بیوی کی حقیقی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح کرسکتا ہے؟ (م ج۔ جی ایم کالونی)

جواب:- جو عورت نکاح میں ہو، اس کی حقیقی بھتیجی یا حقیقی بھانجی سے نکاح کرنا حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" پھوپھی پر بھتیجی، خالہ پر بھانجی، اسی طرح بھتیجی کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی پھوپھی اور خالہ کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب وأن تجمعوا بین الأختین … حدیث نمبر: ۵۱۰۸

(۲) الهدایه: ۲/۳۰۱ کتاب النکاح

بھانجی سے نکاح نہیں کیا جائے''(۱)

یہ اور اس طرح کی احادیث کی روشنی میں فقہاء نے یہ اصول متعین کیا ہے کہ دو ایسی عورتوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح حرام ہو جائے۔

مجمع الانہر میں ہے:

"ویحرم الجمع بین امرأتین لو فرض إحداهما ذکرا تحرم علیه الأخری فلا یجوز الجمع بین المرأة و عمتها أو خالتها ..." (۲)

سگی بھانجی کی بیٹی سے نکاح

سوال:- کیا کوئی شخص اپنی سگی بھانجی کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے؟

(عامر احمد، بیدر)

جواب:- جیسے بھانجی سے نکاح حرام ہے، اسی طرح بھانجی کی بیٹی، پوتی، نواسی اور نیچے کے سلسلے میں بھی رشتہ حرام ہے:

"وابنة أختیه لأب و أم أو لأحدهما لقوله تعالی ، وبنات الأخ ، وإن سفلن بالإجماع لعموم المجاز أو دلالة النص أو الإجماع" (۳)

جن حضرات نے آپ سے کہا ہے کہ بھانجی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے، انہوں نے

---

(۱) مسلم، باب تحریم الجمع بین المرأة و عمتها او خالتها فی النکاح، حدیث نمبر:۱۴۰۸

(۲) مجمع الأنهر : باب المحرمات ۱/۳۲۵-۳۲۶

(۳) مجمع الأنهر ۱/۳۲۳

بالکل غلط کہا ہے، شرعی احکام اور حلال و حرام سے متعلق مسائل علماء سے تحقیق کیے بغیر اندازہ پر بیان نہیں کرنا چاہئے، اس سے آدمی خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، نیز عام مسلمانوں کو بھی ہر ایک سے مسئلہ پوچھ کر عمل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ علماء اور ارباب افتاء سے دریافت کرنا چاہیے۔

خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا

سوال:- عرض کرنا ہے کہ ہمارے محلہ میں چھ دن قبل مسجد میں ایک نکاح ہوا، بیس سال سے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بیوی خود اپنی خوشی سے اپنی حقیقی بڑی بہن کی لڑکی سے شوہر کا نکاح کرائی، پوچھنا یہ ہے کہ کیا حقیقی بھانجی اور خالہ ایک کے نکاح میں رہ سکتی ہیں یا نہیں؟ یہاں بعض لوگوں کو اس نکاح پر اعتراض ہے، قاضی صاحب نے بھی کچھ نہیں کہا، نکاح پڑھا دیا، براہ کرم بتائیں کہ خالہ بھانجی سوکن بن سکتی ہیں یا نہیں؟ میرے خیال سے یہ رشتہ حرام ہے، اب آپ کے جواب پر منحصر ہے۔ (عبدالرحمان، نام نہ معلوم)

جواب:- خالہ اور بھانجی کا بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں ہونا حرام ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے اور خالہ کے نکاح میں موجودگی کے باوجود بھانجی سے نکاح نہیں کیا جا سکتا:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها" (۱)

اسی مضمون کی ایک روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، (۲) — کسی مسلمان کا حرام و حلال کے ایسے بنیادی مسئلہ سے ناواقف ہونا نہایت افسوس ناک ہے۔

---

(۱) نسائی ، باب تحريم الجمع بين المرأة على عمتها و خالتها ، حدیث نمبر: ۳۲۹۷

(۲) دیکھئے نسائی حدیث نمبر ۳۳۰۰

چہ جائے کہ نکاح پڑھانے والے قاضی کا اس سے نابلد ہونا، مناسب ہوگا کہ آپ عاقدین کو مطلع کردیں کہ باتفاق امت یہ نکاح ہوا ہی نہیں اور مذکورہ قاضی صاحب کے بارے میں وقف بورڈ کو بھی اطلاع دے دیں؛ کیوں کہ مستقبل میں بھی وہ اس طرح کی غلطی کرسکتے ہیں۔

بھانجی سے نکاح

سوال:- ایک شخص نے اپنی حقیقی بھانجی سے نکاح کرلیا ہے، یہ دونوں مزدوری کے لئے کسی دور مقام پر زندگی بسر کررہے تھے، لاعلمی میں وہیں نکاح کرلیا، تین لڑکے اور دو لڑکیاں بھی ہوچکی ہیں، گاؤں واپس آنے کے بعد لوگوں نے ان کو برادری سے خارج کردیا ہے، مسجد کے لئے چندہ بھی نہیں لیا جاتا ہے، نہ ان کے بچوں کو عربی سیکھنے کے لئے آنے دیا جاتا ہے، نہ ان کو نہ ان کے بچوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کو کیا کرنا چاہئے اور کیا مقامی حضرات کا یہ ردعمل درست ہے؟

(قاضی محمد منظور احمد قادری، محبوب نگر)

جواب:- بھانجی سے نکاح حرام ہے اور خود قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے؛ اس لئے گاؤں کے لوگوں کو چاہئے کہ انہیں بہتر طریقہ پر شریعت کا حکم سمجھائیں اور آپس دوسرے سے الگ ہوجانے کی تلقین کریں، اصلاح کے لئے مناسب تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے، اگر اس کے باوجود دونوں مرد و عورت اسے قبول نہ کریں تو وقتی طور پر تنبیہ کے لئے ان دونوں سے بے تعلقی برتنا درست ہے؛ لیکن ان کے بچوں کو مسجد میں آنے یا تعلیم میں شریک ہونے سے روکنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں، اسی طرح خود اس شخص کو بھی مسجد میں آنے سے روکا نہیں جاسکتا؛ کیونکہ مسجد تو ہر مسلمان کے لئے ہے، خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو، اگر مقامی لوگوں سے مسئلہ حل نہ ہو تو قریبی شہر کے کسی مستند عالم کے پاس لے

سمجھائیں کہ وہ انہیں سمجھائیں اور انہیں اس ارادہ سے باز رہنے پر آمادہ کریں، ان شاء اللہ ان کے دل میں بات اتر جائے گی۔ وباللہ التوفیق

سوتیلی اولاد کا حکم

سوال:- (الف) کیا سوتیلا باپ، بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکیوں کے لئے محرم ہے یا نامحرم؟

(ب) سوتیلی ماں کے لئے اس کے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹے محرم ہیں یا نامحرم؟ (محمد احمد، حیدرآباد)

جواب:- (الف) بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکیاں اگر اسی بیوی کے بطن سے ہیں تو سوتیلا باپ اس کے لئے محرم ہے، خود قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے:

﴿وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن﴾ (۱)

اگر بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکیاں کسی اور عورت کے بطن سے ہوں تو پھر وہ اس شخص کے لئے غیر محرم ہیں اور جو احکام دوسرے غیر محرم کے لئے ہیں، وہی ان کے لئے بھی ہیں۔

(ب) شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹے اگر اسی شوہر سے ہوں تو سوتیلی ماں یعنی شوہر کی موجودہ بیوی کے لئے وہ محرم ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت فرمائی ہے:

﴿ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء﴾ (۲)

البتہ شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹے اگر کسی اور مرد سے ہوں، اس کے شوہر سے نہ ہوں تو پھر یہ غیر محرم ہیں، اور ان کے سارے احکام وہی ہیں جو غیر محرموں کے ہیں۔

---

(۱) النساء: ۲۳

(۲) النساء: ۲۲

بیوی کی سوتیلی لڑکی سے نکاح

سوال:- زید نے زینب سے نکاح کیا، زینب کی سوتیلی لڑکی ہندہ ہے، یہ زینب کے پہلے شوہر کی لڑکی ہے، لیکن خود زینب کے بطن سے نہیں ہے، اب زید زینب کی موجودگی میں ہندہ سے بھی نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا وہ ہندہ سے نکاح کر سکتا ہے، یا یہ نکاح میں ماں اور بیٹی کو جمع کرنا ہوگا؟ (قادر علی، بنارس، یوپی)

جواب:- شریعت میں نہ صرف ماں اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، بلکہ ماں سے نکاح کرتے ہی اس کی بیٹی اس پر حرام ہو جاتی ہے، وہ ماں کی عدت کے بعد بھی اس کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا، لیکن ماں سے مراد حقیقی یا رضاعی ماں ہے، باپ کی سابقہ بیوی کو باپ کے احترام کے طور پر ماں کہہ دیا جاتا ہے، اس لئے زینب ہندہ کی ماں نہیں ہے اور زید کے لئے زینب کی موجودگی میں ہندہ سے نکاح کرنا جائز ہے "فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها" (۱)۔

رشتہ کی پھوپھی سے نکاح

سوال:- میں اپنے لڑکے کی شادی اپنے سگے چچا کی لڑکی یعنی میری چچازاد بہن سے کرنا چاہتا ہوں، کیا یہ رشتہ جائز ہے؟
(خاندر حسین، کالے پتھر)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کو منع فرمایا ہے، ان حرام رشتوں میں یہ صورت داخل نہیں ہے، سگی پھوپھی سے نکاح حرام ہے، رشتہ کی پھوپھی سے نکاح حرام نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے چچازاد بھائی سیدنا حضرت علی ﷜ سے فرمایا تھا، اس لیے جو رشتہ آپ نے لکھا ہے، وہ جائز ہے۔

(۱) الدر المختار مع الرد ۴: ۱۰۱

ماموں زاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال:- کیا سگے ماموں کی نواسی سے نکاح جائز ہے؟

(حیدر خان، دریا بلز)

جواب:- سگے ماموں کی نواسی رشتہ کے اعتبار سے ماموں زاد بہن کی لڑکی ہوئی اور حرمت صرف سگی بہن اور اس کی لڑکی سے ہے، نہ کہ رشتہ کی بہن یا اس کی لڑکی سے؛ اس لئے ماموں کی نواسی سے نکاح کرنا درست ہے۔

چچازاد، پھوپھی زاد وغیرہ سے نکاح

سوال:- محمد باقر حسین شاہ، کوچیر اخر جشیل غریب نواز مشن نے "قرآن مجید کا حکم اور ہمارا عمل" کے نام سے ذیل میں مذکور استفتاء پمفلٹ کی شکل میں شائع کرکے تقسیم کروایا ہے اور یہ خواہش کی ہے کہ علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں جواب دیں اور لوگوں کے سامنے صحیح بات واضح کریں، براہ کرم اس کے بارے میں وضاحت کیجئے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ قرآن حکیم میں واضح حکم خداوندی ہے:

"یا ایہا النبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی آتیت اجورہن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک وبنات عمک وبنات عماتک وبنات خالک وبنات خالاتک اللاتی هاجرن معک —— وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی ان اراد النبی ان یستنکحها خالصة لک من دون المؤمنین"۔ (الاحزاب ۵۰)

اس آیت سے باوجود گذشتہ کئی صدیوں سے مسلمان آپسی
خاندانی رشتے منسلک کرتے آئے ہیں حتی کہ ماموں کی کسی بیٹی پر
اپنا حق سمجھا جاتا ہے اور قرآن حکیم میں مذکورہ رشتوں کو مسلمان
حلال سمجھتے ہیں (نکاح کے ذریعے) جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم
کو خاص طور سے ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ خاص آپ کے لئے ہے اوروں
کے لئے نہیں" بعض احکام شرعیہ میں آپ ﷺ کو امتیاز حاصل تھا،
جنھیں آپ کی خصوصیات کہا جاتا ہے، مثلاً اہل علم کی ایک جماعت
کے قول کے مطابق تہجد آپ پر فرض تھی، صدقہ لینا آپ پر حرام تھا، اسی طرح
کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن مجید کی محولہ بالا آیت میں کیا گیا
ہے، جن کا تعلق نکاح سے ہے، کیا موجودہ دور کی تمام فتنہ انگیزی:
مسلمانوں کی بے سروسامانی، ایمانی کمزوری اور زوال وذلت کا تعلق
اس آیت سے نہیں ہے؟ کیا فرمان خداوندی کو نظر انداز کرنے
اور پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں (بعض افراد نے چچا کی
بیٹیوں سے بھی نکاح کیا ہے) سے نکاح کرنے کی پاداش میں ہم پر
یہ عذاب تو مسلط نہیں ہوگیا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح
فرمائیں۔ (حمید اللہ قادری، توفیق پورہ)

جواب:- یہ اشتباہ سراسر گمراہی اور کج فہمی پر مبنی ہے اور اجماع امت کے خلاف
ہے، حقیقت یہ ہے کہ چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنوں سے نکاح حلال ہے،
اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں محرم رشتوں کی تفصیل ذکر فرمائی ہے، اس میں ان رشتوں کا ذکر
نہیں ہے، نیز حرام رشتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا گیا ہے کہ ان کے سوا تمام عورتیں نکاح
اور مہر کے ذریعہ حلال کی گئی ہیں:

وأحل لكم ما وراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم

محصنین غیر مسافحین" (۱)

آیت کے اس عموم میں ظاہر ہے کہ چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں بھی شامل ہیں اور قرآن مجید میں سورۂ نساء کے یہ احکام پوری اُمت کے لئے بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ صحابہ کے دور میں بھی ایسے رشتوں میں نکاح کا معمول تھا، پوری اُمت میں اس کا تعامل رہا ہے اور فقہاء کا بھی ان رشتوں کے حلال ہونے پر اتفاق ہے، اس لئے ایسی باتیں کہنا فتنہ انگیزی اور غیر مسلم سوچ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

یہ کہنا کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا، قطعاً غلط اور ناواقفیت پر مبنی ہے، سورۂ احزاب کی آیت نمبر: ۵۰ کا ترجمہ اس طرح ہے:

"اے نبی! ہم نے آپ کے لئے حلال کردیں آپ کی وہ بیویاں جن کے مہر آپ نے ادا کئے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ باندیوں میں سے آپ کی ملکیت میں آئیں اور آپ کی وہ چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے —— اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کیا ہو، اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے، یہ رعایت خاصۃً آپ کے لئے ہے، دوسرے مومنوں کے لئے نہیں ہے" (۲)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی عورت بلا مہر رسول اللہ ﷺ سے نکاح کی پیشکش کرتی، تو آپ کے لئے اس کا قبول کرلینا جائز تھا، اُمت کے لئے بغیر مہر کے نکاح جائز نہیں، یہی بات تمام مستند مفسرین اور اہل علم نے لکھی ہے:

"خالصة لك ، اى هبة النساء انفسهن خالصة ومزية لا تجوز ، فلا يجوز ان تهب المرأة نفسها لرجل" (۳)

---

(۱) النساء ۲۴ (۲) الاحزاب: ۵۰

(۳) قرطبی ۱۳۶/۷، نیز دیکھئے: أحكام القرآن للجصاص ۴۸/۳

خصوصیت کا تعلق چچازاد اور پھوپھی زاد بہنوں وغیرہ سے نہیں ہے۔ کیوں کہ ان رشتوں سے پہلے مطلق بیویوں اور باندیوں کا بھی ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے حلال ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کا تعلق صرف آخری ٹکڑے یعنی بغیر مہر کے نکاح کی پیشکش سے ہے۔

پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح

سوال :- میری والدہ مجھے میرے پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی سے شادی کے لئے مجبور کررہی ہیں، کیا میں یہ نکاح کرسکتا ہوں؟ (محمد امجد علی، نواب صاحب کنٹہ)

جواب :- پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے، صرف سگے اور رضاعی بھائی کی لڑکی سے نکاح حرام ہے، البتہ کسی لڑکے یا لڑکی کو رشتہ کے معاملہ میں ترغیب تو دی جاسکتی ہے، لیکن اسے مجبور کرنا درست نہیں، شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے اور بعض اوقات اس سے بڑے مفاسد پیدا ہوجاتے ہیں۔

مامی سے نکاح

سوال :- مامی سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ مامی خود طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے، کیا ان کے طلاق حاصل کرنے کے بعد میں ان سے شادی کرسکتا ہوں؟ (نام غیر مذکور، فسرگل)

جواب :- ایک عورت دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور اس سے شادی کی منصوبہ بندی کی جائے، یہ بہت ہی خباثت اور نہایت نازیبا بات ہے، آپ ایسے خیال سے توبہ کریں اور اپنی مامی کو بھی سمجھائیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ وفادارانہ زندگی گذاریں، البتہ اگر اتفاقاً کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا اور اس مرد کے بھانجے اور اس مطلقہ کے درمیان حرمت کا کوئی رشتہ موجود نہیں ہو تو ان کا ایک دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے۔

سالی سے نکاح

سوال:- رشید اپنی سالی سے نکاح کرنا چاہتا تھا، کیوں کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اب وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اپنی سالی سے نکاح کرلے، تاکہ وہ اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاسکے، کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ (ایک دینی بھائی، حیدرآباد)

جواب:- والا تو ایک بہن کے نکاح میں رہتے ہوئے دوسری بہن پر بدنظر رکھنا نہایت ہی بداخلاقی کی بات ہے اور محض اس سے نکاح کا جواز پیدا کرنے کے لئے بلاقصور اس کی بہن کو طلاق دے دینا اس کے ساتھ ظلم ہے، اس لئے رشید کو ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے اور سماج کو بھی ایسے بدطینت لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے — تاہم چوں کہ سالی سے نکاح کی ممانعت اسی وقت تک ہے، جب تک کہ اس کی بہن نکاح میں ہو، اور اب رشید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، اس لئے اب وہ لڑکی (سالی) رشید پر نکاح کے لئے حرام نہیں رہی، لیکن ضروری ہے کہ رشید کی بیوی کی عدت گذر چکی ہو، عدت گذرنے سے پہلے رشید کا اس مطلقہ کی بہن سے نکاح درست نہیں ہوگا:

"وإذا طلق امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا لم يجز له أن يتزوج بأختها حتى تنقضي عدتها" (۱)

چنانچہ مشہور فقیہ علامہ ابن ہمامؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کے حرام ہونے پر صحابہؓ جس قدر متفق تھے، شاید ہی کسی اور بات پر اس درجہ متفق رہے ہوں۔ (۲)

---

(۱) الهداية مع الفتح ۳/۲۳۵

(۲) دیکھئے: فتح القدیر ۳/۲۳۵

اگر لڑکے اور لڑکی کے والدین الگ الگ ہوں؟

سوال:- ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے اور اسے مرحوم شوہر سے ایک بچی ہے، ایک اور مرد ہے جس کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کو ایک لڑکا ہے، اگر یہ مرد اور عورت آپس میں شادی کرلیں تو کیا ان کے بچوں کا بھی ایک دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے؟ (سید مصطفیٰ علی، گلبرگہ)

جواب:- اس لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے؛ اس لئے کہ حرمت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دونوں کے باپ یا دونوں کی ماں ایک ہوں، اور جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں دونوں کے باپ بھی الگ الگ ہیں، ایک کے والد زندہ ہیں اور ایک کا انتقال ہو چکا ہے، اور دونوں کی والدہ بھی الگ الگ ہیں، ایک کی ماں کی وفات ہو چکی ہے اور ایک کی ماں زندہ ہے، اس لئے اگر ان بیوہ خاتون سے مذکورہ مرد کا نکاح ہو جائے تب بھی ان دونوں بچوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے۔

والد کے ماموں زاد بھائی سے نکاح

سوال:- کیا میں اپنی دختر کا نکاح اپنے حقیقی ماموں کے فرزند کے ساتھ کر سکتا ہوں؟ (محمد نظام الدین، مشیر آباد)

جواب:- آپ کے حقیقی ماموں کے فرزند سے بھی آپ کی لڑکی کا نکاح درست ہے؛ کیوں کہ لڑکی کے چچا یعنی باپ کے حقیقی بھائی سے نکاح حرام ہے، نہ کہ ماموں زاد یا رشتہ کے بھائی سے، اور خود لڑکی کے حقیقی ماموں کے فرزند سے بھی اس کا نکاح جائز ہے؛ کیوں کہ رشتہ کا بھائی محرم نہیں ہوتا۔

خالہ زاد بہن وغیرہ سے نکاح اور ایک آیت سے غلط فہمی

خلاصۂ سوال:- مسلمانوں میں رشتۂ ازدواج، خالہ کی

لڑکی یا لڑکے سے، ماموں کی لڑکی یا لڑکے سے، پھوپھی اور چچا کے لڑکے اور لڑکی سے ہوتا ہے، لیکن سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۰ میں ایسی اجازت اللہ تبارک و تعالی نے صرف نبی کو دی ہے، عام مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، کیا ایسا رشتہ مسلمانوں میں کرنا درست ہے؟ (راحیلہ سلطانہ، ریٹائرڈ اسسٹنٹ سکریٹری)

جواب: — چچازاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد بھائی بہنوں میں نکاح جائز ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ نے سورۂ احزاب کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

> ''اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی ان بیویوں کو حلال قرار دیا ہے، جن کو آپ ان کا مہر ادا کریں اور ان باندیوں کو بھی، جو اللہ تعالی مال غنیمت میں سے عطا کرے، نیز چچازاد بہنوں، پھوپھی زاد بہنوں، ماموں زاد بہنوں اور خالہ زاد بہنوں کو بھی، جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو — اور اگر کوئی مومن عورت اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کردے اور نبی اس کو اپنے نکاح میں رکھنا چاہیں، تو یہ صرف آپ کے لئے جائز ہے، دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں'' (۱)

اس پوری آیت کے ترجمہ کو پڑھئے، ہبہ کرنے سے مراد ہے ''بغیر مہر کے نکاح کرنا'' تو مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی عورت آپ ﷺ سے بغیر مہر کے نکاح کی پیشکش کرے اور آپ اسے قبول کرلیں، تب بھی نکاح منعقد ہوجائے گا، یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی، اُمت کے لئے اس کی اجازت نہیں، ان کا نکاح مہر سے خالی نہیں ہوسکتا، غرض کہ آپ ﷺ کی خصوصیت اس آخری حکم میں ہے اور مفسرین نے اس کے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

---

(۱) الاحزاب: ۵۰

قوله تعالى : خالصة لك يرجع إلى عدم المهر بقرينة إعقابه بالتعليل بنفي الحرج (۱)

یہ صورت نکاح شغار نہیں

سوال:- مصطفیٰ نامی نوجوان کی شادی شہناز نامی لڑکی سے چار سال قبل ہوئی ہے، ان کے باہمی تعلقات بھی اچھے ہیں، ان کے پاس دو لڑکے اور ایک لڑکی بھی ہے، شہناز صاحبہ کے ایک بھائی مصطفیٰ صاحب کی حقیقی بہن سے شادی کرنا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ شادی ”نکاح شغار“ تو نہیں ہے؟

(محمد غلام صمدانی، ناندیڑ)

جواب:- ”نکاح شغار“ کی صورت یہ ہے کہ دو مرد ایک دوسرے کی محرم خاتون سے اس شرط پر نکاح کریں کہ یہ نکاح ہی ان عورتوں کے لئے مہر بن جائے گا، الگ سے کوئی مہر واجب نہیں ہوگا؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایسے نکاح کی ممانعت منقول ہے اور شغار کی وہی تعریف کی گئی ہے، جو اوپر ذکر کی گئی ہے:

إن رسول الله ﷺ نهى عن الشغار، والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوجه ابنته إياه (۲)

اگر دونوں عورتوں کا الگ سے مہر مقرر ہو جائے تو پھر یہ نکاح شغار کے دائرہ میں نہیں آتا، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس طریقہ پر نکاح کرلے، جب بھی اس پر مہر واجب ہوگا:

وهو (الشغار) منهي عنه لخلوه عن المهر ...

---

(۱) روح المعانی ۲۲ / ۹۰

(۲) سنن نسائی، حدیث نمبر: ۳۳۳۹

فأوجبت فيه مهر المثل فلم يبق شغارا " (۱)

بیوی کی بھانجی سے نکاح

سوال:- کیا بیوی کی بہن کی بیٹی سے نکاح جائز ہے، جب کہ بیوی اپنے نکاح میں ہو یا نکاح میں نہیں ہو؟

(عبد الوہاب شان، بیدر)

جواب:- بیک وقت دو محرم رشتہ دار جیسے خالہ اور اس کی بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، (۲) اور اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے، ہاں اگر خدا نخواستہ خالہ کا انتقال ہو گیا یا کسی وجہ سے خالہ کی اس مرد سے علاحدگی کی نوبت آگئی تو ایسی صورت میں اس کی بھانجی سے نکاح کرنے کی گنجائش ہے۔

قبول اسلام کے بعد حالت کفر کا نکاح

سوال:- اگر ایک شخص نے حالت کفر میں اپنی بھانجی سے نکاح کر لیا، بعد میں اسلام قبول کیا، تو چونکہ حالت کفر کا گناہ معاف ہو جاتا ہے، تو کیا اس کا نکاح باقی رہے گا؟ ایسے متعدد واقعات ہمارے علاقہ میں پیش آرہے ہیں۔ (نصیر الدین، نلگنڈہ)

جواب:- جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ عورتیں جن سے عارضی طور پر نکاح سے منع کیا گیا، دوسری وہ جن سے دائمی حرمت ہے، تو اگر حالت کفر میں ایسی عورت سے نکاح کر لیا جس سے عارضی حرمت پائی جاتی ہے تو قبول اسلام کے بعد نکاح باقی رہے گا، لیکن جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان کی حرمت باقی رہے گی، ماموں بھانجی کے درمیان ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، اس

---

(۱) رد المحتار: ۴ / ۲۲۸

(۲) مصنف ابن أبي شيبة عن أبي هريرة، حدیث نمبر: ۱۸۹۵۸

سے یہ حرمت اسلام کے بعد بھی باقی ہے، ہاں نکاح کرنے کی وجہ سے جو گناہ اس سے سرزد ہوا، اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ معاف ہوگیا، اسی طرح جو بچے اس نکاح کی وجہ سے قبول اسلام سے پہلے پیدا ہوئے، وہ حلال سمجھے جائیں گے؛ لیکن آئندہ ایک دوسرے سے علاحدگی اختیار کر لینا ضروری ہوگا۔

رضاعی ماموں سے نکاح

سوال:- میرا رشتہ ایک ایسے شخص سے طے پایا ہے، جن کی والدہ کا دودھ میری والدہ نے پیا ہے، البتہ ان کا جھوٹا نہیں؛ بلکہ ان کے بڑے بھائی کا جھوٹا، میں نے اپنی والدہ کو اس طرف توجہ دلائی؛ لیکن وہ کہتی ہیں کہ یہ رشتہ حرام نہیں ہے، براہ کرم وضاحت کریں کہ کیا یہ رشتہ ہو سکتا ہے؟ (عظمت النساء بیگم، عنبر پیٹ)

جواب:- آپ کا خیال درست ہے، جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں وہ لڑکا آپ کا رضاعی ماموں قرار پاتا ہے اور جیسے نسبی ماموں سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح رضاعی ماموں سے نکاح حرام ہے، آپ اپنی والدہ صاحبہ کو ضرور مسئلہ کی نوعیت سے آگاہ کر دیں۔

قادیانی سے نکاح

سوال:- میری ایک بہن کمپنی میں کام کرتی ہے، وہ ایک شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے، شروع میں تو اطلاع نہیں تھی؛ لیکن بعد میں معلوم ہوا، بلکہ اس نے خود کہا کہ وہ قادیانی ہے، اس شخص نے میری بہن کو سمجھایا ہے کہ میں بھی کلمہ پڑھتا ہوں، جو تم لوگ پڑھتے ہو اور محمد ﷺ کو خاتم النبیین بھی سمجھتا ہوں، تو کیا ایسے شخص کے کلمہ پڑھنے کو دیکھ کر اس سے مسلمان لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے؟

(ایک بہن، ریاست نگر)

جواب:- قادیان پنجاب میں پیدا ہونے والے ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی، مسیح اور نبی قرار دیتے ہیں، گویا وہ حضور ﷺ کے بجائے مرزا غلام احمد کو آخری نبی سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے صراحت فرمادی ہے کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو:

" ... أنا آخر الأنبياء وأنتم آخر الأمم ... " (۱)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں، یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا: " أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي " (۲)؛ اس لئے تمام علماء اور مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی پیروی کرنے والے کافر اور دائرۂ ایمان سے باہر ہیں، نہ قادیانی عورت سے کسی مسلمان مرد کا نکاح ہو سکتا ہے اور نہ قادیانی مرد سے مسلمان عورت کا، نیز ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے؛ اس لئے آپ اپنی بہن کو سمجھائیں اور انہیں اس حرام کام -- جو خدانخواستہ انہیں ارتداد تک پہونچا سکتا ہے -- سے منع کردیں۔

رہ گیا کلمہ پڑھنا اور خاتم النبیین کہنا تو اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے؛ کیوں کہ کلمہ طیبہ میں حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار ہے اور آپ ﷺ کی رسالت کے اقرار میں ان تمام باتوں کو ماننا داخل ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہیں اور آپ ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی باتوں میں رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا نہیں آنا بھی شامل ہے؛ اس لئے کلمہ پڑھنا اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا قائل ہونا محض ایک مغالطہ اور دھوکہ ہے، ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی ہندو مورتیوں کی پوجا کرنے کے ساتھ ساتھ اور کوئی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے کے باوجود کلمہ طیبہ بھی پڑھ لے،

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عيسى بن مريم إلخ، حدیث نمبر: ۴۰۷۷

(۲) سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون، حدیث نمبر: ۲۲۱۹

ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے وہ مسلمان نہیں ہو سکتے، اسی طرح خاتم النبیین کے معنی سلسلۂ نبوت کے بند ہو جانے اور اس کو مہر بند کر دینے کے ہیں، یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آ سکتا۔ خاتم النبیین کی اس تشریح پر صرف علماء امت ہی متفق نہیں ہیں؛ بلکہ خود رسول اللہ ﷺ سے یہی تشریح منقول ہے، جیسا کہ اوپر حدیث مذکور ہوئی، لیکن قادیانی حضرات اس کی خود ساختہ تشریح کرتے ہیں اور خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مہر سے لوگ نبوت پایا کریں گے، یہ ایسی تشریح ہے جو نہ عربی زبان و لغت کے مطابق ہے، نہ حدیثوں کے مطابق، نہ صحابہ اور سلف صالحین کے اقوال کے مطابق؛ یہاں تک کہ جب تک مرزا صاحب نبوت کے دعوے دار نہیں ہوئے تھے، خود ان کو بھی یہ معنی یا ایسی تشریح نہیں سوجھی تھی اور جمہور امت کے نزدیک اس کا جو معنی ہے وہ اسی کے قائل تھے، مگر افسوس کہ جاہ طلبی اور انگریزوں کی طرف سے خدا دینے کے باعث وہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے، مناسب ہوگا کہ آپ اس سلسلہ میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب ''قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟'' کا خود بھی مطالعہ کریں اور بچی بچن کو بھی پڑھوائیں، یہ کتاب آسان زبان میں ہے اور مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنے میں بہت مفید ہے۔

قادیانی عورت کے سنی بیٹے سے نکاح

سوال:- ایک لڑکا جس کا دعویٰ ہے کہ وہ سنی حنفی مسلمان ہے، رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی مانتا ہے، کیا اس لڑکے کا نکاح کسی سنی مسلمان لڑکی سے ہو سکتا ہے، ان حالات کے:

(الف) لڑکا قادیانی آبادی اور ماحول میں رہتا ہے۔

(ب) اس کی والدہ قادیانی ہے۔

(ج) رشتہ کرنے والی لڑکے کی خالہ قادیانی ہے۔

(د) اس کا پورا ننیہال قادیانی ہے۔

(ھ) نکاح نہ ہونے کی صورت میں اگر یہ اندیشہ اور خطرہ ہو کہ ضد میں آ کر لڑکا قادیانی نہ بن جائے تو اس صورت میں کیا کرنا ہوگا ؟

(و) ان دونوں کا اگر نکاح جائز نہ ہو تو کس کی وجہ مصلحت ہے یا حکم شرعی ہے ؟

(محمد انصار اللہ قاسمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

جواب: قادیانی نہ صرف دائرہ اسلام سے باہر ہیں اور کافر ہیں ؛ بلکہ اگر وہ مسلمان تھے اور پھر قادیانیت اختیار کی تو مرتد بھی ہیں ، اور اگر خاندانی قادیانی ہیں تو زندیق ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منافق کہا جاتا تھا ، اس لئے نہ صرف ان سے نکاح کا رشتہ حرام ہے ؛ بلکہ اگر کسی کے قادیانی ہونے کا شک ہو تو واجب ہے کہ اس سے بھی رشتۂ نکاح نہ رکھا جائے ؛ لہٰذا جو لڑکا قادیانیوں کے ماحول میں رہتا ہو ، جس کی ماں ، خالہ اور پورا ننھیال قادیانی ہو تو اس کے بارے میں غالب گمان ہے کہ وہ قادیانی ہوگا ؛ کیوں کہ اگر وہ پختہ صاحب ایمان ہوتا تو قادیانیوں کے ساتھ رہنا سہنا چھوڑ دیتا ، جیسا کہ صحابہ نے خاندانی رشتوں پر دینی رشتوں کو ترجیح دی ؛ کیوں کہ خاص کر مرتد اور زندیق کافروں سے بے تعلقی برتنا واجب ہے ، رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام کے بڑے سے بڑے دشمن یہاں تک کہ اعدائے اسلام کے قائدین کی بھی معافی کا اعلان فرمایا ؛ لیکن مرتدین کو باوجود اپنی تمام تر رحم دلی اور مزاج عفو کے معاف نہیں فرمایا — اس اندیشہ کی وجہ سے کہ کہیں شادی نہ کرنے کی بنا پر لڑکا قادیانی ہو جائے ایک مسلمان لڑکی کی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالا جاسکتا اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں بات نہ ہوتی میں کافر ہو جاؤں گا تو درحقیقت وہ ابھی سے کافر ہے ؛ کیوں کہ کفر پر راضی رہنا بھی کفر ہے ، خاص کر اس بنا پر بھی کہ بعض دفعہ قادیانی حضرات دھوکہ دے کر اور رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کہہ کر مسلمان لڑکیوں سے نکاح کرتے ہیں اور بعد میں ان کا چھپا ہوا کفر سامنے آتا ہے ، یہ حکم صرف مصلحت کے طور پر نہیں ہے ؛ بلکہ حکم شرعی ہے ؛ کیوں کہ

جو حکم حرام کا ہے، وہی حرام کا ذریعہ بننے والے فعل کا ہوتا ہے، اگر کسی رشتہ کے ذریعہ کفر و ارتداد بننے کا قوی اندیشہ ہو تو وہ حکم کے اعتبار سے بھی حرام ہوگا۔

ہاں! اگر وہ شخص قادیانیوں سے ہر طرح کا تعلق توڑ لے، اپنے رشتہ داروں سے بالکل بے تعلق ہو جائے اس کا رہنا۔ سہنا مسلمانوں کے ساتھ ہو قرائن سے معلوم ہو کہ یہ ایمان پر پوری طرح ثابت قدم ہے تو مسلمان لڑکی سے اس کے نکاح کی گنجائش ہو سکتی ہے، پھر بھی اگر اس کے کچھ رشتہ دار قادیانی ہوں تو میرا مشورہ ہے کہ رشتہ کے وقت اس سے حلف نامہ لکھوا لیا جائے اور دار القضاء یا کسی ادارہ کے لئے حق طلاق کی تفویض کرالی جائے؛ تاکہ اگر مستقبل میں اس کی طرف سے کوئی مسئلہ پیدا ہو تو لڑکی کے لئے خلاصی حاصل کرنا دشوار نہ ہو۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان

موجودہ یہودی و عیسائی خواتین سے نکاح

سوال:- آج کل یورپ میں جو اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی عورتیں ہیں کیا ان سے نکاح کرنا جائز ہے؟

(ثمینہ شمیم، بنجارہ ہلز)

جواب:- آج کل جو لوگ اپنے آپ کو یہودی اور عیسائی کہتے ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جو صرف نسلی اعتبار سے یہودی اور عیسائی ہیں، اعتقادی اعتبار سے یہودیت اور عیسائیت پر ان کا یقین نہیں ہے، اس نے موجودہ دور کی یہودی اور عیسائی خواتین سے متعلق احکام اس طرح ہیں:

(الف) جو خواتین نام کی عیسائی اور یہودی ہوں اور خاندانی نسبت کی بنیاد پر یہودی یا نصرانی کہلاتی ہیں، لیکن خدا کے وجود، نبوت، وحی اور ملائکہ وغیرہ کی قائل نہ ہوں، وہ ملحد ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا اور ان سے نکاح کرنا درست نہیں ہوگا۔

(ب) جو خواتین یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی عقائد کو مانتی ہوں تو گو ان کے عقائد اسلام کے مطابق نہیں ہیں، پھر بھی ان سے نکاح کرنا جائز ہوگا، کیوں کہ قرآن میں جب اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دی، اس وقت بھی ان میں عقائد کا بگاڑ موجود تھا، البتہ یہ خواتین غیر مسلم ملک کی رہنے والی ہوں تو جائز ہونے کے باوجود ان سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا:

" و إن تزوج المسلم كتابية حربية في دار الحرب جاز يكره " (۱)

(ج) اور اگر وہ مسلم ملکوں میں رہنے والی ہوں، تب بھی ان سے نکاح کرنا کراہت تنزیہی سے خالی نہیں، یعنی مکروہ تو اب بھی ہے، لیکن کم درجہ کی کراہت ہے:

" وصح نكاح كتابية و إن كره تنزيها مؤمنة .... مقرة بكتاب " (۲)

---

(۱) فتاوی هنديه :۱/۲۸۱، نیز دیکھئے، فتح القدیر :۳/۱۳۵

(۲) رد المحتار :۳/۱۴۴

نکاح میں ولی اور کفاءت

نکاح میں ولی کی اہمیت

سوال:- میں ایک کالج کا اسٹوڈنٹ ہوں، میں دین سے انس ومحبت رکھتا ہوں اور میں صوم وصلوٰۃ کا اہتمام کرتا ہوں، لیکن مجھے کالج میں ایک لڑکی پسند ہے، وہ لڑکی بھی اچھی صفت کی حامل ہے، میں ناجائز حرکت سے باز رہتا ہوں؛ لیکن میں اس لڑکی سے شادی کر لینے کا خواہش مند ہوں، کیا اس لڑکی سے راست بات چیت کر سکتا ہوں، یا اس لڑکی کے والدین سے بالواسطہ طریقہ سے پیغام دے سکتا ہوں؟　　(نام غیر مذکور)

جواب:- آپ کا صوم وصلوٰۃ کا پابند رہنا اور گناہ کی باتوں سے اپنے دامن کو بچائے رہنا بہت ہی مبارک بات ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر استقامت عطا فرمائے، البتہ یاد رکھیں کہ جس لڑکی سے آپ کی شادی نہیں ہوئی ہے، وہ آپ کے لیے اجنبی اور غیر محرم لڑکی ہے، اس سے بھی نگاہ کی حفاظت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ بلا ضرورت اجنبی لڑکی کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں، خاص کر اس صورت میں جب کہ طبیعت اس کی طرف مائل ہو۔

" والأصل أنه لا يجوز أن ينظر إلى وجه الأجنبية بشهوة " (۱)

(۱) البحر الرائق : ۹۲/۸ ۔

اور نہ اس سے بلا ضرورت گفتگو کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ گفتگو کا فتنہ دیکھنے سے بھی بڑھ کر ہے، ہاں، اگر واقعی آپ کا نکاح کرنے کا ارادہ ہو، تو آپ کے لیے اس لڑکی سے رشتہ پیش کرنے کی گنجائش ہے، بہتر ہوگا کہ اس کے والد کے سامنے رشتہ کی پیشکش کریں اور مناسب ہے کہ یہ کام آپ اپنے والدین کو اعتماد میں لے کر کریں، آپ کے والدین کا تجربہ آپ سے زیادہ ہے اور ان سے بڑھ کر کوئی آپ کا بہی خواہ نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ان کی رائے کو قبول کرنے میں خیر ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نکاح میں ولی کا اعتماد حاصل نہ کیا گیا ہو اس میں بہتری نہیں: "...... لا نکاح إلا بولي" (۱)

نکاح میں عاقدہ اور ولی کی حیثیت

سوال:- میں ایک لڑکے سے نکاح کرنا چاہتی ہوں، جو غریب اور کم تعلیم یافتہ ہے؛ البتہ خاندان کے اعتبار سے سید ہے؛ لیکن میرے والدین اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، انھوں نے ایک اور جگہ میری منگنی کردی ہے، میں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا ہے؛ لیکن میرے والد اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(ایک پریشان حال مسلمان بہن)

جواب:- شریعت میں اس بات کو منع کیا گیا ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کردیا جائے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لڑکی اپنی ذات کی اپنے ولی کے مقابلہ زیادہ حقدار ہے اور اگر کنواری لڑکی ہو تب بھی اس سے اجازت لے کر ہی نکاح کیا جائے گا: "الأیم أحق بنفسها من ولیها ، والبکر تستأذن في نفسها" (۲) — البتہ والدین کا

---

(۱) ترمذی ، کتاب النکاح ، باب ماجاء لا نکاح إلا بولي ، حدیث نمبر: ۱۱۰۱

(۲) مسلم ، باب استئذان الثیب في النکاح الخ ، حدیث نمبر: ۱۴۲۱

تجربہ بچوں سے زیادہ ہوتا ہے، وہ آپ کے مستقبل کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور ان کا جو بھی فیصلہ ہوگا، اس میں آپ کے لئے محبت و شفقت کا جذبہ ضرور کار فرما ہوگا؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنا نکاح ولی کو اعتماد میں لے کر اور اس کے مشورہ کو شامل کرتے ہوئے کرنا چاہئے: "لا نکاح إلا بولی" — چنانچہ یہ بات تجربہ میں آتی رہتی ہے کہ جو رشتے جذبات میں کئے جاتے ہیں اور ولی کے مشورہ کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا، اکثر وہ نا کام و نامراد ثابت ہوتے ہیں اور بعد میں نا قابل تلافی پچھتاوا ہوتا ہے، اس لئے آپ کو میرا خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ اتنے اہم معاملہ کا فیصلہ اپنے آپ نہ کریں؛ بلکہ اپنے والدین کی رائے سے کریں، نیز آپ کے والد سے عرض ہے کہ اگر کوئی خاص رشتہ آپ کو ناپسند ہو، تو وہ اس پر ہرگز اصرار نہ کریں؛ کیوں کہ ایسا کرنا شرعاً بھی جائز نہیں ہے۔

رشتۂ نکاح کی تحقیق

سوال:- آج کل لڑکیوں کی شادی میں بعض ادارے یا ملاقاتی افراد یا جماعت کی رہبری کرتے ہیں، والدین بغیر کسی تحقیق کے رشتہ کر لیتے ہیں بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا کمزور، بیمار اور بے روزگار ہے، دھوکہ بھی دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں شرعی احکام کیا ہیں؟ (شہباز شریف، معظم پورہ)

جواب:- رشتہ کا انتخاب بڑا اہم مسئلہ ہے؛ کیوں کہ اس سے لڑکے اور لڑکی کی پوری زندگی متعلق ہوتی ہے؛ اس لئے اس معاملہ میں سرپرستوں کو بھی احتیاط کرنی چاہئے اور رہنمائی کرنے والوں کو بھی، عام حالات میں غیر محرم لڑکی کو دیکھنا جائز نہیں ہے؛ لیکن رشتہ کے انتخاب کے لئے لڑکے کو لڑکی کے اور لڑکی کو لڑکے کے دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے، غیبت کرنا گناہ کبیرہ ہے، کسی بھی انسان کی برائی کو بیان کرنا جائز نہیں؛ لیکن اگر کسی شخص سے رشتہ کے بارے میں دریافت کیا جائے تو سچ سچ بتا دینا واجب ہے، اور اس کے صحیح حالات کو چھپانا جائز نہیں، اگر چہ کہ غیبت کی نوبت آجائے؛ اس لئے سرپرستوں کا فریضہ ہے کہ وہ رشتوں کے

بارے میں اچھی طرح تحقیق کرلیں اور کسی رشتہ کے سلسلہ میں رہنمائی کرنے والے اور مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ وہ کوئی بات چھپانے سے گریز کرے، ورنہ عند اللہ گناہ ہوگا۔

لڑکیوں کا حفظ اور حافظ کا نکاح

سوال :- (الف) مسقط کریم نگر میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لڑکی کو حافظ قرآن بنانا ٹھیک نہیں ہے۔

(ب) لڑکی اگر حافظ قرآن ہو تو اس کی شادی حافظ قرآن لڑکا ہی سے کرنا چاہیے۔

(ج) لڑکی حافظ قرآن ہے تو کیا ضروری ہے کہ اس کو اردو یا عربی میڈیم ہی سے تعلیم دلائی جائے، انگلش میڈیم سے نہیں؟ (خواجہ معین الدین خان، کریم نگر)

جواب :- (الف) رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید پڑھنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں بہتر شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے،(۱) حفظ کرنے کی خصوصی فضیلت آپ ﷺ سے منقول ہے، یہ فضیلت جیسے لڑکوں کے لیے ہے، لڑکیوں کے لیے بھی ہے، اس لیے صحابیات میں متعدد حافظات کا ذکر ملتا ہے، حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا تو اس سلسلہ میں معروف ہیں، اس لیے لڑکیوں کو حافظ قرآن بنانے میں کچھ حرج نہیں، البتہ چونکہ فطری عوارض کی وجہ سے وہ ہمیشہ قرآن نہیں پڑھ سکتیں اور بھولنے کا خدشہ رہتا ہے، اس لیے جو لڑکیاں حافظ ہوں، ان کے حفظ قرآن پر خصوصی توجہ دینی چاہیے؛ کیوں کہ غفلت کی وجہ سے قرآن مجید کے بھول جانے پر بڑی وعیدیں منقول ہیں۔

(ب) حافظہ لڑکی کا نکاح حافظ لڑکا ہی سے ہو یہ ضروری نہیں ہے، کسی بھی دیندار مسلمان لڑکے سے کیا جا سکتا ہے، البتہ شوہر کا بھی حافظ ہونا اس پہلو سے بہتر ہے کہ اس سے

---

(۱) سنن دارمی، ص: ۴۳۰

حافظ ہونے کو قرآن مجید کے محفوظ رکھنے میں سہولت ہوگی لیکن بہرحال یہ نہ کوئی لازمی حکم ہے، نہ قرآن و حدیث میں اس کی تاکید ہے اور نہ فقہاء کے یہاں اس کی ترغیب ہے، اس لیے اصل یہ ہے کہ لڑکا صالح ہو اور علم دین کا قدر داں ہو۔

(ج) لڑکی اگر حافظ قرآن ہو تو اسلامی حدود کی رعایت کرتے ہوئے وہ کسی مدرسہ میں بھی پڑھ سکتی ہے۔ البتہ اگر دینی تعلیم حاصل کرے تو اس کی فضیلت اور اجر اپنی جگہ ہے، چنانچہ مشہور محدث اور فقیہ امام ضحاکؒ سے منقول ہے کہ جس نے قرآن مجید پڑھا اس پر قرآن کا حق یہ ہے کہ وہ معانی قرآن کا فہم بھی اپنے اندر پیدا کرے: "حق کل من قرأ القرآن أن يكون فقيها" (۱)

سید لڑکی سے نکاح

سوال:- میرے ایک دوست کا رشتہ ایک سید لڑکی سے طے پایا تھا، میرے دوست اور ان کی والدہ اس رشتہ پر راضی تھیں، لیکن لڑکے کے چچا، پھوپھی وغیرہ اعتراض کرنے لگے کہ سید لڑکی سے رشتہ نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ اس کی وجہ سے بہت پریشانیاں آتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اچھا خاصا رشتہ ٹوٹ گیا، آپ بتائیں کہ شرعی اعتبار سے شیخ لڑکے کی شادی سید لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (محمد فیروز، [illegible])

جواب:- شیخ کی شادی سید لڑکی سے ہو سکتی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، نکاح کے لئے طرفین کی رضامندی ضروری ہے اور بہتر ہے کہ ان کے اولیاء کی رضامندی بھی اس میں شامل ہو، باقی کسی مسلمان لڑکے کا نکاح کسی بھی مسلمان لڑکی سے ہو سکتا ہے؛ چوں کہ سماج میں خاندان کو بھی دیکھا جاتا ہے، اس لئے خاندان کی رعایت کرنے کی گنجائش ہے، لیکن

(۱) سنن دارمی، باب فی فضل العلم والعالم، حدیث نمبر: ۳۲۸

فقہاء نے قریش سے نکلنے والی تمام شاخوں کو ایک درجہ میں رکھا ہے، اس میں شیوخ بھی ہیں اور سادات بھی: "قریش بعضهم أكفاء بعض" (۱) یہ کہنا کہ سید لڑکی سے نکاح کرنے کی وجہ سے پریشانی آتی ہے، نہایت ہی غلط ہے اور اس میں خانوادۂ نبوی ﷺ کی بابت بدگمانی اور تحقیر کا پہلو بھی پایا جاتا ہے؛ اس لئے ایسی بات کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

مریضہ ایڈس کا نکاح

سوال:- ایک صاحب پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ان کی لڑکی ایڈس کی مریضہ ہے، اس کے باوجود وہ اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں، کیا ان کا یہ قدم اٹھانا صحیح ہے؟ اور اگر ان کو لڑکی کی شادی سے منع کیا جائے تو لڑکی گناہ میں مبتلا ہو سکتی ہے، ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (محمد سلیم، ملک پیٹ)

جواب:- یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ ایڈس ایک متعدی بیماری اور شدید درجہ کا مضرت رساں مرض ہے، نیز میاں بیوی کا تعلق اس بیماری کے پھیلنے کا سبب ہے، شریعت میں یہ بات جائز نہیں کہ انسان دوسروں کو ضرر اور اذیت پہنچانے کا سبب بنے، خواہ یہ ضرر بیماری کے ذریعہ پہنچایا جائے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کوڑھی شخص کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور انہیں گھر ہی میں نماز ادا کرنے کی تلقین کی؛ اس لئے جو مرد یا عورت اس خطرناک بیماری میں مبتلا ہو چکے ہوں، دوسرے کو تاریکی میں رکھ کر ان کا نکاح کرنا جائز نہیں؛ اس لئے ان صاحب کو چاہئے کہ اپنی بیٹی کی بیماری کو مخفی بھی رکھیں؛ تاکہ گھر میں اسے اچھوت نہ بنا دیا جائے؛ لیکن اس کی شادی کرنے سے اجتناب کریں، اگر معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ڈاکٹروں سے رجوع کر کے ایسی تدبیر کریں کہ اس میں ضبط نفس کی صلاحیت پیدا ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے جو بیوی کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

---

(۱) رد المحتار: ۴؍۲۱۰

مہر

سونے میں مقرر کیا ہوا مہر

سوال:- زید اپنی بیوی کا مہر ادا کرنا چاہتا ہے، زید کی شادی سن ۱۹۵۵ء میں ہوئی ہے، مہر کی تفصیل اس طرح ہے: "۳۹ تولہ سونا اور ۵ سرخ دینار"، زید کو کس حساب سے مہر ادا کرنا ہوگا؟ شادی کے وقت سونا صرف ۱۰۰ روپے تولہ تھا، ۳۹ تولے سونا ۵ سرخ دینار، بجملہ ۴۲ تولے سونا ہوتا ہے، شادی کے وقت کے حساب سے مبلغ ۴۲۰۰ روپے ہوتے ہیں، یا آج کی قیمت کے حساب سے ادا کرنا ہوگا؟ (محمد علیم الدین، گلبرگہ شریف)

جواب:- جب زید کا مہر سونے میں طے ہوا تو اب مہر سونے ہی کے ذریعہ ادا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر پیسے ادا کرنا چاہے تو جس وقت ادا کر رہا ہے، اس وقت ۴۲ تولے سونے کی جو قیمت ہے وہ ادا کرنی ہوگی، جس وقت مہر مقرر کیا گیا تھا، اس وقت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ شوہر پر سونا مہر واجب ہوا تھا نہ کہ روپیہ۔

روپے میں مقرر کیا ہوا مہر

سوال:- ایک صاحب کے مہر کا مسئلہ اس طرح ہے، شادی ۱۹۷۵ء میں ہوئی، مبلغ =/2500 روپے مہر مؤجل رہا،

الوقت لکھا گیا ہے، شادی کے ۲۵ / سال بعد ۱۹۹۵ء میں =/2500 روپے مہر بیوی کو ادا کر دیا گیا، مہر کی ادائیگی ہو گئی یا مزید رقم دینا ہوگا؟ کتنی رقم مزید بیوی کو مہر میں دینا ہوگا؟ صراحت کریں۔ (محمد محی الدین، گلبرگہ شریف)

جواب:- علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ روپے کی حیثیت مستقل کرنسی اور ثمن کی ہے یا اس کی حیثیت ایک دستاویز اور وثیقہ کی ہے؟ اگر اس کی حیثیت مستقل زر کی ہے تو مہر ادا ہو گیا، یہی بہ ظاہر قوی ہے، لیکن جن علماء کے نزدیک اس کی حیثیت وثیقہ زر کی ہے، ان کے نزدیک ۱۹۷۰ء میں ڈھائی ہزار روپے میں جتنا سونا خریدا جا سکتا تھا، اتنا سونا یا اس کی قیمت ۱۹۹۵ء میں ادا کرنی چاہئے تھی، لہٰذا مہر تو ادا ہو گیا، لیکن بہتر تھا کہ وہ اس دوسری رائے پر عمل کرتے، تاکہ بالاتفاق پورا مہر ادا ہو جاتا۔ واللہ اعلم

سکہ رائج الوقت میں مہر کی تعیین

سوال:- آج سے تیس برس قبل ایک عورت کا مہر ۲ ہزار روپے سکہ رائج الوقت مقرر کیا گیا تھا، اس وقت یہ رقم ڈیڑھ تولہ سونے کے برابر تھی، اس عورت کا انتقال ہو چکا ہے، اب تیس برس بعد مہر کی کتنی رقم ادا کرنی ہوگی؟ (سید حفیظ الرحمن، نظام آباد)

جواب:- مہر کی رقم کے ساتھ سکہ رائج الوقت کی صراحت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہر کی ادائیگی کے وقت جو سکہ مروج ہو، اسی کے مطابق مہر کی ادائیگی واجب ہوگی، لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ کاغذی کرنسی کی قیمت میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور سونے کی قیمت میں نسبتاً استحکام رہتا ہے، تو اصل میں مہر سونے سے مقرر کرنا چاہئے، تاکہ عورت کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، اب یہی دیکھئے کہ مہر مقرر ہونے کے وقت وہ ڈیڑھ تولہ سونا تھا اور اب نصف تولہ بھی باقی نہ رہا، مسنون طریقہ یہی ہے کہ سونا یا چاندی سے مہر مقرر ہو، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کا مہر

درہم یا دینار میں مقرر فرمایا، درہم چاندی کا ہوا کرتا تھا اور دینار سونے کا، مسلمانوں کو چاہئے کہ سونے سے مہر مقرر کرنے کو رواج دیں، یہی عدل اور انصاف کا تقاضہ ہے۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار

سوال:- کیا مہر کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار مقرر ہے کہ اس سے زیادہ مہر رکھنا درست نہیں ہو؟

(محمد ادریس، ورنگل)

جواب:- مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار متعین نہیں ہے، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے، البتہ شریعت میں مہر کی مقدار میں مبالغہ سے کام لینے اور ناقابل ادائے گی مہر رکھنے کو پسند نہیں کیا گیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر اتنا کم بھی نہ ہونا چاہئے کہ بالکل بے حیثیت ہو جائے، زمانہ کے لحاظ سے ایک خطیر رقم ہونی چاہئے، آپ ﷺ کی اکثر ازواج اور صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم تھا، جو ڈیڑھ کیلو سے زیادہ چاندی ہوتی ہے، —— مہر کی کم سے کم مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض اہل علم کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار متعین نہیں، مانقدین جس پر راضی ہو جائیں وہ مہر رکھا جا سکتا ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے، ان ہی میں حنفیہ بھی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہ ہو، اسی بناء پر احناف کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، اگر دس درہم سے کم رقم متعین کرے تو کم سے کم دس درہم مہر واجب ہوگا۔(۱) یہ دس درہم، دو تولہ ساڑھے سات ماشہ ہوتا ہے، جو موجودہ اوزان میں اکتیس گرام چاندی کے قریب ہے؛ لہٰذا اتنی چاندی کی قیمت بطور مہر مقرر کرنا ضروری ہے۔

مہر کس طرح متعین کیا جائے؟

سوال:- (۱) "منصف" کے ایک جانبہ کالم میں آپ

---

(۱) قدوری: ۱۶۱، البحر الرائق: ۲۳۹/۳

نے لکھا ہے کہ "اکتیس تولے چاندی مہر کی کم سے کم مقدار ہے" کیا یہ مہر فاطمی ہے؟ اگر نہیں تو مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ وہ مہر فاطمی کسی لڑکی کے لئے مقرر کرنا آیا مسنون ہے؟ جبکہ ازواج مطہرات کے مہر مختلف مقداروں کے رہے ہیں۔ بعض کتابوں میں کم از کم مہر دس درہم لکھا ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟ حال میں ایک نکاح کے موقع پر بتلایا گیا کہ محترم مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری مفتی دار العلوم دیوبند نے بتلایا ہے کہ مہر فاطمی ایک سو اکتیس تولے تین ماشہ چاندی (جو ۵۷۵ گرام کے مساوی ہوتی ہے) ہوتا ہے۔ (۲) مہر کی مقدار کا تعین کیسے کیا جائے؟ کتابوں میں لکھا ہے کہ لڑکی کے خاندان میں پھوپھیوں وغیرہ کے مہر کے برابر ہو، اب روپے کی قیمت میں اتنی تیزی سے گراوٹ آرہی ہے کہ چند سال پہلے کی معتد بہ رقم اب بالکل معمولی سمجھی جاتی ہے، دولہا والے لڑکی والوں کا تو مختلف عنوانات سے زبردست خرچ کروا ڈالتے ہیں اور مہر کے معاملے میں جو منتقل ہوتا ہے، معمولی مقدار پر اڑ جاتے ہیں، اس زمانہ میں کیا عمل ہو، رہبری فرمائیں۔

(محمد سراج الدین، رام گوپال پیٹ، سکندرآباد)

جواب :- امام ابو حنیفہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی ہے، دس درہم تیس گرام سے کچھ اوپر ہوتا ہے، اس لئے احتیاطاً میں نے اکتیس گرام چاندی لکھا ہے، یعنی اس سے کم مہر مقرر کیا جائے تو اعتبار نہیں، مہر فاطمی کی مقدار بارہ گرام کے تولے کے لحاظ سے ایک سو اکتیس تولے تین ماشے ہوتی ہے، یہ درست ہے، جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے، یہ حضرت فاطمہ، حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں اور اکثر ازواج مطہرات کا مہر تھا؛ اس لئے اسے عام حالات میں مستحب کہا جا سکتا ہے، مگر اصل میں مہر کی مقدار حالات اور اس سلسلہ میں خاندانی

رواج سے متعلق ہے، اسی کو "مہر مثل" کہتے ہیں، حالات سے مراد ہے لڑکی کا کنواری یا شوہر دیدہ ہونا، دولت مند یا غریب گھرانے سے تعلق رکھنا، روپیہ کی قدر اور اس کی قوت خرید وغیرہ، یہ حقیقت ہے کہ گرانی میں اضافہ ہونے کی وجہ سے چند سال میں مہر کے لئے متعینہ رقم کی قدر بہت ہی کم ہو جاتی ہے اور یہ عورتوں کے ساتھ ناانصافی کا باعث ہوتا ہے، اس لئے مہر سونا یا چاندی میں مقرر کرنا چاہئے، یہی مسنون طریقہ ہے، تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قدر میں اضافہ ہوتا رہے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے تیسرے سمینار منعقدہ دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں باضابطہ اس پر تجویز منظور کی ہے اور مسلمانوں سے خواہش کی ہے کہ وہ سونے اور چاندی میں مہر مقرر کریں، تاکہ عورتوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، وباللہ التوفیق۔

خلوت سے پہلے طلاق ہوگئی تو کتنا مہر واجب ہے؟

سوال:- ایک مرد و عورت کا آپس میں نکاح ہوا اور دونوں نے تھوڑی سی تنہائی میں گذارا، پھر طلاق کی نوبت آگئی، تو ایسی صورت میں کتنا مہر واجب ہوگا جب کہ شوہر نے اس سے صحبت نہیں کی ہے؟ (عابد علی، بنگلور)

جواب:- اگر میاں بیوی کے درمیان اتنی دیر کی تنہائی ہوئی، جس میں صحبت کی جاسکتی ہے اور کوئی رکاوٹ اس میں نہیں تھی، تو مہر کے معاملہ میں یہ تنہائی صحبت کے حکم میں ہوگی اور پورا مہر واجب ہوگا، اور اگر تنہائی ہوئی، لیکن کوئی شرعی یا طبعی رکاوٹ تھی، یا ایک دو لمحے کے لئے تنہائی میں ملاقات ہوئی، جس میں عادتاً صحبت نہیں کی جاسکتی اور دونوں کو صحبت نہ ہونے کا اعتراف بھی ہو تو نصف مہر ہی واجب ہوگا۔

"فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين" (1)

---

(1) بدائع الصنائع ۲/۲۹۱

مہر میں دیا گیا مکان

سوال:- ۱۹۹۶ء میں جدہ سعودی عرب میں میں مقیم تھا، ایک گھر فروخت ہو رہا تھا، جس کی قیمت ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی، میں نے سعودی عرب سے ایک لاکھ بیس ہزار ڈرافٹ کے ذریعہ روانہ کیا، مابقی چالیس ہزار روپیہ میری بیوی نے اپنے زیور فروخت کرکے مکان خرید لیا، اور میری اجازت کے بغیر مکان کی رجسٹری اپنے نام کروالیا، جب میں نے مکان کے کاغذات طلب کیا تو کہنے لگی کہ میں اپنے زیور فروخت کرکے اور اپنے والدین سے مزید رقم لے کر رجسٹری کروائی، لہٰذا یہ مکان میرا ہے اور آپ کو ان کاغذات سے کوئی سروکار نہیں، وہ مجھے گھر کے کاغذات دینے سے انکار کرتی ہے، وہ کاغذات ماں باپ کے ہاں رکھی ہے، میں باہر سے آنے کے بعد ایک اور مکان کرایہ پر لے کر ادھر شفٹ ہوگیا اور وہ مکان کرایہ پر دیا گیا، جس کا کرایہ ہر مہینہ ۳؍ ہزار روپیہ آتا ہے، میری بیوی مجھے کرایہ دینے سے روک رہی ہے اور کرایہ داروں کو کہا گیا ہے کہ اگر یہ آئے تو کرایہ نہ دیں، جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو گذشتہ سال میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اکتوبر ۲۰۰۹ء کا کرایہ اگر تم نے جا کر لیا تو سمجھو کہ میری طرف سے تینوں طلاق پڑ گئی، یہ کہنے کے باوجود میری بیوی نے ماہ اکتوبر کو جا کر کرایہ حاصل کر لیا تو کیا وہ مکمل طلاق ہوگئی؟ مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے ایک بار کہا تھا کہ یہ مکان مہر میں آپ کو دیا۔ (محمد یسین، ریاست نگر)

جواب:- آپ کے سوال سے دو مسئلے متعلق ہیں: اول یہ کہ وہ مکان آپ کی

ملکیت ہے یا آپ کی بیوی کی؟ اگر آپ نے کہا تھا کہ میں نے یہ مکان تم کو بطور مہر کے دے دیا، جیسا کہ آپ نے اپنی یادداشت کا ذکر کیا ہے تو پھر یہ مکان آپ کی ملکیت نہیں ہے، آپ کی بیوی کی ملکیت ہے، آپ کو اس مکان کا کرایہ طلب کرنا، یا بیوی کو اس مکان میں جانے سے منع کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ ظلم ہے، قرآن مجید نے کہا کہ اگر عورت کو مہر کے طور پر بے پناہ مال دے دیا جائے، تب بھی اس سے اس کا واپس طلب کرنا درست نہیں:

﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (۱)

اگر آپ نے انہیں یہ مکان مہر میں نہ دیا ہوتا تب جتنی رقم آپ نے ادا کی ہے، اس کے بقدر مکان کے مالک آپ ہوتے اور جتنی رقم آپ کی بیوی کی ہے، اس تناسب سے مکان میں ان کی ملکیت ہوتی اور اپنے حصہ کے تناسب سے دونوں کرایہ کے مستحق ہوتے، بہر حال آپ کو یہ معاملہ باہمی مفاہمت سے یا کسی عالم کے ذریعہ طے کر لینا چاہئے تھا، محض اس بات پر طلاق دے دینا غیر شرعی طریقہ ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ تو جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے۔

"ولو قال لامرأته إن دخلت هذه الدار فأنت طالق، فدخلت الدار وهي في ملكه طلقت" (۲)

طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ عدت کے درمیان شوہر اپنی مرضی سے لوٹا سکتا ہے اور عدت گذرنے کے بعد فریقین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کیا جا سکتا ہے، البتہ اب اس کے بعد دو ہی طلاق کا حق باقی رہ گیا ہے، اس لئے آئندہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور احتیاط کرنا ضروری ہے۔

اگر بیوی مہر مؤجل کی ادائیگی کا مطالبہ کرے؟

سوال:- آج کل جو مہر مؤجل متعین کیا جاتا ہے، عام طور پر

---

(۱) النساء: ۲۰ (۲) بدائع الصنائع: ۳/ ۲۰۰

موت کے وقت یا طلاق یا علاحدگی کے وقت ہی ادا کرنے کا تصور
ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر عورت پہلے ہی اپنے مہر کا مطالبہ کرنا
چاہے تو کیا وہ اس کا مطالبہ کرسکتی ہے؟ (عبد المجید قاسمی، بنگلور)

جواب:- اصولی بات تو یہ ہے کہ مہر مؤجل میں "اجل" یعنی مدت مقرر ہونی چاہئے کہ مثلاً تین یا پانچ سال میں شوہر مہر ادا کردے گا، جن معاملات میں عوض کی ادائیگی کے لئے مہلت لی گئی ہو، ان کے لئے بنیادی اصول یہی ہے کہ مدت مقرر کردی جائے، مگر بدقسمتی سے ہندوستان میں مہر مؤجل میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا؛ اس لئے اسے رواج دینے کی ضرورت ہے، بہر حال اگر مدت مقرر نہیں ہوئی اور عورت کی طرف سے فی الحال ادائیگی کا مطالبہ بھی نہیں ہو تب تو موت یا طلاق کے وقت مہر کی ادائیگی واجب ہوگی اور اس تاخیر کی وجہ سے شوہر گنہگار نہیں ہوگا، لیکن اگر عورت مطالبہ کردے تو پھر مرد پر واجب ہے کہ فوری طور پر اسے ادا کردے، کیوں کہ دین کے مسئلہ میں اصول یہی ہے کہ جب ادائیگی کا وقت متعین نہ ہو اور دوسرے فریق کی طرف سے مطالبہ ہو تو فوری ادائیگی واجب ہو جاتی ہے:

"وإن كانت متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو إلى أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت ، ويجب المهر حالاً" (۱)

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ واللہ اعلم

مہر کی رقم لڑکی کا والد وصول کرلے؟

سوال:- میرے لڑکے کی شادی ہوئے تقریباً سات ماہ کا عرصہ ہوا، عقد کے وقت مہر کی رقم قاضی صاحب کے روبرو نقد ادا کردی گئی، جس کو لڑکی کے والد نے حاصل کرلیا، لیکن وہ رقم لڑکی کی نظروں سے گذری ہی نہیں اور نہ اس کو اس کا علم ہے، ایسی صورت

---

(۱) رد المحتار: ۲۹۱/۳

میں کیا لڑکے کو دوبارہ مہر کی رقم ادا کرنی ہوگی؟

(سید یسین علی، دینے نگر کالونی)

جواب:- عام طور پر لڑکی کا مہر اگر اس کا والد وصول کرلے تو لڑکیوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا؛ اس لئے والد کا اس کی طرف سے مہر وصول کرلینا درست ہے؛ لیکن اسے لا علم رکھنا جائز نہیں، اب لڑکی کو اس کی اطلاع کردی جائے: اگر وہ والد کو وہ رقم ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کرسکتی ہے، کیوں کہ یہ اس کے اپنے اختیار میں ہے، اور وہ اس میں تصرف کا پورا حق رکھتی ہے اور چاہے تو والد سے اس رقم کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اگر والد ادا نہ کریں تو شوہر سے طلب کرنے میں حق بجانب ہوگی، شوہر اسے مہر ادا کرے گا اور اپنے سسر سے اسے وصول کرے گا۔

شوہر کے انتقال کے موقع پر مہر معاف کرانا

سوال:- ادھر بعض دیہاتوں میں رواج ہے کہ جب شوہر کا انتقال ہوتا ہے تو شوہر کی لاش کے سامنے بیوی کو چند عورتیں لے جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ مہر معاف کردو، کیا اس طرح مہر معاف ہوجاتا ہے؟

(احتشام الحق، گلبرگہ)

جواب:- مہر بیوی کا ایک لازمی حق ہے، اگر ایجاب و قبول کے وقت شوہر کی طرف سے مہر نہ ہونے کی شرط ہو تب بھی مہر واجب ہوتا ہے، البتہ اگر بعد میں بیوی اپنی رغبت سے مہر معاف کردے اور اس پر کوئی دباؤ نہ ہو تو مہر معاف ہوجائے گا "والهبة لا تصح بدون الرضاء" (۱) مذکورہ صورت میں عورت پر دباؤ ہوتا ہے، وہ چاہے بھی تو انکار نہیں کرسکتی اور حیا دامن گیر ہوتی ہے؛ اس لئے مہر معاف نہیں ہوا، شوہر کے ترکہ میں سے پہلے بیوی کا مہر ادا کرنا چاہئے، پھر ورثہ میں ترکہ کی تقسیم ہونی چاہئے، ہاں، اگر سوگواری کی یہ فضا ختم ہوجانے اور عورت اپنی رضامندی سے مہر معاف کردے تو مہر معاف ہوجائے گا۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) رد المحتار، کتاب الهبة: ۵۱۲/۴

نکاح میں دعوت اور ولیمہ

شادی کے دعوت نامہ میں لڑکی کا نام

سوال:- شادی کے رقعوں میں بعض لوگ لڑکی کا نام لکھنا نہیں چاہتے، ان کے نزدیک اس میں حیا کا پہلو مضمر ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، اور جو لوگ نام لکھتے ہیں کیا وہ خلاف حیاء کام کرتے ہیں؟ (شرف الدین خاں بقاء، کندن باغ، بیگم پیٹ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے اعلان و اظہار کی تلقین فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کرو، "أعلنوا هذا النكاح" (۱) بعض روایتوں میں ہے کہ حلال و حرام کے درمیان امتیاز دف اور آواز سے ہوتا ہے، (۲) چنانچہ فقہاء نے بھی نکاح کے اعلان کو اور تقریب نکاح مسجد میں رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے:

"و يندب إعلانه و تقديم خطبة و كونها في مسجد يوم جمعة" (۳)

ان احکام کا مقصد بھی یہی ہے کہ نکاح کی اچھی طرح تشہیر ہو جائے، اور نکاح میں جس چیز کی تشہیر مقصود ہے، وہ ظاہر ہے کہ عاقدین کا نام اور مہر کی مقدار ہے؛ اس لیے میرے

---

(۱) ترمذی عن عائشة، باب ماجاء في اعلان النكاح، ح: ۲۰۷

(۲) حوالہ سابق عن محمد بن حاطب (۳) درمختار مع الرد: ۴/ ۶۶

خیال میں نکاح کے دعوت نامہ میں عاقدہ کا نام لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے تاکہ لوگ نکاح کی تفصیلات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

نکاح کے موقع پر لڑکیوں کی طرف سے کھانے کا انتظام

سوال:- کیا نکاح کے موقع پر تناول طعام کی محفل جائز ہے؟ اور کیا نبی ﷺ اور ان کی صاحبزادیوں اور صحابیات کے نکاح میں بھی ایسی محفل ہوتی ہے؟ (زین العابدین، بھینسہ)

جواب:- اصل میں کھانا کھلانا نکاح سے متعلق کوئی عمل نہیں، آپ ﷺ نے جس کھانے کی ترغیب دی ہے وہ دعوت ولیمہ ہے، جو مرد کے ذمہ ہے لڑکے والوں کے مطالبہ یا رواج کی بنیاد پر سماجی دباؤ کے تحت لڑکی والے کھانا کھلائیں، یہ قطعاً جائز نہیں، البتہ کسی رسمی دباؤ کے بغیر بطور ضیافت کے لڑکی والے کھانے کا اہتمام کرلیں تو اس کی گنجائش ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر اس کا اہتمام فرمایا تھا، مصنف عبدالرزاق میں اس سلسلہ میں ایک روایت موجود ہے، مگر ضعیف ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ لڑکی والے کھانے کا اہتمام نہیں کریں۔

ولیمہ کب کرے؟

سوال:- امریکن شہری لڑکے کا عقد ایک ہندوستانی لڑکی کے ساتھ اس شرط کے ساتھ طے پایا کہ "ویزا" ملنے کے بعد ہی رخصتی ہوگی، ایسی صورت میں کیا نکاح کے بعد ولیمہ کیا جاسکتا ہے یا لڑکی کی رخصتی کے بعد ہی ولیمہ کرنا ہوگا؟ (محمد عبدالرحمن، ملک پیٹھ)

جواب:- جب ابھی صرف ایجاب و قبول ہوا ہے اور زوجین کی یکجائی کی نوبت نہیں آئی ہے، تو ابھی ولیمہ نہیں کرنا چاہئے، جب رخصتی ہو اور زوجین کی ملاقات ہو، اس وقت ولیمہ کیا جائے، ولیمہ کے سلسلہ میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ بیوی سے قربت کے بعد ولیمہ کیا

جائے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل إمرأته"(۱)

ولیمہ قبل از وقت

سوال:- میری شادی ایک سال پہلے ہو چکی ہے، میری بیوی کو عقد سے دو دن پہلے ماہواری شروع ہو چکی تھی، اسی حال میں نکاح ہوا اور ولیمہ بھی، حالانکہ سات دنوں کے بعد ہم دونوں کا تعلق قائم ہوسکا، ایسی صورت میں نکاح درست ہوا اور ولیمہ صحیح ہوا؟

(عبداللہ، مقام غیر مذکور)

جواب:- اگر ماہواری کے سلسلہ میں عورت کا کوئی مقررہ معمول ہو تو والدین کو چاہئے کہ نکاح کی تاریخ مقرر کرتے ہوئے اس کی رعایت کریں، ورنہ زوجین کے گناہ میں پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے، جہاں تک نکاح کے درست ہو جانے کی بات ہے تو اس میں کوئی تردد کی بات نہیں ہے، حالت حیض میں بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مالکیہ کے نزدیک صحبت سے پہلے بھی ولیمہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے امید رکھنی چاہئے کہ سنت ولیمہ ادا ہو گئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

جوڑے کی رقم لینے والے کے ولیمہ میں شریک ہونا

سوال:- ہمارے محلے میں لڑکے والے لڑکی والوں سے باضابطہ جوڑے کی رقم طلب کر کے لیتے ہیں، ایسی صورت میں لڑکے والوں کی دعوت یعنی ولیمہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

(محمد اشرف الدین، بھاگلپور)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۳۴۳

جواب :- ایسا مطالبہ کرنے والے لوگ ظالم بھی ہیں اور غاصب بھی، لہٰذا جو لوگ ان کی مطالبے سے واقف ہوں، ان کے لئے مجلس نکاح اور ولیمہ میں شرکت مکروہ تحریمی ہے اور اس سے اجتناب کرنا واجب ہے، اگر سماج میں تمام لوگ طے کرلیں کہ وہ ایسی شادیوں میں شریک نہیں ہوں گے، تو اس سے اس غیر شرعی رسم کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

ولیمہ میں مدعوئین کی طرف سے تحفہ

سوال :- عام رواج یہ ہے کہ ولیمہ یا شادی کے موقع پر مہمان ایک لفافہ میں کچھ روپے رکھ کر میزبان کو دیتا ہے، اسے ضروری بلکہ شرعی عمل سمجھا جارہا ہے اور میزبان بھی ان لفافوں کا منتظر رہتا ہے، کیا اس رسم کی دین میں کوئی اصل ہے؟

(حافظ اسعد قریشی، مقام غیر مذکور)

جواب :- یہ دینی رسم نہیں ہے، اگر کوئی شخص اس کو شرعی عمل سمجھے بغیر کسی سماجی اور اخلاقی دباؤ کے بغیر بطور خود کوئی رقم دے تو یہ درست ہے اور اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ شرعاً یہ ہبہ ہے اور ہبہ کسی بھی شخص کو، کسی بھی موقع پر اپنی رضامندی اور خوشی سے کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر سماجی دباؤ کے تحت لوگ اس کو لازم سمجھنے لگیں، یا حکم شرعی کا درجہ دینے لگیں، تو خاص اس موقع سے دینا درست نہیں ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد بھی نکاح فرمائے ہیں، اسی طرح صحابہ ؓ نے نکاح کیا؛ لیکن کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ دعوت ولیمہ کے موقع پر اس طرح رقم پیش کی گئی ہو، اس لئے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے؛ کیوں کہ آہستہ آہستہ یہ عمل سماج میں لازم اور واجب کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

جہیز

کیا حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا؟

سوال:- زید نے اپنی بیٹی کا نکاح کرنے سے پہلے ہی واضح کردیا تھا کہ لین دین کا مطالبہ قابل قبول نہ ہوگا، چنانچہ اس نے اپنی بیٹی کو جہیز میں کچھ نہیں دیا، زید کا داماد اگرچہ دیندار اور نمازی ہے، اس بات پر سخت ناراض ہے، اس کا کہنا ہے کہ اگرچہ میں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا، مگر اسے اپنی طرف سے دینا چاہئے تھا، کیوں کہ حضور ﷺ نے بھی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز دیا تھا، اس کی وجہ سے آپس میں اختلاف پیدا ہورہا ہے، زید کا یہ عمل کہاں تک صحیح ہے اور اس کے داماد کی بات کس حد تک قابل قبول ہے؟ (ایک بندۂ خدا، حافظ بابا نگر)

جواب:- نکاح میں لڑکی اور اس کے گھر والوں پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں رکھی گئی ہے، جو بھی مالی ذمہ داری ہے وہ مرد پر ہے، اس پر مہر واجب ہے، دعوت ولیمہ سنت ہے اور بیوی کی مکمل کفالت اس کے ذمہ ہے، اس لئے زید کا عمل بالکل درست ہے اور اس کے داماد کا کہنا بالکل غلط ہے، دین کا دائرہ مسجد تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ پوری زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو نفس کی خواہشات پر غالب رکھنے کا نام دینداری ہے۔

یہ کہنا درست نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا ، اگر آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیتے ، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا ، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی جہیز عنایت فرماتے ؛ کیوں کہ آپ ﷺ ہی نے اولاد کے درمیان عدل اور برابری کا حکم دیا ہے ؛ مگر آپ ﷺ نے ان تینوں صاحبزادیوں کو شادی کے موقع پر کچھ سامان جہیز نہیں دیئے ، حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی ؓ حضور ﷺ ہی کے زیر پرورش تھے ، چنانچہ آپ نے ان کی ہی زرہ (جو انہیں غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت میں سے ملی تھی) فروخت کر کے گھر بسانے کی کچھ ضروری اشیاء خرید کر دیں ، یہ آپ ﷺ کی طرف سے نہیں تھی ؛ بلکہ خود حضرت علی ؓ کے پیسوں سے تھی ، اور اگر بالفرض آپ نے اپنی طرف سے دیا تھا ، تب بھی اس کا سبب یہ تھا کہ آپ ایک طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے اور دوسری طرف حضرت علی ؓ کے سرپرست و مربی ، جن کے نہ والدین زندہ تھے اور نہ ان کے پاس نیا گھر بسانے کا سامان تھا ؛ اس لئے ان کے سرپرست کی حیثیت سے آپ نے ضروری اشیاء فراہم کردیں ، اس کو مروجہ جہیز کے لئے دلیل بنانا شریعت کے نام پر نفس کی بے جا خواہشات کے لئے جواز فراہم کرنا اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے ، وباللہ التوفیق ۔

نسب اور زنا

نسب کا انکار اور لعان

سوال:- (الف) اگر شوہر بیرون ملک مقیم ہے، مدت ہوگئی کئی برس گذر گئے کہ وہ وطن نہیں آیا، اور یہاں بیوی کو لڑکا تولد ہوگیا، تو ایسی صورت میں نومولود ولد الزنا کہلائے گا یا پھر موجودہ بیرون ملک مقیم شوہر کی جانب ہی منسوب کیا جائے گا، خواہ شوہر خبر پاکر انکار کردیتا ہے۔

(ب) لعان کا حکم کسے کہتے ہیں، اور یہ کن حالات میں کن پر لاگو ہوتا ہے؟ (قاری ایم ایس رضا، راجہ پوری)

جواب:- (الف) نسب کے معاملہ میں شریعت میں بڑی احتیاط برتی گئی ہے، اور جہاں تک ممکن ہو پیدا ہونے والے بچے کو ولد الزنا کہنے سے منع کیا گیا ہے؛ اسی لئے حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال مقرر کی گئی ہے، لہٰذا اگر شوہر کے جانے کے دو سال کے بعد بچہ پیدا ہو اور مرد نے اس بچہ کے نسب کا انکار کیا تو نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا، اور اگر اس مدت کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب اس سے ثابت ہوگا۔

(ب) لعان کے معنی لعنت کرنے کے ہیں، لعان سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر صراحۃً زنا کا الزام لگائے یا اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا انکار

کرے ، اور عورت اس الزام کو جھوٹا قرار دیتی ہو تو پہلے مرد سے چار بار گواہی کے لفظ کے ساتھ قسم کھلائی جائے گی کہ ''میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں'' اور پانچویں بار میں کہلایا جائے گا کہ ''اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو'' اس کے بعد چار دفعہ عورت اس طرح قسم کھائے گی کہ ''مجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے ، وہ غلط ہے'' اور پانچویں بار کہے گی کہ ''اگر میرا شوہر الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو'' ، پھر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا ، خود قرآن مجید میں یہ حکم آیا ہے (۱) ، چوں کہ اس میں لعنت کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے ؛ اس لئے اس کو لعان کہتے ہیں — البتہ لعان کا حکم ایسے ملک کے لئے ہے ، جو اسلامی ملک ہو ؛ کیوں کہ لعان ، زنا اور قذف (تہمت اندازی) کی شرعی سزا کے قائم مقام ہے ، اور یہ سزائیں اسلامی مملکت ہی میں قابل نفاذ ہیں ، غیر مسلم ممالک میں قابل نفاذ نہیں ہیں ؛ اس لئے ہندوستان جیسے ملک میں نسب کا انکار کرنے پر لعان نہیں ہوگا ، اور اگر اس کے شوہر سے حمل کا امکان موجود ہو تو انکار کے باوجود نسب ثابت ہوگا :

''فإن کان ممن لا لعان بینهما لا ینتفی نسب الولد کذا فی المحیط'' (۲)

ڈی ، این ، اے ٹیسٹ سے نسب کا ثبوت

سوال:- ایک میاں بیوی سن رسیدہ ہیں ، اور لڑکا جوان ہے ، یہی اکیلا لڑکا ہے ، مرد کو اب شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ لڑکا اس کے نطفہ سے نہیں ہے ، وہ چاہتا ہے کہ ڈی ، این اے ٹیسٹ کرائے ؛ تاکہ اس سلسلہ میں حقیقت حال معلوم ہو سکے ، کیا پیشاب ، منی ، خون یا تھوک یا خلیہ سے حاصل کیے ہوئے جین کی بنیاد پر نسب اور زنا وغیرہ کے ثبوت کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے مدد لی جا سکتی ہے ؟ (آفتاب عالم ، ممبئی)

---

(۱) النور : ۶-۱۰ (۲) الفتاوی الهندیة : ۱ / ۵۳۶

جواب:- شریعت میں ثبوت نسب کے اصول مقرر ہیں، عورت کو جس مرد کے نکاح میں رہتے ہوئے ولادت ہو اور نکاح پر چھ ماہ گزر چکا ہو، اس بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت ہوگا، ہاں اگر ولادت کے وقت اس نے نسب کا انکار کیا تو قاضی زوجین سے لعان کرائے گا، اور اس کے بعد میاں بیوی میں علاحدگی ہو جائے گی اور بچہ اس مرد کی طرف منسوب نہیں ہوگا، لعان میں شوہر و بیوی اپنے آپ پر جھوٹے ہونے کی صورت میں اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں، خود قرآن مجید میں اس کی تفصیل موجود ہے: (۱) لہٰذا اب جب کہ شرعی اعتبار سے لڑکے کی نسبت اس مرد سے ثابت ہو چکی ہے، اس کا شک و شبہ میں پڑنا اور نسب سے انکار کرنا معتبر نہیں؛ بلکہ گناہ ہے، ہاں بعض خاص صورتوں میں ڈی این اے ٹسٹ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اگر اسپتال میں مختلف خواتین کو بچے پیدا ہوں اور بچوں کے مل جانے کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا کہ کون کس کا بچہ ہے؟ اور شرعی اصول کے مطابق مطلوب گواہی فراہم نہ ہو، یا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے سلسلہ میں اشتباہ پیدا ہو جائے، یا حادثات و آفات کے مواقع پر بچے لا پتہ یا خلط ملط ہو جائیں اور ان کے گھر والے کون ہیں؟ اس کی شناخت میں دشواری ہو، یا ایسی نعشیں ہوں جن کی شخصیت کا پتہ لگانا دشوار ہو، اس طرح ایسے جرائم کی تحقیق میں جن پر حد شرعی یا قصاص واجب نہ ہوتا ہو، ڈی این اے ٹیسٹ سے مدد لی جا سکتی ہے، فقہاء نے فیصلہ کے اسباب اور دعویٰ کو ثابت کرنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ قرینۂ قاطعہ (یقینی قرینہ) بھی لکھا ہے، اس حقیر کا خیال ہے کہ ڈی این اے کو بھی قرینۂ قاطعہ شمار کیا جا سکتا ہے، اور جن مقدمات و معاملات میں قرینۂ قاطعہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے ان میں اس نوعیت کے ٹسٹ سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

اجنبی عورت کا بیضہ

سوال:- اگر کسی عورت کو بیماری کی وجہ سے اپنے بیضے

---

(۱) دیکھئے: نور: ۶۔

نہیں بنتے ، جن سے بچہ کی پیدائش ہو سکے ، تو موجودہ دور میں یہ بات ممکن ہوگئی ہے کہ کسی اور عورت کا بیضہ حاصل کرلیا جائے ، اور اس بیمار عورت کے شوہر کے مادۂ منویہ کے ساتھ اسے اس عورت کے رحم میں داخل کردیا جائے ، اس طرح بچہ پیدا ہوسکتا ہے ، وہ اس صورت میں عورت کے جسم میں اس کے شوہر ہی کا مادۂ منویہ منتقل کیا جاتا ہے نہ کہ کسی اجنبی شخص کا ، کیا یہ صورت جائز ہوگی ؟

(ڈاکٹر فرحت جہاں ، جدہ)

جو اب :- اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو امتیازات عطا فرمائے ہیں ، ان میں ایک نسب کی حفاظت بھی ہے ، اور نسب کا تعلق باپ سے بھی ہے اور ماں سے بھی ، فقہاء نے باپ کی طرف سے نسب کی بحث زیادہ اس لیے کی ہے کہ عام طور پر ماں کے نسب میں اشتباہ کا امکان کم ہوتا ہے ، اب اگر بیضہ دوسری عورت کا ہو ، اور اس بچہ کی پرورش کسی اور خاتون کے رحم میں ہو ، تو ماں کی شناخت مشکوک ہو جائے گی کہ اس کو ان دونوں میں سے کس کا بچہ شمار کیا جائے ، دوسرے کسی عورت کا بیضہ لے کر اجنبی شخص کے مادۂ منویہ کو اس کے ساتھ مخلوط کردینا اپنے نتیجہ کے اعتبار سے زنا ہی کی طرح ہے ؛ لہٰذا یہ صورت قطعاً جائز نہیں ۔

نکاح پر زنا کا اثر

سوال :- اگر کسی عورت نے شادی کے بعد زنا کیا اور وہ حاملہ نہیں ہوئی ، یا حاملہ ہوگئی ، تو ان دونوں صورتوں میں نکاح پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے ؟ اور اس سے پیدا ہونے والا بچہ کس کا سمجھا جائے گا ؟

(علی احمد خاں ، بھڑوچ)

جو اب :- اس گناہ کی شناعت تو ظاہر ہے ، کہ شریعت میں اس سے زیادہ سخت کسی اور جرم کی سزا نہیں ؛ لیکن اس کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا ، شادی شدہ عورت کے بارے میں اگر

شوہر دو سال سے غائب نہ ہو تو یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ حمل کسی اور کا ہے اور اگر اتنی مدت کی عدم موجودگی کے باوجود بھی عورت کو ولادت ہو تو بھی بچہ اسی مرد کی طرف منسوب ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ قاضی کے سامنے بچے کے نسب کا انکار کر دے اور قاضی ان دونوں کے درمیان لعان کرا دے؛ (۱) بشرطیکہ وہاں اسلامی حکومت ہو؛ کیوں کہ لعان اسلامی ملک ہی میں ہے۔

(۱) الفتاویٰ الهندیه ۱: ۵۳۲

نکاح سے متعلق متفرق مسائل

اندیشہ ہائے دور دراز کی وجہ سے ضبط ولادت

سوال:- اگر ہمیں یہ اندیشہ ہو کہ ہم اولاد کی صحیح تربیت نہیں کر سکیں گے ؛ حالانکہ ہمارے اوپر ان کی صحیح دینی و دنیوی تربیت کی ذمہ داری ہے ، اور جیسا کہ آپ بھی واقف ہیں کہ عارضی مانع حمل دوائیں طبی نقطۂ نظر سے سخت مضر ہوتی ہیں ، تو کیا ہمیں اس پس منظر میں فیملی پلاننگ آپریشن کی شرعاً اجازت ہے ؟

(ایک بہن ، مقام غیر مذکور)

جواب:- اللہ تعالیٰ ہی اولاد عطا فرماتے ہیں اور ان کی مادی کفالت اور روحانی تربیت بھی اللہ ہی کی مشیت سے ہوتی ہے ، عام طور پر اللہ تعالیٰ ہر عورت کے اندر اپنے بچے کی پرورش و تربیت کی صلاحیت بھی ودیعت فرماتے ہیں اور جیسے جیسے بچہ بڑھتا ہے ، ماں کی ممتا خود سے راستہ بناتی چلی جاتی ہے ؛ اس لئے اس اندیشۂ دور دراز کی وجہ سے آپریشن کرا لینا کہ شاید وہ بچہ کی پرورش نہ کر سکے قطعاً حرام اور ناجائز ہے اور اس طرح کا خیال آنا دراصل شیطان کی طرف سے ہے ، بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت میں رکھی ہے اور اسی لحاظ سے اس کی تخلیق کی ہے ، آپریشن کر کے اس صلاحیت کو ختم کرنا اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کرنے کے مترادف ہے جس کو قرآن مجید نے حکم شیطانی کی پیروی قرار دیا ہے ، ( ) ——

(۱) النساء : ۱۹

اس لئے آپ کبھی اس کا ارتکاب نہ کریں، البتہ ڈاکٹروں کے مشورہ پر مناسب وقفہ دینے کے لئے عارضی مانع حمل دوا استعمال کیا جا سکتا ہے، اور ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق اتفاقی طور پر اس کا استعمال بہت زیادہ مضر نہیں ہے۔

ٹسٹ ٹیوب سے تولید

سوال:- موجودہ دور میں تولید کا ایک جدید طریقہ کار ٹسٹ ٹیوب کی صورت میں وجود میں آیا ہے، اس میں ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ کسی بھی مرد کا جرثومہ منی عورت کے جسم تک پہنچایا جاتا ہے، خواہ وہ اس کا شوہر نہ ہو، یہ صورت تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہوگی، لیکن اگر اس کے شوہر ہی کا جرثومہ لیا جائے اور اس کی بیوی کے جسم میں پہنچایا جائے تاکہ وہ ماں بن سکے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

(ایک ڈاکٹر، محمد یوسف گوڑ)

جواب:- اگر شوہر کا جرثومہ اور اس کی بیوی ہی کا بیضہ لیا جائے اور ان دونوں کو کسی خارجی ٹیوب میں مطلوبہ حرارت کی رعایت کرتے ہوئے بارآور کر کے بیوی کے جسم میں پہنچا دیا جائے، یا مرد کے جرثومہ منویہ میں خود عورت کے رحم تک پہنچنے کی صلاحیت نہ ہو، کسی آلہ کے ذریعہ عورت کے جسم میں پہنچا دیا جائے تو یہ صورتیں جائز ہیں اور علاج کے قبیل سے ہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ عورت کے جسم میں داخل کرنے کا عمل لیڈی ڈاکٹر کے ذریعہ ہو، اس میں صرف ایک ہی قباحت ہے کہ شوہر کو جلق کرنے کی نوبت آتی ہے اور جلق سے منع کیا گیا ہے، لیکن جلق سے ممانعت کی اصل وجہ مادہ حیات کو ضائع کرنا ہے اور یہاں اس فعل کا مقصد مادہ حیات کو کارآمد اور افزائش نسل کا ذریعہ بنانا ہے، اس لئے اس صورت میں ممانعت کا سبب موجود نہیں ہے، —— لیکن جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، شوہر کے علاوہ کسی اور کا جرثومہ منی اور بیوی کے علاوہ کسی اور کے بیضۃ المنی کا استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں، کہ یہ اپنے مآل و انجام کے اعتبار سے زنا اور بدکاری کے مترادف ہے۔

منگنی کی رسم

سوال:- مسلم معاشرہ میں منگنی کی رسم کا شرعی اعتبار سے کیا درجہ ہے؟ (سیدہ کبیرہ تسنیم، ورنگل)

جواب:- ہندوستان کے سماج میں عام طور پر رشتہ طے کرنے کو منگنی کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، منگنی کی رسم میں آج کل تین باتیں شامل ہوتی ہیں، اول چند مرد و خواتین کا لڑکی والے کے یہاں جانا اور لڑکی کو دیکھنا، دوم لڑکے اور لڑکی کے درمیان رشتۂ نکاح طے کرنا، سوم لڑکی والوں کی طرف سے ضیافت کا اہتمام —— جہاں تک لڑکی کو دیکھنے کی بات ہے، تو بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ یہ دیکھنا غیر محسوس طریقہ پر ہو، تاکہ اگر رشتہ طے نہ ہو سکے تو یہ لڑکی کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہو، تاہم اطلاع دے کر جانے کی بھی گنجائش ہے، خاص کر منگنی میں لڑکے کی طرف سے لوگ اس وقت جاتے ہیں، جب کہ اس رشتہ کو قبول کرنے کا رجحان ہو؛ اس لئے رشتہ رد کرنے کے واقعات کم پیش آتے ہیں، جہاں تک رشتہ طے کرنے کی بات ہے؛ تو اس کی حیثیت وعدہ کی ہے، گویا دونوں فریق ایک دوسرے سے اس رشتہ کو انجام تک پہنچانے کا وعدہ کرتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

تیسری چیز لڑکی والوں کی طرف سے ضیافت ہے، ضیافت کا اگر لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ ہو، تب تو قطعاً جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ مطالبہ ناحق ہے اور باطل طریقے پر کھانے میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے: "لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (۱) اگر مطالبہ نہ ہو اور لوگوں کی کثیر تعداد ہو، جیسے پندرہ بیس آدمی پہنچ جائیں، یہ بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ نکاح کے موقع سے شریعت میں ایسی دعوت کا کوئی ثبوت نہیں اور ایسی دعوتیں بتدریج رسم کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں اور پورے معاشرہ کے لئے تنگی کا سبب ہوتی ہیں، البتہ اگر دو چار آدمی چلے جائیں اور لڑکی والے اپنی رضامندی سے ان کی ضیافت کا انتظام

---

(۱) البقرة: ۸۸

کرلیں، تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ عام دعوت کی طرح ہے، افسوس کہ منگنی بھی بتدریج فضول خرچی پر مبنی رسم بنتی جارہی ہے اور اندیشہ ہے کہ یہ شادی کی مسرفانہ تقریبات کا ایک حصہ نہ بن جائے؛ اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے اور سادہ طریقہ پر لڑکی کو دکھا کر رشتہ طے کرلینا چاہئے۔

نوشہ کو مہندی لگانا

سوال:- بعض علاقوں میں شادی کے موقع سے نوشہ کو ہلدی اور مہندی لگانے کا رواج ہے اور عورتیں بدن میں ہلدی ملتی ہیں، کیا شادی کے موقع سے ایسا کرنا جائز ہے؟

(شائستہ پروین، پونے)

جواب:- آپ کے سوال میں دو پہلو قابل توجہ ہیں: ایک ہلدی اور مہندی لگانا، دوسرے مرد کے جسم کو عورت کا ملنا —— پہلی صورت کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مہندی لگانا عورتوں کے لئے تو جائز ہے، مردوں کے لئے نہیں؛ کیوں کہ یہ خالصتاً آرائش اور تزئین ہے۔

" لا بأس بخضاب اليد والرجل ، ويكره للرجال والصبيان : لأن ذلك تزين وهو يباح للنساء دون الرجال " (۱)

البتہ ہلدی لگانے کی وجہ سے جسم کی صفائی ہوتی ہو اور میل وکچیل دور ہوجاتا ہو تو مردوں کے لئے بھی اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ صابن یا کریم وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ نوشہ کے جسم میں عورتوں کے ہلدی وغیرہ لگانے کا ہے، تو اس سلسلہ میں یاد رکھیں کہ ناف سے گھٹنے تک کا حصہ تو بیوی کے سوا کسی کے سامنے کھولنا جائز نہیں، جسم کے باقی

---

(۱) البحر الرائق: ۸/۲۰۶

حصہ کو محرم خواتین جیسے ماں، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ کے سامنے کھولنے ورفتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو ان کا ہاتھ لگانا درست ہے، غیر محرم خواتین جیسے بھاوج، چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد بہنیں وغیرہ —— جن سے نکاح کرنا حلال ہے —— غیر محرم ہیں؛ اس لیے ان سے ہلدی یا مہندی لگوانا قطعاً جائز نہیں اور ان کے سامنے جسم کے ان حصوں کو کھولنا بھی احتیاط کے خلاف ہے، —— ایسی رسمیں عام طور پر منکرات اور بے حیائی کی باتوں کو شامل ہو جاتی ہیں؛ اس لئے بطور رسم کے ان کو کرنا مناسب نہیں، اگر چہرہ صاف کرنے کے لئے کوئی چیز خود لگا لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

قاری نکاح کا مقررہ اجرت سے زیادہ طلب کرنا

سوال:- کیا قاضی صاحبان (قاری النکاح) کی طرف سے لڑکی والوں سے کچھ رقم حاصل کرنا اور لڑکے والوں سے اوقاف کی طرف سے مقرر کردہ فیس سے کچھ زیادہ لینا قاضیوں کے لئے حرام کمائی میں شمار ہوگا؟ (سید خواجہ فخر الدین الحسامی، اعظم پورہ)

جواب:- نکاح پڑھانا ایک عمل ہے، جو نکاح پڑھانے والے پر واجب نہیں؛ اس لئے اس کی اجرت لینا جائز ہے، لیکن چوں کہ مخصوص افراد کو اوقاف کی طرف سے نکاح پڑھانے کی اجازت دی گئی ہے اور ان کے لئے اجرت نکاح بھی متعین کر دی گئی ہے اور نکاح خواں حضرات نے حکومت سے اسی اجرت پر نکاح پڑھنے کا وعدہ کیا ہے؛ اس لئے ان کا مقررہ اجرت سے زیادہ رقم وصول کرنا جائز نہیں، یہ ''اکل بالباطل'' (۱) —— یعنی باطل طریقہ پر کھانے —— میں شامل ہے؛ اس لئے حرام ہے، ہاں اگر عاقدین میں سے کوئی مطالبہ کے بغیر اپنی طرف سے کچھ رقم بڑھا کر دے، تو یہ ہدیہ ہے اور اس کو قبول کر لینے میں مضائقہ نہیں۔

---

(۱) النساء : ۲۹

نکاح سے گریز اور موت کی تمنا

سوال:- میرے کئی مسائل ہیں، جو مجھے بے چین کئے ہوئے ہیں، افغانستان، عراق، فلسطین وغیرہ اور غزہ میں فلسطینیوں کے ساتھ مظالم کے حالات دیکھ کر میں سخت کرب میں مبتلا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں جلد سے جلد مر جاؤں اور دنیا سے چلی جاؤں، البتہ ڈر اس کا ہے کہ میرے گناہ میری نیکیوں سے زیادہ ہیں، میں چاہتی ہوں کہ شادی نہیں کروں اور اپنی زندگی یتیم بچوں کی پرورش اور یتیموں کی مدد میں گزار دوں۔ (اسماء، انت پور)

جواب:- اللہ تعالی کی طرف سے امتحان اور ابتلاء کا پیش آنا کوئی نئی بات نہیں ہے، بعض دفعہ اللہ تعالی اس کے ذریعہ اپنے بندوں کی تربیت فرماتے ہیں کہ ان کے اندر ہر حال میں صبر و رضا کی صلاحیت پیدا ہو اور بعض دفعہ آزمائشیں انسان کے اعمال کی پاداش بھی ہوتی ہیں، اس لئے موجودہ حالات سے مایوس ہونے اور حوصلہ ہار دینے کے بجائے اسلام کی سر بلندی کی دعاء کرنی چاہئے —— جہاں تک موت کی تمنا کرنے کی بات ہے تو یہ جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے: " لا يتمنى أحدكم الموت "(۱) ہاں یہ دعاء کی جاسکتی ہے:

" اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ مَا كَانَتِ الْمَمَاتُ خَيْرًا لِّيْ " (۲)

" اے اللہ میرے لئے جب تک زندہ رہنے میں خیر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت میں خیر ہو تو مجھے اٹھالے "

---

(۱) بخاری، باب النهي عن التمني بالموت، حدیث نمبر: ۱۸۰۸، نیز: دیکھئے: مسلم، باب كراهية تمني الموت، حدیث نمبر: ۲۶۸۲

(۲) بخاری، كتاب المرضى، باب تمني المريض الموت، حدیث نمبر: ۵۶۷۱

اسی طرح نکاح نہ کرنے کا ارادہ مناسب نہیں، جس میں نکاح کی صلاحیت ہو، رسول اللہ ﷺ نے اسے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ نکاح کے ذریعہ نگاہ پست رہتی ہے اور یہ عزت و آبرو کا محافظ ہے: " فإنه أغض للبصر و أحصن للفرج " (۱): اس لئے یہ خیالات شیطانی وساوس ہیں، ان سے بچیں، ہاں، یتیم بچوں کی پرورش کرنا اور مظلوموں کی مدد کرنا بہت اچھا عمل ہے، اور جب آپ زندہ رہیں گی اور شادی کے بعد ایک نئی زندگی کی تعمیر کریں گی تبھی آپ ذہنی سکون کے ساتھ اپنے ان عزائم کو بھی پورا کرسکیں گی۔

ماہ محرم اور شادی

سوال:- بعض حضرات محرم کے مہینے میں شادی کرنا نہیں چاہتے ہیں، تو بتایا جائے کہ کس ماہ میں شادی کرسکتے ہیں، یا نہیں؟　　(عامر، وقار آباد)

جواب:- اسلام میں نہ کوئی مہینہ، نہ کوئی دن یا کوئی وقت منحوس اور نامبارک نہیں، اور محرم کا مہینہ تو بہت سی فضیلتوں کا حامل ہے، خود یوم عاشوراء کے بھی بڑے فضائل ہیں، محض اتفاق ہے کہ اسی دن رسول اللہ ﷺ کے محبوب نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا دل دوز واقعہ پیش آیا، لیکن اس واقعہ کی وجہ سے یہ سمجھ لینا کہ اس دن یا اس مہینے میں شادی نہ کی جائے، نہایت ہی غلط ہے، کیونکہ اسلام تو دلیروں اور جاں نثاروں کا دین ہے، کوئی مہینہ اور کوئی تاریخ نہیں، جس میں کسی صحابی، یا اسلام کے کسی بڑے مجاہد و رہنما کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو، تو کیا اس کی وجہ سے ان تمام مہینوں اور دنوں میں نکاح سے پرہیز کیا جائے گا؟ اسلام سے پہلے شوال کے مہینہ میں عرب شادی بیاہ نہیں کرتے تھے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شوال ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور شوال ہی میں آپ کی رخصتی ہوئی، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان کے خاندان کی عورتوں کا نکاح شوال میں ہوا کرے، (۲) اس عمل سے یقیناً آپ ﷺ کا مقصود

---

(۱) بخاري، باب من لم يستطع الباءة فليصم، حديث نمبر: ۱۹۰۵

(۲) الجامع للترمذي ۱/۲۰۷

سفید لباس پہننے کی بات آتی ہے تو اسے بیواؤں کا لباس کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے، براہ کرم شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(ثریا بیگم، پہاڑی شریف)

جواب:- شریعت میں کچھ امور متعین کر دیے گئے ہیں اور کچھ امور وہ ہیں جن کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی گئی ہے، یہ جو دوسری طرح کے مسائل ہیں ان کے بارے میں شریعت کی طرف سے سکوت امت کے لئے رحمت ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ آدمی اپنے منشاء و خواہش کے مطابق عمل کر سکتا ہے، لباس اور خاص کر لباس عروسی بھی ایسی ہی چیز وں میں ہے، بس اس کی رعایت ضروری ہے کہ لباس ساتر ہو، مردوں کا لباس ریشمی نہ ہو، بہت شوخ کلر نہ ہو اور مردوں کا لباس عورتوں کے اور عورتوں کا لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو، خواتین کے لئے سرخ رنگ کا لباس بھی جائز ہے اور سفید رنگ کا بھی، جیسے ہندوستان میں تمام قوموں کے لوگ —— جن میں ہندو بھی شامل ہیں —— سرخ رنگ کا لباس استعمال کرتے ہیں، اسی طرح یورپ میں عیسائی اور دوسری قوموں کے لوگ دلہنوں کو سفید رنگ کا لباس پہناتے ہیں، اس کا مذہب سے تعلق نہیں ہے، تہذیب سے تعلق ہے، تہذیب ایک مقام پر رہنے والی مختلف اکائیوں کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، اگر کوئی تہذیبی عمل ایک ہی مذہبی گروہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو تو وہ غیر مسلموں کی مشابہت کے دائرہ میں نہیں آتا؛ اس لئے دلہنوں کا لباس عروسی سرخ ہو تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ آج کل نوشہ ایسے کامدار لباس استعمال کرتے ہیں، اور ایسے کلر کے کپڑے پہنتے ہیں، جو بعض اوقات خواتین کے لباس کے بہت زیادہ مشابہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ فیشن کے طور پر مرد حضرات بھی اوڑھنیاں استعمال کرتے ہیں، یہ صورت مکروہ تحریمی یعنی قریب بہ حرام ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو عورتوں اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔(۱)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال۔ حدیث نمبر: ۵۸۸۵

نکاح کے موقع پر طرفین کا ایک دوسرے کو عیب سے مطلع کرنا

سوال:- کیا نکاح سے پہلے فریقین پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نقص سے ایک دوسرے کو آگاہ کریں؟ اگر کوئی بیرونی نقص یا بیماری سے متاثر ہو تو اسے مزید تحقیق کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ وہ عیاں ہے، بلکہ جیسا کہ کوئی توارثی نقص یا بیماری اور زندگی میں نمو پانے والی نقص یا بیماری کا حامل ہو تو کیا اس صورت میں بھی آگہی ضروری ہو جاتی ہے؟ اور کیا اسے مطلع کر دینا ضروری ہے؟

(ایم، وائی، ایم، مقام غیر مذکور)

جواب:- نکاح سے پہلے شریعت نے دوسرے فریق کو دیکھنے کی اجازت دی ہے، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ظاہری نقائص میں تو مبتلا نہیں، اس حد تک شریعت میں گنجائش ہے، رہ گئی اندرونی بیماریاں، تو اس سے کوئی انسان خالی نہیں ہے، اچھے خاصے بظاہر صحت مند آدمی کا بھی ٹسٹ کرایا جائے تو بہت سی بیماریاں نکل آئیں گی اور اس کو معیار بنایا جائے تو نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی دشوار ہو جائے گی، شریعت کا مزاج یہ ہے کہ ایسی کھود کرید میں نہ پڑا جائے؛ البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ جس سے اس کی شادی ہو رہی ہے، اس سے دوسرا فریق اس میں پائی جانے والی بیماریوں کے بارے میں دریافت کرے یا کسی اور ایسے آدمی سے دریافت کرے جو اس کی صحت کے بارے میں واقف ہو تو اس صورت میں سچائی کا اظہار ضروری ہے اور اس پر پردہ ڈالنا دھوکہ ہونے کی وجہ سے گناہ ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی فریق ایسے نقص میں مبتلا ہو، جس سے دوسرے کو شدید ضرر پہنچ سکتا ہو، جیسے وہ ایڈس یا سوزاک یا آتشک وغیرہ جیسی متعدی بیماریوں میں مبتلا ہو، یا ایسی بیماری میں، جس سے دوسرے فریق کا حق مارا جاتا ہو، جیسے لڑکے کا نامرد ہونا یا طرفین میں سے ایک کا جنون کے مرض میں مبتلا ہونا، دونوں صورتوں میں واجب ہے کہ دوسرے فریق کو صورت حال سے مطلع کر دے؛ کیوں کہ جانتے بوجھتے کسی مسلمان کو ضرر میں مبتلا کرنا جائز نہیں ہے، آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا ضرر ولا ضرار" (۱)

چھپا کر نکاح کرنا شریعت کی روح کے خلاف ہے

سوال:- کیا محفل نکاح میں صرف چار آدمیوں کی موجودگی میں نکاح ہو جاتا ہے، کیا اس کو تسلیم کر سکتے ہیں، ایک لڑکی کے والد جو وکیل ہوں، دوسرے گواہ جو رشتہ کے بھائی ہوں اور تیسرے گواہ بھی رشتہ کے بھائی ہوں، اور والد بھی گواہ ہوں یا محفل نکاح میں ایک بڑی تعداد کا ہونا ضروری ہے؟ (ایم اے خلیق، بہادر پورہ)

جواب:- نکاح کے منعقد ہونے کے لئے کافی ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت دو مرد گواہ یا ایک مرد دو عورتیں موجود ہوں اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ولی ہو، اگر یہ دونوں بالغ ہوں تو ولی کا ہونا ضروری نہیں، اگر لڑکی نے کسی کو وکیل بنا دیا تب بھی کافی ہے؛ اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں نکاح منعقد ہوگیا؛ لیکن آپ ﷺ نے نکاح کے اعلان واظہار کی ترغیب دی ہے؛ تاکہ ایک حلال رشتہ سے زیادہ سے زیادہ لوگ واقف ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اعلنوا النکاح" (۲)، اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: نکاح اور سفاح یعنی زنا اور نکاح کے درمیان گواہی سے ہی فرق واقع ہوتا ہے: "الفرق بین النکاح والسفاح الشهود" (۳) اس لئے اس طرح نکاح کی محفل منعقد کرنا کہ خاندان کے لوگوں سے نکاح مخفی رہے، عام لوگوں کو خبر نہ دی جائے اور اولیاء کو اعتماد میں نہ لیا جائے، اسلام کی روح اور شریعت کے مزاج کے خلاف ہے؛ اس لئے نوجوانوں کو چاہئے کہ ایسے نکاح سے بچیں اور اپنے اولیاء کو اعتماد میں لے کر نکاح کریں کہ اس میں ان ہی کی بھلائی ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، حدیث نمبر: ۲۳۴۰

(۲) مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۶۱۷۵

(۳) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب النكاح، باب لا نكاح إلا بشاهدين عدلين، حدیث نمبر: ۱۳۴۹۸، مصنف عبد الرزاق عن طاؤس، حدیث نمبر: ۱۰۴۹۰

کتاب الفتاوی
کتاب الرضاعة
رضاعت سے متعلق مسائل

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو نکاح نہ کرلے، بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے:

"أنت أحق به ما لم تنكحي" (۱)

اسی لئے فقہاء نے عورت کے استحقاقِ پرورش کے لئے شرط لگائی ہے کہ اس نے کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو، جو بچوں کے حق میں اجنبی ہو:

"ومنها أن لا يكون ذات زوج أجنبي من الصغير، فإن كانت، فلا حق لها في الحضانة" (۲)

اس لئے حامدہ کا حقِ پرورش باقی نہیں رہا، البتہ ماں کے بعد نانی کو، نانی کے بعد دادی کو اور دادی کے بعد خالہ وغیرہ کو حقِ پرورش حاصل ہوتا ہے؛ اس لئے لڑکی باپ کے حوالہ نہیں کی جائے گی، بلکہ حقِ پرورش کی ترتیب کے لحاظ سے کسی خاتون کے حوالہ کی جائے گی۔

بیٹیوں کی پرورش اور ان کا نکاح

سوال:- میری تین لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں، شوہر بہت تعلیم یافتہ اور دینی و دنیوی تعلیم کے حامل ہیں، مال و جائداد کی بھی کمی نہیں؛ لیکن لڑکیوں کی شادی کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں، میری بڑی لڑکی کی عمر چالیس سال ہو چکی ہے، اب تک تیس سے زیادہ رشتے آچکے ہیں، سب کو واپس کردیتے ہیں، مجھ سے اور لڑکیوں سے دل دکھانے والی باتیں کرتے ہیں، اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ اس سلسلہ میں باپ کی ذمہ داری پر روشنی ڈالیں اور کوئی دعاء بتائیں؛ تاکہ بچیوں کی شادی جلدی ہو جائے۔

(آمنہ بی، شاد نگر)

---

(۱) مسند أحمد، حدیث نمبر: ۶۷۰۷، حاکم، حدیث نمبر: ۲۸۳۰، سنن البیہقی، حدیث نمبر: ۱۵۵۴۱

(۲) بدائع الصنائع: ۴۵۸:۳

شمار ہوں گے؛ البتہ جن لوگوں نے پیار و محبت کے ساتھ کسی بچہ کی پرورش کی ہے، ان کو پرورش کا شایانِ شان اجر حاصل ہوگا اور ممکن ہے کہ یہ اجر ان کے اصل ماں باپ سے بھی بڑھ جائے۔

جوان بہو کا تنہا سسر کے ساتھ ایک مکان میں رہنا

سوال:- میرے سسر کی عمر ۵۰ سے ۶۰ کے درمیان ہوگی، میری خوش دامن کا انتقال ہو چکا ہے اور میرے شوہر بیرونِ ملک رہتے ہیں، اس طرح اپنے گھر میں تنہا ہوں، میں چاہتی ہوں کہ شوہر کی عدم موجودگی میں میکہ میں رہوں، تنہا خسر کے ساتھ ایک مکان میں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے؛ لیکن شوہر کا اصرار ہے کہ میں سسر کے ساتھ ہی رہوں؛ کیونکہ وہ محرم ہیں اور باپ کے درجہ میں ہیں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

(ایک بہن، مقام غیر مذکور)

جواب:- خسر اور بہو ایک دوسرے کے لیے محرم ہیں اور واقعی باپ بیٹی کے درجہ میں ہیں؛ لیکن چونکہ بہو اصلاً ایک اجنبی عورت ہوتی ہے، اور نکاح کے ذریعہ یہ رشتہ وجود میں آتا ہے؛ اس لیے باپ اور بیٹی کے درمیان جو فطری حجاب ہوتا ہے اور برائی کے تصور سے طبعی گریز کی جو کیفیت ہوتی ہے، سسر اور بہو کے درمیان اس کا ہونا ضروری نہیں؛ اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ رضاعی بہن اور بہو اگر جوان ہوں تو ان کو تنہا ایک مکان میں رہنے سے منع کیا جائے گا؛ کیونکہ ایسے مواقع پر فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

"وان كانت الصهرة شابة فللجيران ان يمنعوها منه اذا خافوا عليها الفتنة" (۱)

اس لیے بحالت موجودہ آپ کا میکہ میں رہنا ہی مناسب ہے، اس کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے خسر دوسرا نکاح کرلیں؛ تاکہ گھر میں تنہائی باقی نہ رہے۔

(۱) ردالمحتار ۹:۵۳۰

دودھ کے رشتہ سے متعلق مسائل

بیوی کا دودھ پی جانا

سوال:- "الف" کے شوہر جب بھی مباشرت کرتے ہیں تو وہ تھوڑا سا پستانوں کا دودھ پی لیتے ہیں، کیا اسلام میں یہ جائز ہے، یا یہ گناہ کبیرہ ہے؟ (الف، رائچور)

جواب:- (الف) انسان کے کسی حصہ کو اسی طرح استعمال کرنے کی اجازت ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، عورت کا دودھ دو یا ڈھائی سال کی عمر تک ہی جائز ہے، اس کے بعد شوہر تو کجا اولاد کے لیے بھی عورت کا دودھ پینا جائز نہیں ہے:

"و لم يبح الإرضاع بعد مدته : لأنه جزء آدمي و الانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح"(۱)

(ب) البتہ چونکہ نکاح کی حرمت دو ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پینے ہی کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے یہ فعل گو گناہ ہے، لیکن اس سے زوجین کے درمیان حرمت پیدا نہیں ہوتی اور اس کا نکاح پر اثر نہیں پڑے گا:

"... إذا مص الرجل ثدي امرأته و شرب لبنها لم تحرم عليه لما قلنا إنه لا رضاع بعد الفصال"(۲)

---

(۱) رد المحتار ۳: ۳۹۷ (۲) الهندية : ۱۴۲/۱

بالواسطہ دودھ پلانے سے حرمت

سوال:- ہندہ نے بچے کو اپنے پستان سے دودھ نہیں پلایا؛ لیکن اس نے چمچے میں دودھ لے کر اس کے حلق میں ڈالا، تو کیا اس صورت میں بھی عورت اس کے لئے دودھ ماں ہو جائے گی؟

(پروین بانو، کوناٹ)

جواب:- اس بات کی اہمیت نہیں ہے کہ دودھ براہ راست پستان سے پلایا گیا ہو یا کسی برتن کے واسطے سے، اور حلق کے ذریعہ دودھ پہونچایا گیا ہو یا ناک کے ذریعہ، بلکہ دودھ پینے کی مدت کے اندر کسی بھی ذریعے سے عورت کا دودھ اس کے پیٹ میں پہونچایا گیا تو حرمت پیدا ہو جائے گی، کیوں کہ دودھ ہی اصلاً اس کی نشو ونما کا ذریعہ بنتا ہے:

"ويستوي في تحريم الرضاع الارضاع من الثدي والإسعاط والإيجار؛ لأن المؤثر في التحريم هو حصول الغذاء باللبن إلخ" (۱)

کیا ایک دفعہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے؟

سوال:- میں نے اپنی تائی سے صرف ایک مرتبہ دودھ پیا ہے، تایازاد بہن کا جھوٹا نہیں، بلکہ اس کے چھوٹے بھائی کا، اب میں اس کی تو نہیں، بلکہ تایازاد کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، کیا میں ایسا کر سکتا ہوں؛ کیوں کہ میں نے ایک عالم صاحب سے پوچھا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر ایک یا دو مرتبہ دودھ پیا ہے تو حرمت قائم نہیں ہوتی۔ (نام ومقام غیر مذکور)

جواب:- اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک

---

(۱) بدائع الصنائع ۳ / ۴۰۳

ایک دفعہ بھی دودھ پی لے تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے: "و یثبت به و ان قل" (۱) کیونکہ خدا تعالیٰ نے مطلق دودھ پینے کو رشتۂ حرمت پیدا ہونے کا سبب قرار دیا ہے:

﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (۲)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک دو دفعہ کے دودھ پینے سے حرمت کے قائل نہیں ہیں تو ان کی تردید کرتے ہوئے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: اللہ کا فیصلہ ان کے فیصلے سے بہتر ہے: "قضاء الله خير من قضائه" (۳)

اس لئے آپ کے بیان کے مطابق لڑکی آپ کی رضاعی بھتیجی ہے اور اس سے آپ کا نکاح حرام ہے، حرام و حلال کے معاملہ میں ہمیشہ احتیاطی پہلو پر عمل کرنا چاہئے، بالخصوص نکاح کے معاملہ میں، کیونکہ نکاح زندگی بھر کا مسئلہ ہے اور اگر اس میں کوئی غلطی ہو گئی تو ہمیشہ گناہ میں مبتلا رہنے کی نوبت ہے، لہٰذا آپ اس سے باز رہیں۔

مدت رضاعت سے زیادہ دودھ پلانا

سوال:- میں نے خود اپنے تمام بچوں کو دودھ پلایا ہے، میری ایک لڑکی کی عمر تقریباً تین سال ہو چکی ہے، لیکن وہ میرا دودھ چھوڑتی ہی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ کتنی مدت تک بچوں کو دودھ پلا سکتے ہیں؟ (فاطمہ تبسم، گوس کنڈہ)

جواب:- زیادہ تر فقہاء کے یہاں دودھ پلانے کی مدت دو سال تک ہے، اور قرآن و حدیث سے بھی بظاہر اسی نقطۂ نظر کی زیادہ تائید ہوتی ہے، اسی لیے دو سال پر دودھ چھڑا دینا چاہئے، بعض دلائل کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول ڈھائی سال تک دودھ پلانے

---

(۱) درمختار ۳؍۲۱۳، باب الرضاع (۲) النساء: ۲۳

(۳) الدر المختار ۳؍۲۱۹

کے جواز کا ہے؛ اسی لیے اگر دو سال میں بچہ دودھ نہ چھوڑے تو ڈھائی سال میں تو چھڑا ہی دینا چاہیے؛ لیکن ڈھائی سال کے بعد مزید دودھ پلانا درست نہیں، فتاویٰ سراجیہ میں ہے: " لا ینبغی ان ترضع الولد بعد ثلاثین شهرا " (۱) کیوں کہ دودھ انسانی اجزاء میں سے ہے اور اصولی طور پر اجزاءِ انسانی سے فائدہ اٹھانا درست نہیں۔

---

(۱) فتاویٰ سراجیہ، ص: ۴۱

کتاب الفتاویٰ

نواں حصہ

کتاب الطلاق

طلاق سے متعلق مسائل

طلاق واقع ہونے کا بیان

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

سوال:- طلاق کا صحیح اسلامی طریقہ کیا ہے؟ اگر کوئی شخص غصہ میں یا بحالت جوش و ہوش اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ اگر وہ بعد میں اس شادی کو برقرار رکھنا چاہے تو اس طلاق کو کالعدم کرنے کا درست طریقہ کیا ہے؟ قرآن و حدیث اور علماء کی آراء کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

(عمران عبدل، دہلی)

جواب:- (الف) طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ طلاق ایک مجبوری میں دی جائے، جو شرعاً معتبر ہو، کسی معقول سبب کے بغیر طلاق دینا درست نہیں، کیوں کہ طلاق شریعت میں ایک نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہے اور اس کی وجہ سے نہ صرف مطلقہ عورت دشواری سے دوچار ہوتی ہے، بلکہ بچوں اور دونوں خاندانوں پر بھی اس کے مضر اثرات پڑتے ہیں؛ اس لئے اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو تو پہلے باہمی افہام و تفہیم سے کام لینا چاہئے، اس سے کام نہ چلے تو بیوی کو اپنے گھر میں رکھتے ہوئے چند دن میاں بیوی کا مخصوص تعلق نہ رکھے؛ تاکہ بیوی کو اپنی غلطی کا احساس ہو، اگر اس سے بھی بیوی کی اصلاح نہ ہو سکے تو معمولی اور برائے نام سرزنش کی اجازت ہے، مگر اس کے باوجود بھی اصلاح حال نہ ہو سکے، تو دونوں خاندان کے ایک ایک

بزرگ کو یا کسی اور دیندار سمجھ دار آدمی کو فریقین حَکَم بنا دیں، وہ تمام معاملات کو سن کر فیصلہ کریں، میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کو حل کرنے کا یہی طریقہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے،(۱) اگر اس کے باوجود معاملہ حل نہیں ہوسکے اور اختلاف باقی رہے تو ایسی پاکی کی حالت (طہر) میں —— جس میں بیوی سے مخصوص تعلق قائم نہیں کیا ہو —— لفظ "طلاق" کے ذریعہ ایک طلاق دے دی جائے، اگر اپنے عمل پر ندامت ہو تو عدت گزرنے سے پہلے لوٹانے کی گنجائش ہے اور اگر بالکل علاحدگی چاہتا ہو تو عدت گزر جانے دے، عدت گزرنے کے بعد خود بخود طلاق بائن ہو جائے گی اور رشتۂ نکاح منقطع ہو جائے گا، بلا کسی معقول وجہ کے طلاق دینا، نیز حیض کی حالت میں یا ایسے طہر میں طلاق دینا، جس میں بیوی سے مخصوص تعلق قائم کر چکا ہو یا ایک ساتھ ایک سے زیادہ طلاق دینا شرعاً نامناسب طریقہ ہے۔(۲)

(ب) اگر غصہ اتنا غیر معمولی تھا کہ جنون یعنی پاگل پن کی حد میں داخل ہو گیا، کیا کر رہا ہے اور کیا بول رہا ہے؟ اس کی تمیز بھی باقی نہیں رہی، تو ایسے غصہ میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن اگر ایسا غصہ تھا، جو عام طور پر لوگوں کو آیا کرتا ہے، تو اسی کیفیت میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔(۳)

(ج) اگر اپنی بیوی کو ایک مجلس یا مختلف مجلسوں میں تین طلاقیں دے دے، تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، جمہور فقہاء و محدثین —— امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ —— کی یہی رائے ہے، اس صورت میں رشتۂ نکاح مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے اور اب ان دونوں کے درمیان نکاح نہیں ہو سکتا، ہاں، اگر اتفاق سے اس عورت کا دوسرا نکاح ہوا، نکاح کے بعد دوسرے شوہر سے میاں بیوی کا تعلق بھی قائم ہوا، پھر اس نے طلاق دے دی اور عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر اور عورت کے درمیان دوبارہ نکاح کرنے پر اتفاق ہو جائے تو اب دوبارہ ان دونوں کا نکاح ہو سکتا ہے۔(۴)

---

(۱) النساء: ۳۵ (۲) رد المحتار: ۴۳۴-۴۳۵/۴

(۳) رد المحتار: ۴۵۲/۴ (۴) البقرة: ۲۳۰

’’طلاق دے دیتا ہوں‘‘ سے طلاق

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں بار بار سمجھاتا ہوں، لیکن تم اپنا رویہ نہیں بدلتی، دیکھو پھر فلاں کام کیا تو میں طلاق دے دیتا ہوں، اس طرح کہنے کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ (محسن علی، محبوب نگر)

جواب:- محض یہ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ حیدرآباد کے محاورہ میں اس طرح کی تعبیر مستقبل میں وعدہ کو بتانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے ایسی حرکت کی تو میں مارتا ہوں یعنی اگر تم ایسی حرکت کروگے تو میں ماروں گا؛ اس لئے یہ وعدۂ طلاق ہے کہ اگر تم نے اپنا رویہ درست نہیں کیا تو میں طلاق دے دوں گا اور وعدۂ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

حالت نیند میں طلاق

سوال:- ضلع جلپائی گوڑی کے ایک مسلم جوڑے کے بارے میں اطلاع آئی ہے، جن کے نام آفتاب انصاری اور سہیلہ ہیں کہ گیارہ سال قبل ان کی شادی ہوئی، انھیں تین بچے بھی ہیں، شوہر نے نیند کی حالت میں تین مرتبہ طلاق دی، مقامی مذہبی رہنماؤں نے اس کی وجہ سے زوجین کو ایک دوسرے سے علاحدہ رہنے کی ہدایت دی ہے، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؟ (محمد محسن، سعید آباد)

جواب:- شریعت کے تمام احکام عقل و مصلحت کے مطابق اور فطرت سے ہم آہنگ ہیں؛ اسی لئے تمام احکام عقل و شعور کی حالت سے متعلق کئے گئے ہیں، نیند کی حالت میں عارضی طور پر انسان عقلی استحضار سے محروم ہوجاتا ہے؛ اس لئے اگر کسی شخص نے نیند کی

حالت میں کلمات طلاق کہے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں اور طلاق واقع نہیں ہوگی ، فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے : " ولا یقع طلاق الصبی …… و النائم "(۱) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے ، یعنی ان کا تصرف معتبر نہیں ہے : ایک : نابالغ بچہ تا آنکہ بالغ ہو جائے ، دوسرے : سویا ہوا شخص تا آنکہ بیدار ہو جائے ، تیسرے : پاگل تا آنکہ صحت مند ہو جائے ۔ (۲) یہ رائے صرف حنفیہ ہی کی نہیں ، دوسرے فقہاء کی بھی ہے ، بظاہر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ کسی ذمہ دار عالم دین مفتی نے اس طرح کا فتوی دیا ہو ۔

طلاق کا وسوسہ

سوال :- میرے ایک دوست ہیں ، ان کو شک کی بیماری ہے ، ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں بار بار طلاق کے بارے میں سوچتا رہتا تھا ، شاید ہم نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہوگی ، اس کی وجہ سے وہ بعض وقت ہفتوں بیوی سے الگ رہتے ہیں ، گھر کے لوگ ان کی کیفیت سے پریشان ہیں ، ان کے دل میں طلاق کا خیال جم چکا ہے ، کیا اس کی وجہ سے ان کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی ؟

(ممتاز احمد خاں ، ٹولی چوکی)

جواب :- شریعت کے احکام اختیاری چیزوں پر مرتب ہوتے ہیں ، جو چیز انسان کے اختیار ہی میں نہ ہو ، اس سے عام طور پر شرعی احکام متعلق نہیں ہوتے ، دل کے خیالات انسان کے قابو کی چیز نہیں ہیں ، مختلف قسم کے اچھے برے خیالات دل میں آتے رہتے ہیں ، ان کو روکنا انسان کی قدرت میں نہیں ہے ؛ اس لئے اس پر کوئی حکم نہیں لگتا ، قرآن مجید میں اصول بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی باتوں کا مکلف بناتے ہیں ، جو انسان کی قدرت میں ہو : ﴿لا

---

(۱) الفتاوی الهندية : ۱/۳۵۳

(۲) سنن أبي داؤد ، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا ، حدیث نمبر : ۴۳۹۸

یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۱)——دوسرے طلاق زبان کا فعل ہے نہ کہ دل کا، جب زبان سے طلاق کے الفاظ کہے جائیں اور کہنے والے کو اس کا پورا یقین ہو، بلا کسی دلیل کے محض طلاق دے دینے کا شبہ نہ ہو تب طلاق واقع ہوتی ہے ؛ آپ کے دوست کی جو کیفیت ہے، وہ دراصل ایک طرح کی ذہنی بیماری ہے، جس کو "وسوسہ" کہتے ہیں، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے ؛ اس لئے آپ انہیں سمجھائیں کہ دل میں طلاق کا خیال ؛ بلکہ اس کا ارادہ کتنا بھی پختہ ہو جائے، جب تک وہ زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے، طلاق واقع نہیں ہوگی، پس جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں ان کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، خود بعض آثار میں صراحت آئی ہے کہ طلاق کے وسوسے سے طلاق واقع نہیں ہوتی:

"قال عقبة بن علمر : لا يجوز طلاق الموسوس" (۲)

اگر بیوی ایچ آئی وی سے متاثر ہو

سوال:- دو سال پہلے میری شادی ہوئی اور مجھے نو ماہ کی ایک لڑکی بھی ہے، اب میڈیکل ٹسٹ سے انکشاف ہوا ہے کہ میری بیوی کے اندر ایچ آئی وی انفکشن پایا جاتا ہے، یعنی وہ ایڈس کی بیماری میں مبتلا ہے، میرے گھر کے لوگوں کا کہنا ہے کہ میں اسے طلاق دے دوں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(عبد اللہ، کرنول)

جواب:- پہلی بات تو آپ یہ ذہن میں رکھیں کہ ایڈس کا بنیادی سبب تو یقیناً زنا اور غلط جنسی رویہ اختیار کرنا ہے ؛ لیکن یہ متعدی بیماری ہے اور خون کے ذریعہ بھی ایک انسان سے دوسرے انسان کی طرف منتقل ہوتی ہے ؛ اس لئے کسی شخص کا ایڈس میں مبتلا ہونا لازماً اس

---

(۱) البقرۃ : ۲۸۶

(۲) صحیح البخاري تعليقا ، كتاب الطلاق ، باب الطلاق في الإغلاق والكره

کے گنہگار اور بدکار ہونے کو مستلزم نہیں ؛ اس لئے آپ اپنی بیوی کے بارے میں بدگمان نہ ہوں اور ایک مریض کے ساتھ ہمدردی و بہی خواہی اور محبت و دلداری کی جو تعلیم دی گئی ہے ، اس کے مطابق آپ اور آپ کے اہل خانہ اپنا برتاؤ کریں ۔

ایڈس کے مریض کے ساتھ ہمبستری چوں کہ اس بیماری کے متعدی ہونے کے موثر اسباب میں سے ایک ہے ؛ اس لئے مناسب ہوگا کہ آپ طلاق نہ دیں ؛ لیکن ان سے یا تو صحبت نہ کریں یا کریں تو کنڈوم کا استعمال کریں ، تا کہ خود آپ کی صحت کی حفاظت ہو سکے ، ایک ایسی عورت جو پہلے سے بظاہر موت کی دہلیز پر کھڑی ہو ، اس کو طلاق دے کر مزید صدمہ سے دو چار کرنا شرافت و مروت کے خلاف ہے ، اس کے علاوہ آپ کے لئے دوسرے نکاح کی گنجائش بھی موجود ہے ، آپ دوسرا نکاح کر سکتے ہیں ، اللہ تعالیٰ آپ کی دشواری کو آسان فرمائے ۔

طلاق رجعی

ایک طلاق اور رجعت کے بعد باقی حق طلاق

سوال:- زید اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر اندرون تیس دن رجوع کر لیتا ہے، مفتیان کرام فرماتے ہیں کہ اب زید کے پاس دو طلاق کی گنجائش ہے، دوسرے مفتی صاحب کا خیال ہے کہ زید نے بیوی کے ساتھ درگذر کا معاملہ کیا ہے؛ اس لئے اس کے پاس طلاق کا حق جوں کا توں ہے، اس سلسلہ میں صحیح رہنمائی مطلوب ہے؟ (عبدالرحیم، یاقوت پورہ)

جواب:- اگر زید نے اپنی بیوی کو ایک دفعہ یا دو دفعہ طلاق دی اور طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیا تو ایسا کرنا جائز ہے اور اس کا ازدواجی رشتہ باقی رہے گا ؛ لیکن اس کی وجہ سے حق طلاق میں کمی ہو جائے گی، یعنی اب شوہر کو پہلی صورت میں دو اور دوسری صورت میں ایک ہی طلاق کا حق باقی رہے گا، آئندہ اس نے یہ طلاق دے دی تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی اور شوہر و بیوی ایک دوسرے کے لئے مکمل طور پر حرام ہو جائیں گے، رجعت کرنے کی وجہ سے پچھلی طلاقوں کا اثر ختم نہیں ہوگا، غرض کہ ان لوگوں کی رائے درست ہے جو کہتے ہیں کہ زید کو دو طلاق ہی کا حق باقی رہا۔

طلاق کنایہ

"میں نے تمہیں آزاد کیا" سے طلاق

سوال: - اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ بیوی کو ایک بار یا کئی مواقع پر کہا کہ "میں نے تمہیں آزاد کیا" "میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں" وغیرہ تو کیا طلاق واقع ہوجاتی ہے؟ (عبدالرحمن، غیر مذکور)

جواب: - اگر طلاق ایسے الفاظ سے دی جائے، جن میں طلاق کے علاوہ دوسرے مفہوم کا بھی احتمال ہو تو اسے طلاق بالکنایہ کہتے ہیں، یہ الفاظ بھی اسی نوعیت کے ہیں، "آزاد کیا" کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح سے آزاد کردیا، اور خدمت سے آزاد کرنے کا معنی بھی ہوسکتا ہے، "چھوڑ دینے" کے معنی کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ میں نے تم کو اپنی بیوی باقی نہیں رکھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں تم سے ترک تعلق کرتا ہوں، لہٰذا ان الفاظ کا شمار الفاظ کنایہ کے ذریعہ طلاق میں ہوگا۔

اور ایسے الفاظ کا حکم یہ ہے کہ طلاق کی نیت و ارادہ ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اور چوں کہ طلاق بائن سے عورت نکاح سے خارج ہوجاتی ہے، اس لیے دوبارہ طلاق بائن واقع نہیں ہوتی، لہٰذا جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں اگر کہنے والے نے طلاق مراد نہیں لی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور اگر طلاق مراد لی تھی تو پہلی دفعہ جب یہ کلمات کہے، اس وقت ایک طلاق بائن واقع ہوئی، اور بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی، اس

کے بعد ان کلمات کے کہنے سے دوسری اور تیسری بار طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا اگر دونوں ازدواجی زندگی پر راضی ہوں تو گنجائش ہے کہ تجدید نکاح کرلیں، اور جب تک نکاح نہ ہو جائے ایک دوسرے سے الگ رہیں؛ البتہ اس طرح کے کلمات بار بار زبان پر لانا دین واخلاق کے تقاضہ کے خلاف ہے۔

اگر کہے "طلاق دے دوں گا"؟

سوال:- میرے شوہر مجھے غصہ میں بار بار کہتے ہیں کہ تم کو طلاق دے دوں گا، کبھی کہتے ہیں کہ میری بات نہیں سنی تو طلاق دے دوں گا، کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی؟

(آمنہ خاتون، مصری گنج)

جواب:- بار بار طلاق دینے کی دھمکی دینا بھی بری بات ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے، اور آپ کو بھی گھر کا ایسا ماحول بنانا چاہیے کہ تعلقات خوشگوار رہیں، اور آپس میں بدمزگی پیدا نہ ہو، بہر حال جو الفاظ آپ نے لکھے ہیں، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیوں کہ آپ کے شوہر نے طلاق دی نہیں ہے، طلاق دینے کی دھمکی ہے، اور صرف دھمکی دینے کی وجہ سے طلاق نہیں پڑتی" ... لا تطلق لأنه وعد "(۱)

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۳۸۴

تحریری طلاق

کمپیوٹر پر لفظ طلاق لکھنا

سوال:- میرے ایک دوست نے کمپیوٹر پر طلاق کا لفظ لکھا اور اسے خوب اچھی طرح ڈیزائن کیا، پھر بیوی کو بلا کر اسے دکھلایا تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ (معین الدین قادری، مدینہ بازار)

جواب:- طلاق واقع ہونے کے لئے صرف لفظ طلاق لکھ دینا یا زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ بیوی کی طرف اس کی نسبت بھی ضروری ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں "اضافت" کہتے ہیں، زبان سے نسبت ظاہر کرنے کی تین صورتیں ہیں: بیوی کا نام لے کر طلاق دے، یا بیوی کی طرف اشارہ کر کے طلاق دے، یا بیوی سے مخاطب ہو کر طلاق دے، اور تحریری نسبت کی دو صورتیں ہیں، یا تو بیوی سامنے موجود نہ ہو اور اس کے نام کی طرف نسبت کرتے ہوئے طلاق لکھے، یا بیوی سامنے موجود نہ ہو اور اس کو خطاب کرتے ہوئے طلاق نامہ تحریر کرے، ایسی تحریر کو فقہ کی اصطلاح میں "کتابت مرسومہ" کہتے ہیں، اگر صرف لفظ 'طلاق' سادہ حروف میں یا ڈیزائن کے ساتھ لکھا جائے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی:

"وإن كتب كتابة مرسومة على طريق الخطاب والرسالة يقع به الطلاق" (1)

---

(1) بدائع الصنائع ۳ ؍ ۲۳۹

SMS کے ذریعہ رجعت کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیا تھا، اس نے یہ طلاق فون کے ذریعہ دی تھی، رجعت کے لئے اس کا وہاں پہونچنا دشوار تھا؛ اس لئے اس نے رجعت کے الفاظ بیوی کو SMS کردیئے، کیا اس طرح رجعت درست ہوگئی؟

(اشرف علی، مظفر پور)

جواب:- طلاق کے بعد اب رجعت کی دو صورتیں ہیں: رجعت بذریعہ قول اور رجعت بذریعہ فعل — فعل سے مراد مرد کا اس عورت کے ساتھ کوئی ایسا عمل کرگذرنا ہے، جو شوہر کے لئے بیوی ہی کے ساتھ جائز ہے، یہ شکل تو ظاہر ہے کہ میاں بیوی کی ملاقات ہی کے ذریعہ وجود میں آسکتی ہے، رجعت قولی سے مراد یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے تم کو لوٹا لیا، یا میں نے اپنی بیوی فلانہ بنت فلاں کو لوٹا لیا تحریر بھی زبان سے کہنے کے قائم مقام ہے؛ اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ تحریری رجعت بھی درست ہے: " الکتابة تقوم مقام الکاتب " (۱) لہٰذا SMS کے ذریعہ بھی رجعت درست ہوجائے گی؛ بلکہ یہ اس اعتبار سے بہتر شکل ہے کہ اس میں رجعت کا ریکارڈ بھی محفوظ ہوجاتا ہے۔

سامنے موجود بیوی کو زبانی کے بجائے تحریری طلاق

سوال:- میری بیوی اور ماں میں لڑائی جھگڑا ہوا، بیوی نے گالی گلوج دینا شروع کیا، تو میں نے مارا اور پھر میں دوکان پر چلا گیا اور سوچنے لگا کہ ڈرانے کے لئے ۳/ بار طلاق لکھ دوں، نیت اور ارادہ دل میں ڈرانے کا تھا، اسے لفافہ میں بند کر کے الماری پر رکھ دیا، اس کے ہاتھ میں بھی نہیں دیا، وہ سوئی ہوئی تھی، جب اٹھی

---

(۱) المغني: ۲۸۳/۸

تو لفافہ کھول کر دیکھتے ہی رونے لگی، اور رشتہ داروں میں شور مچ گیا،
میں نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا، مجھے پتہ بھی نہیں تھا کہ اس
طرح ایک لائن لکھنے سے بھی کچھ ہوتا ہے، ورنہ میں یہ کام کبھی نہیں
کرتا، کیونکہ میرا ارادہ صرف اور صرف ڈرانے کا تھا۔ بیوی کے ماں
باپ نہیں ہیں، صرف ۲/ بھائی ہیں، وہ نہایت خراب آدمی ہیں،
میرے بھی کوئی نہیں، بیوی سے کوئی اولاد نہیں۔ میری پہلی بیوی سے
صرف ایک لڑکی ہے، میرے لکھنے کے الفاظ یہ تھے "طلاق،
طلاق، طلاق" اس کو لکھ کر لفافہ میں رکھ دیا، لفافہ پر اس کا نام لکھ دیا،
اور الماری پر لے جا کر رکھ دیا۔ (فخر الاسلام، اوکھلا، نئی دہلی)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے، اگر واقعی درست ہے تو اس میں طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ ایک تو آپ کی بیوی سامنے موجود تھی، بالمشافہ طلاق دی جا سکتی تھی، لیکن آپ نے لکھنے پر اکتفا کیا، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ تحریر بوقت ضرورت ہی تکلم کے قائم مقام ہو سکتی ہے، اس لئے جب بالمشافہ طلاق دی جا سکتی ہو تو لکھنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی

"لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا" (۱)

دوسرے تحریری طلاق اس وقت واقع ہوتی ہے جب کتابت مرسومہ ہو، یعنی اس میں بیوی و طلاق دینے کا عنوان قائم کیا گیا ہو یا تمہید لکھی گئی ہو، جس کا مقصد یہ ہے کہ بیوی کی طرف واضح طور پر طلاق کی نسبت ہو جائے، یہاں یہ صورت نہیں پائی جا رہی ہے، اگرچہ لفافہ پر نام لکھنے سے اضافت کا شبہ پیدا ہوتا ہے، مگر یہ واضح طور پر نسبت نہیں ہے، لہذا جب آپ کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

"... إلا أنه غير مصدر ولا معنون وفي هذا الوجه

(۱) خانیہ علی هامش الهندية : ۱/۴۷۲

إن نوى الطلاق يقع وإن لم ينو لا يقع ۔ (۱)

البتہ آئندہ اس میں خوب احتیاط کرنی چاہئے، ڈرانے کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کے اور بھی طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، واللہ اعلم ۔

---

(۱) تاتارخانیہ ۴/۵۳۰

حالتِ نشہ اور حالتِ اکراہ کی طلاق

حالت نشہ میں طلاق

سوال:- ہمارے داماد چار سال سے ہماری بیٹی پر ظلم ڈھارہے تھے اور رقم طلب کررہے تھے، اس لئے ہم نے بیٹی کو لاکر اپنے گھر پر رکھ لیا، پرسوں اس نے ہمارے گھر پر بیٹی اور نواسوں کو لے جانے کے لئے حملہ کیا اور دوسروں کے گھر کے پاس حالت نشہ میں ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں، ایک آدمی گواہ ہے، کیا طلاق واقع ہوگئی؟ (ع، ع بیدر)

جواب:- حنفیہ کے نزدیک حالت نشہ کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے امام زفر اور بعد کے فقہاء میں سے امام کرخی کے یہاں حالت نشہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی؛ اس لئے اگر آپ کے داماد کو ایسا شدید نشہ تھا کہ ہوش وحواس برقرار نہیں رہا اور اس حالت میں اس نے طلاق کے الفاظ کہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (۱)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: "قاموس الفقہ" لفظ "طلاق" — واضح ہو کہ یہ حقیر پہلے احناف کے قول مشہور پر نشہ کی طلاق کے واقع ہو جانے کا فتوی دیتا رہا ہے؛ لیکن ادھر چند برسوں سے حالت نشہ کی طلاق کے واقعات کثرت سے سامنے آرہے ہیں، اصولی طور پر حالت نشہ کی طلاق واقع نہیں ہونی چاہئے؛ کیوں کہ جیسے مجنون اور بے ہوش شخص کے ہوش وحواس درست نہیں ہوتے، اسی طرح نشہ میں مبتلا شخص بھی ہوش وحواس سے محروم ہوتا ہے؛ لیکن شوہر کی سرزنش کے طور پر اس کی طلاق کو واقع قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ =

اختیار کے زیر سبب اس نشہ آور حرام طریقے پر نہ ہو، جیسے دوا کھائی اور اس سے نشہ آگیا، کوئی مباح چیز کھائی اور اس سے نشہ آگیا تو اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمینار میں نشہ سے متعلق ارباب افتاء نے جو فیصلے کئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱- اگر کسی شخص نے لاعلمی میں نشہ آور حرام چیز کا استعمال کیا اور اس سے نشہ طاری ہوگیا، اسی حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲- کسی شخص نے اگر نشہ آور حرام چیز کا استعمال ایسی صورت میں بطور دوا کے لیا، جب ماہر مسلم اطباء کی رائے میں اس کے مرض کا علاج اسی نشہ آور چیز سے ہی ہو سکتا ہے، یا بھوک اور پیاس کی غیر معمولی شدت میں (کوئی حلال چیز فراہم نہ ہونے کی وجہ سے) جان بچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا، پھر حالت نشہ میں اس شخص نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳- کسی شخص کو شراب یا کسی دوسری نشہ آور چیز کے استعمال پر مجبور کیا گیا، جبر واکراہ کی وہ صورت اختیار کی گئی جس میں اس کے لئے اس حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس لئے اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور نشہ طاری ہونے پر بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

۴- جائز وحلال چیز کے استعمال سے اگر کسی شخص کو نشہ طاری ہوگیا اور حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

۵- اگر کسی شخص نے شراب یا کسی اور نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان بوجھ کر کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا، لیکن وہ نشہ کی ابتدائی حالت میں ہے جس میں ایک قسم کا سرور طاری ہوتا ہے، البتہ ہوش وحواس برقرار رہتے ہیں اور انسان بات سمجھتا ہے، اسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔

۶- اور اگر اس حالت میں اس کو شدید نشہ طاری ہوگیا، جس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہا بالکلیہ ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال کئے تو اس کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں شرکاء سیمینار دو رائے رکھتے ہیں

الف: اکثر شرکاء سیمینار اس طلاق کو واقع نہیں مانتے، ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

۱) مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب

۲) مولانا سید نظام الدین صاحب (امیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ) =

دباؤ میں طلاق

سوال: میں سعودی عرب میں رہتا ہوں، میرے نکاح کو دس سال کا عرصہ ہوا، لیکن کئی سالوں تک بیوی کو ولادت نہیں ہوئی، اس لئے میں نے دوسری شادی کی، اللہ تعالیٰ نے شادی کے دوسرے ہی سال دوسری بیوی سے ایک لڑکا عطا فرمایا، مگر اتفاق

---

۳) مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب
۴) قاضی عبد الجلیل صاحب (قاضی امارت شرعیہ)
۵) مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب
۶) مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب (قاضی لکھنؤ)
۷) مولانا محمد سلمان منصور پوری ندوی صاحب
۸) مفتی جنید عالم ندوی صاحب (مفتی امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، جھارکھنڈ)
۹) مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب
۱۰) مفتی انیس احمد مظاہری صاحب
۱۱) مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب
۱۲) مولانا خورشید انور اعظمی صاحب
۱۳) مولانا اعجاز احمد قاسمی
۰۴) مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب

(ب) درج ذیل حضرات طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں:

۱) مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب
۲) مفتی عبد الرحمن صاحب دہلی
۳) مفتی محبوب علی وجیہی صاحب
۴) مولانا ابو العرفان مفتاحی صاحب
۵) مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی صاحب
۶) مولانا نذیر احمد کشمیری صاحب

ہے کہ ابھی دوسری بیوی کو ولادت بھی نہیں ہوئی تھی کہ پہلی بیوی کو بھی حمل ٹھہر گیا اور اب پہلی بیوی سے مجھے تین بچے ہیں، پہلی بیوی کو ولادت ہونے کے بعد اس کے لوگ اصرار کرنے لگے کہ میں دوسری بیوی کو طلاق دے دوں، میں اس وقت سعودی عرب میں تھا، میری بوڑھی ماں تنہا حیدرآباد میں تھی، وہ لوگ پولیس وغیرہ کے ذریعہ گھر پر دھمکا رہے تھے، اسی دباؤ کی فضا میں انھوں نے میرے لئے ایک تحریر یہاں بھیجی اور وہاں ایک رشتہ دار کو میرے اوپر مسلط کردیا کہ مجھ سے اس پر دستخط کرائیں، میں نے بہت انکار کرنا چاہا، لیکن ان کے دباؤ میں آکر اس تحریر پر دستخط کردیا، میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری اس وقت ہرگز تین طلاق دینے کی نیت نہیں تھی، تحریر میں الفاظ اس طرح تھے:
''میں نے ..... کو طلاق طلاق طلاق'' دی، اب وہ میری بیوی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کیا اس کی طلاق واقع ہوئی؟ واضح ہو کہ میری دوسری بیوی کا کوئی قصور نہیں تھا اور شریعت میں گنجائش ہو تو ہم ایک دوسرے سے ملنا چاہتے ہیں۔ (ایک قاری، ملے پلی)

جواب:- کسی مناسب سبب کے بغیر بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح کسی عورت کو طلاق دلانے پر اصرار کرنا بھی سخت گناہ ہے، اس لئے آپ کا طلاق نامہ پر دستخط کرنا اور پہلی بیوی کے لوگوں کا طلاق دلانے پر اصرار کرنا قطعاً خلاف شریعت عمل تھا اور آپ کو اور ان کو اس سے توبہ کرلنی چاہئے۔

۱) اگر اکراہ کی حالت میں زبان سے طلاق نہ دی جائے، صرف کاغذ پر دستخط کردیا جائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی، آپ نے جبر و دباؤ کی جو کیفیت لکھی ہے، اس سے یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی ہے کہ کیا آپ ایسے سخت

جبر و دباؤ کی کیفیت سے دوچار تھے جس کو فقہ کی اصطلاح میں "اکراہ" کہتے ہیں۔

۲) طلاق نامہ میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں اس میں تین کے عدد کی صراحت نہیں اور تین بار لفظ طلاق کو تکرار کے ساتھ کہا جائے اور نیت تین طلاق دینے کی نہیں ہو تو ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے: "رجل قال لامرأته : أنت طالق ، أنت طالق ، فقال : عنيت بالأولى الطلاق وبالثانية والثالثة إفهامها صدق ديانة "(۱) اسی طرح الفاظ طلاق کے بعد یہ لکھنا کہ وہ اب میری بیوی نہیں ہے، طلاق پر مبنی حکم کا اظہار ہے کہ چوں کہ طلاق واقع ہوگئی؛ اس لئے اب وہ میری بیوی باقی نہیں رہی، پس اس کلمہ سے کوئی مستقل طلاق نہیں ہوگی:

" ولو قال أنت طالق واعتدي أو أنت طالق اعتدي تقع واحدة " (۲)

۳) لہذا جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اگر وہ سچائی اور واقعہ کے مطابق ہو تو آپ کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوئی، اب اگر دوبارہ نکاح کرنے پر دونوں فریق کی رضامندی ہو تو نئے مہر کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں؛ البتہ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ غلط بیانی سے کام لے کر فتویٰ تو لیا جا سکتا ہے، مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچا نہیں جا سکتا، اس لئے ایسا نہ ہو کہ آپ نے دستخط کرتے وقت تین طلاق کا ارادہ رکھا ہو، اگر ایسا ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

طلاق کے لئے دباؤ ڈالنا

سوال:- ایک لڑکے نے اپنی خالہ کی لڑکی سے نکاح کیا،

---

(۱) الفتاویٰ الهندية :۱/۳۵۵ (۲) الفتاویٰ الهندية :۱/۳۵۵

جو بیوہ ہے، یہ نکاح لڑکے کے والد کو ناپسند ہے۔ والد طلاق دینے کے لئے دباؤ ڈال رہے ہیں، جب کہ لڑکے کو اپنی بیوی سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ وہ طلاق دینا چاہتا ہے، باپ کے حکم کو ٹال کر کیا وہ اپنے باپ کی نافرمانی کر رہا ہے؟ کیا اسلام اس فعل کی اجازت دیتا ہے کہ اپنے باپ کی بات مانتے ہوئے طلاق دے دی جائے؟ (افسر علی، مہدی پٹنم)

جو اب:- لڑکے کے والد کا کسی سبب شرعی کے بغیر اپنے لڑکے کو طلاق دینے پر مجبور کرنا گناہ اور ناجائز ہے، طلاق دینا معصیت ہے؛ کیوں کہ طلاق کو اسلام میں بے حد ناپسند کیا گیا ہے، اور جس کام میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ہوتی ہو اس میں ماں باپ کی بات ماننا واجب نہیں؛ بلکہ جائز بھی نہیں:

" لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق " (۱)

جبر و دباؤ کی بنا پر طلاق کا اقرار

سوال:- میرا اپنے سسرال کے بعض لوگوں سے اختلاف چل رہا ہے، اس اختلاف میں مار پیٹ کی بھی نوبت آگئی، ایک دفعہ ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا اور ہتھیار دکھا کر مجھے قاضی نکاح کے پاس لے گئے اور مجھ سے کہلایا کہ میں نے چھ ماہ پہلے ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی، حالاں کہ میں اندر سے طلاق دینے پر آمادہ نہیں تھا، ایسی صورت میں کیا میری بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ واضح ہو کہ میری بیوی بھی میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ (اخلاق حسین، محبوب نگر)

---

(۱) مسند أحمد، عن عمران بن حصين، حديث نمبر: ۲۰۶۷۲

جو اب:- امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق ان امور میں سے ہے جو جبر و اکراہ کے باوجود واقع ہو جاتے ہیں، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی شخص طلاق واقع کر رہا ہو، جسے فقہ کی اصطلاح میں ''انشاء طلاق'' کہتے ہیں، اگر طلاق کا مجبور کر کے اقرار کرایا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے چکا تھا تو اس کا اعتبار نہیں، یعنی جبر و دباؤ کے تحت طلاق کا جھوٹا اقرار کر لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں: ''.... لو أکره علی أن یقر بالطلاق فأقر لایقع ''(۱) لہٰذا جو صورت آپ نے لکھی ہے اگر وہ صحیح ہے تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

(۱) البحر الرائق :۳/ ۲۴۸

طلاق مشروط

طلاق مشروط کی ایک خاص صورت

سوال:- میرا ایک لڑکا جو دوسرے گھر میں مقیم ہے، میری بیوی اس کو میری موجودگی میں کھانا بھیجتی ہے، چنانچہ ایک دن میں نے غصہ میں میری بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ اگر آج تم اب اس کو کھانا بھیجوگی، تو تم میری نکاح سے باہر ہوگی، تو کیا وہ ایک ہی دن پر لاگو ہوگا، یا ہمیشہ کے لئے؟ اگر اس دن سے ہٹ کر ہو، تو کیا وہ کھانا بھیج سکتی ہیں؟ یا وہ گھر پر آیا تو میری بیوی اپنے ہاتھ سے اس کو کھانا دے سکتی ہے؟ ایسی صورت میں اس کے لئے کچھ کفارہ بھی واجب ہوگا؟ واضح ہو کہ چوں کہ افطار کا وقت قریب تھا اور دسترخوان لگ چکا تھا، اس لئے میری نیت بھی خاص اسی دن کھانا بھیجنے سے روکنے کی تھی۔

(عبداللہ، کنگ کوٹھی)

جواب:- پہلے تو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ طلاق شریعت میں نہایت ہی ناپسندیدہ بات ہے، عجلت میں اور معمولی باتوں پر نہ طلاق دینی چاہئے، نہ طلاق کے الفاظ کہنے چاہئیں، جہاں تک آپ کا سوال ہے، چوں کہ آپ کی تحریر کے مطابق آپ نے اسے "اگر آج تم اب اس کو کھانا بھیجوگی، تو تم میرے نکاح سے باہر ہوں گی" کے الفاظ کہے ہیں اور آپ کے

حسب تحریر آپ کی نیت اسی دن کھانا بھیجنے سے روکنے کی تھی ؛ اس لئے وہ طلاق خاص اسی دن کھانا بھیجنے سے متعلق تھی ، اگر اس دن کے بعد کھانا بھیج جائے ، یا وہ گھر آئے اور اسے کھانا دیا جائے ، تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس کے لئے کوئی کفارہ بھی واجب نہیں ہے ، البتہ آئندہ ایسی باتوں سے احتیاط کریں ۔ واللہ اعلم

آسیب زدہ عورت کو مشروط طلاق

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی مقام پر جانے سے سختی سے منع کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم وہاں قدم رکھوگی تو طلاق طلاق طلاق ، لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ اس کی بیوی آسیب زدہ ہے ، جس سے بعض اوقات اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہتا اور وہ اس حالت میں شوہر کے ساتھ گستاخی اور نافرمانی کرتی ہے اور جب وہ سنبھل جاتی ہے اور اس کو اپنے شوہر کے ساتھ کی گئی گستاخی یا نافرمانی کا احساس ہو جاتا ہے تو نادم ہو کر شوہر سے معذرت خواہی کرتی ہے ، اس آسیب زدگی کی حالت میں اس کے منع کئے گئے مقام پر چلی جائے تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی ؟

(محمد حسین ، غازی بندہ ، حیدرآباد)

جواب :- طلاق دینے کا تعلق طلاق دینے والے مرد سے ہے ، جب وہ ہوش وحواس میں رہے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر نیت تین طلاق یا مطلق طلاق دینے کی تھی ، تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی ؛ اس لئے بیوی اگر اس مقام پر چلی گئی تو طلاق پڑ جائے گی ، افسوس اس بات پر ہے کہ آسیب زدہ تو بیوی ہے ؛ لیکن مجنونانہ حرکت کا ارتکاب شوہر کر رہا ہے ، سماج کو چاہئے کہ ایسے واقعات میں دخیل ہو کر ظلم کو روکے اور انصاف کو قائم کرنے کی کوشش کرے ۔ وباللہ التوفیق

جب بھی میں نکاح کروں تو طلاق

سوال:- ایک شخص نے اپنے دوستوں کے دباؤ میں آکر کہہ دیا کہ "جب بھی میں نکاح کروں تو طلاق" علماء حضرات نے کہا کہ وہ جب بھی نکاح کرے گا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، مہربانی کر کے رہنمائی کیجئے کہ ایسے شخص کے لئے کیا شریعت میں کوئی حل ہے؟ (عبدالرحیم، قاضی پورہ)

جواب:- اگر کسی شخص نے اس طرح طلاق دیدی ہو تو احناف کے یہاں اس شخص کے نکاح کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ فضولی — یعنی جسے نکاح کا وکیل بھی نہیں بنایا گیا ہو — وہ اپنے طور پر مذکورہ شخص کا کسی عورت سے نکاح کردے، پھر اس مرد سے آکر بتادے کہ میں نے فلاں سے تمہارا نکاح کردیا ہے اور وہ شخص زبان سے کوئی جواب نہ دے، البتہ عمل کے ذریعہ اپنی رضا مندی ظاہر کردے، جیسے مہر کی رقم دے دے، تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی، (۱)۔ واللہ اعلم

---

(۱) دیکھئے: ہدایہ: ۲/۳۰۲

تفویض طلاق

مظلوم کی بیوی کے لئے تفویض طلاق

سوال:- آج کل لڑکیوں کے پیام بڑی مشکل سے ملتے ہیں، ماں باپ مرتے جیتے قرض لے کر بچیوں کی شادیاں کرتے ہیں، قسمت اچھی رہی تو ٹھیک ہے ورنہ بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، اب تو غیروں کی طرح جلایا بھی جارہا ہے، مزید یہ کہ نہ تو طلاق دی جاتی ہے، اور نہ ہی خلع لینے دیتے ہیں، لٹکا کر رکھتے ہیں، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ نکاح کے وقت ہی نکاح نامہ میں لکھ دیا جائے کہ اگر لڑکا یا لڑکی کا نباہ نہ ہوتا ہو تو جو بھی فریق چاہے اور مطالبہ کرے تو دوسرے فریق پر لازم ہوگا کہ طلاق یا خلع دے دے؟

(عبدالوہاب، نلگنڈہ)

جواب:- یہ واقعی بڑی تکلیف دہ صورت حال ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرہ میں عورتوں کے ساتھ بڑی زیادتی ہوتی ہے، کہیں بہو کے ساتھ بدسلوکی ہوتی ہے، کہیں بوڑھی ساس کے ساتھ اور کہیں یتیم نندوں کے ساتھ، اور ان سب کی وجہ دین سے دوری اور اللہ سے بے خوفی ہے، اس لئے پورے معاشرہ کو درست کرنے کی ضرورت ہے، رہ گئی وہ تجویز جو آپ نے لکھی ہے تو وہ قابل عمل ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں جہاں عدالت کے کثیر

اخراجات اور طویل کارروائیاں لوگوں کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوتی ہیں، ایسی تجویزوں پر عمل کرنا مناسب ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے مرتب کردہ نکاح نامہ میں اس کا خیال رکھا ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں: اول، تحکیم، دوسرے: تفویض طلاق —— تحکیم یہ ہے کہ فریقین کسی ادارہ جیسے دار القضاء، شرعی پنچایت کو یا کسی معتبر دیندار شخص کو نکاح کے وقت ہی حکم بنادیں کہ جب ہمارے درمیان کوئی اختلاف ہو تو وہ شریعت کے مطابق جو چاہے فیصلہ کردیں، ہم دونوں اس کے پابند رہیں گے، اس طرح نہ صرف عورت کے لئے شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کی گنجائش ہوگی؛ بلکہ وہ دوسرے حقوق بھی حکم کے ذریعہ حاصل کرسکے گی —— تفویض طلاق کی صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد یا اس سے پہلے شوہر سے لکھالیا جائے کہ عورت کو اپنے آپ پر ایک طلاق بائن واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، یہ تفویض طلاق مشروط بھی ہوسکتی ہے کہ فلاں فلاں شرط پائے جانے کی صورت میں عورت کو حق طلاق ہوگا، اور بیوی کے بجائے دار القضاء یا کسی ادارہ یا کسی دیندار شخص کو بھی حق طلاق تفویض کیا جاسکتا ہے کہ اگر اس کے نزدیک شوہر کی طرف سے بیوی پر زیادتی کرنا ثابت ہو جائے تو اسے اس پر طلاق واقع کردینے کا حق ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عمومی طور پر تحکیم یا تفویض کو رواج دیا جانا چاہئے؛ تاکہ ظلم و زیادتی کا مداوا ہوسکے۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیں: اسلام اور جدید معاشرتی مسائل، ص: ۳۶ تا ۵۲

متفرقات

یہ طلاق نہیں

سوال:- ایک عورت کا شوہر بہت ساری خراب عادتوں میں مبتلا ہے، بیوی بچوں کا خرچ برداشت کرنے کی بھی سکت نہیں رکھتا، بیوی برسر روزگار ہے، بیوی کے پیسوں پر شوہر کی اور اس کے خاندان والوں کی نظر رہتی ہے، عورت کے سسرال والوں کا بھی عورت کے ساتھ سلوک ٹھیک نہیں ہے، اس عورت کو سسرال کے گھر میں بیٹھنے نہیں دیا جاتا اور الگ سے چولہا جلانے کی بھی اجازت نہیں ہے، مجبوراً عورت دو سال سے اپنے ماں باپ کے گھر مقیم ہے، عورت کے ماں باپ عورت کا اور دو بچوں — ایک لڑکا اور ایک لڑکی — کا خرچ برداشت کر رہے ہیں، اور عورت جو بھی پیسے کماتی ہے وہ شوہر مانگتا ہے اور نہ دینے کی صورت میں کہتا ہے کہ اگر تم میری بات نہ مانو تو مجھے تمہارے ساتھ زندگی گذارنا نہیں ہے، مجھے تم نہیں چاہئے تمہارا پیسہ چاہئے، سوال یہ ہے کہ کیا ایسے شوہر سے بات نہ ماننے کی صورت میں عورت کا اس کے شوہر کے ساتھ رشتہ برقرار رہتا ہے یا نہیں؟

جواب:- عورت اپنی کمائی کی خود مالک ہے، اگر وہ شوہر کی اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کر دیتی ہے تو یہ اس کی طرف سے احسان اور تبرع ہے اور ان شاء اللہ اس کو اس کا اجر حاصل ہوگا؛ لیکن شوہر کو حق نہیں کہ وہ اُسے پیسے دینے پر مجبور کرے، بلکہ ایسا کرنا گناہ ہے؛ البتہ یہ کہنا کہ " مجھے تمہارے ساتھ زندگی گذارنا نہیں ہے، مجھے تم نہیں چاہئے " سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اگر شوہر نے ان الفاظ سے طلاق کا معنی مراد لیا ہو تب بھی یہ طلاق دینے کا وعدہ یا ارادہ ہے اور طلاق کے وعدہ یا ارادہ سے طلاق نہیں پڑتی، جب تک کہ طلاق نہ دے دے۔

اگر شوہر نے تین طلاق دیدی؟

سوال:- میرے داماد چار سال سے میری لڑکی پر ظلم کرتے رہے اور مزید جہیز اور رقم کا مطالبہ کرتے رہے، جس سے تنگ آکر لڑکی نے خودکشی کی بھی کوشش کی، مگر فوری بچالیا گیا، لڑکی اب ایک سال سے ہمارے پاس ہے، میرے داماد چار بار لڑکی اور اس کے تین بچوں کو لے جانے کے لئے آئے، مگر ہم نے وہاں جان کے خطرے کے خوف سے روانہ نہیں کیا، جس پر داماد دو گواہوں کی موجودگی میں تین طلاق دے کر چلے گئے تو کیا یہ طلاق واقع ہوگئی؟ نیز مہر جوڑے اور جہیز کا سامان کس طرح حاصل کیا جاسکے؟ (ع، ع، بیدر)

جواب:- آپ نے جو صورت لکھی ہے، اگر واقعی یہ صحیح ہے تو یہ بہت ہی ظلم کی بات ہے اور ایسے ظالم شخص کا آپ کی لڑکی کو طلاق دے دینا ہی بہتر ہے، یہ ان شاء اللہ لڑکی کے لئے اس سے نجات کا ذریعہ ہوگا، مہر، جوڑے کی رقم، سامان، جہیز اور نفقۂ عدت اس شخص پر واجب ہے، اولاً تو آپ سماج کے ذریعہ دباؤ ڈال کر حاصل کرنے کی کوشش کریں؛ لیکن اگر یہ اس کے لئے کافی نہ ہو تو قانونی کارروائی کریں، بہر حال قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی بھی تدبیر سے آپ کے لئے ان چیزوں کا وصول کرلینا جائز ہے۔

حلالہ کی مروجہ صورت کا حکم

سوال:- اس وقت معاشرہ میں حلالہ کی جو صورت مروج ہے، وہ یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا برائے نام کسی شخص سے نکاح کیا جاتا ہے اور وہ ایک شب کے بعد عورت کو طلاق دے دیتا ہے، اکثر اس طرح نکاح کرنے والے مرد کو پیسے بھی دیے جاتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟ اور ایسی صورت میں وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جاتی ہے؟ (حامد، سکندر آباد)

جواب:- اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تو وہ عورت اس پر مکمل طور پر حرام ہو جاتی ہے، ہاں، اگر کسی اور مرد سے اس کا نکاح ہوا اور اتفاق سے اس نے بھی طلاق دے دی، اور پھر شوہر اول اور عورت دوبارہ نکاح پر رضامند ہو گئے، تو اب دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے، حلالۂ شرعی کی اصل صورت یہی ہے، یہ بات کہ پہلے سے کسی شخص سے طے کر لیا جائے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے اور شب بھر کے تعلق کے بعد طلاق دے دے، قانون کا غلط استعمال اور نکاح کے شرعی مقاصد کے مغایر ہے، نیز اس میں بے حیائی بھی ہے؛ اسی لئے یہ نہایت ہی ناپسندیدہ اور مذموم عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر بھی لعنت فرمائی ہے، جو اس کا شوہر اول ہے اور اس دوسرے مرد پر بھی، جس نے اس مقصد کے لئے اس سے نکاح کیا ہے: " لعن الله المحلل والمحلل له " (۱) —— البتہ چوں کہ حدیث میں محلل (حلال کرنے والے) اور محلل لہ (جس کے لئے حلال کیا گیا ہے) کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ یہ فعل ہے تو لائق لعنت؛ لیکن عورت اپنے شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی؛ اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ گناہ ہونے کے باوجود اس عورت سے پہلے شوہر کا نکاح کرنا اب درست ہو جائے گا:

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۷۶

"... فإن طلقها بعد ما وطئها حلت للأول لوجود الدخول في نكاح صحيح " (۱)

کیوں کہ اکثر اوقات قانون کے غلط استعمال کے باوجود وہ اپنے اثرات ونتائج کے اعتبار سے مؤثر ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص دوسرے کی مملوکہ زمین میں بلا اجازت نماز پڑھے تو اس کا یہ فعل درست نہیں، لیکن نماز ادا ہو جائے گی، یا دوسرے کے پانی سے بلا اجازت وضوء کر لیا جائے تو گو یہ فعل غلط ہوگا، لیکن وضوء درست ہو جائے گا، اسی طرح اس نوعیت کا نکاح ہوگا تو گناہ اور مکروہ تحریمی یعنی قریب بہ حرام ہوگا؛ لیکن نکاح منعقد ہو جائے گا اور عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

بغیر طلاق کے نکاح

سوال:- میرے محلہ میں ایک خاتون کا نکاح ہوا، کچھ عرصہ بعد ناگہانی وجوہات کی بناء پر شوہر نے اسے طلاق دے دی اور بیوی نے قاضی سے طلاق نامہ بھی حاصل کر لیا، چند دنوں بعد اس مطلقہ عورت کا نکاح ایک دوسرے شخص سے ہو گیا؛ لیکن یہ دوسرا شوہر عورت کو نہ ہی کھانا دے رہا تھا اور نہ ہی کپڑا وغیرہ، بالکل علاحدگی اختیار کیے ہوا تھا، عورت کے اصرار پر بھی اس نے نہ ہی طلاق دیا اور نہ ہی خلع کے لئے راضی ہوا، شوہر باحیات بھی ہے، لاپتہ بھی نہیں ہے۔

حالات سے تنگ آکر عورت نے پہلے شوہر کا طلاق نامہ قاضی کو دکھا کر ایک تیسرے شخص سے نکاح کر لیا، اور اب یہ دونوں میاں بیوی ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں، اس پس منظر میں اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس بارے میں مطلع فرمادیں کہ کیا

(۱) فتح القدیر: ۱۸۳/۴

عورت کا دوسرے شوہر سے طلاق یا خلع کے بغیر تیسرے شخص سے
نکاح کر لینا درست ہے؟ اگر درست نہیں تو پھر عورت کیا کرے؟
عورت کا جو مہر مقرر کیا گیا تھا، کیا عورت اس کی حقدار ہے؟

(اہلیان محلہ مارکٹ، ورنگل)

جواب:- نکاح کے بعد عورت اس وقت نکاح سے باہر ہوتی ہے جب یا تو شوہر اسے طلاق دے دے یا قاضی شریعت نکاح فسخ کر دے یا خدانخواستہ زوجین میں سے کسی سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جائے، جس کی وجہ سے آپ سے آپ نکاح ختم ہو جاتا ہے، اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں دوسرے شوہر سے اس عورت کا نکاح باقی ہے، تیسرے شخص سے اس کا نکاح درست نہیں ہوا دونوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ایک دوسرے سے علاحدگی اختیار کر لیں، اگر مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے عورت اور تیسرے مرد نے ایک دوسرے سے نکاح کر لیا ہو تو وہ مہر کی حقدار ہوگی اور بچہ پیدا ہو گیا یا حمل ٹھہر گیا ہو تو نسب بھی اس مرد سے ثابت ہوگا؛ البتہ آپ حضرات اور سماج کے ذمہ دار لوگوں کو چاہئے کہ دوسرا شخص جس نے اس سے نکاح کیا تھا، اس کو مجبور کریں، کہ یا تو شریعت کے حکم کے مطابق وہ اپنی بیوی کی ضروریات پوری کرے یا پھر اس پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوائی جائے؛ کیونکہ وہی شخص اصل میں عورت کے مبتلائے گناہ ہونے کا سبب بنا ہے، پھر اگر وہ طلاق دے دے تو عورت تین ماہواری عدت گزارے، عدت گزارنے کے بعد دوبارہ تیسرے شخص سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، ایسے واقعات میں سماج کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ظلم کو روکنے اور گناہ کا سد باب کرنے کی سعی کرے اور اس کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرے، وباللہ التوفیق۔

مطلقہ اور سابق شوہر

سوال:- میری ایک لڑکی کو طلاق ہو چکی ہے، اس کو ۳/ سال کی ایک لڑکی ہے اور ایک سال کے بعد اس کے دل کا آپریشن ہونے والا ہے، ظاہر ہے کہ میری لڑکی کو اس بچی کے ساتھ دواخانہ

میں رہنا پڑے گا، جبکہ دوا وغیرہ لانے اور علاج کے اخراجات ادا
کرنے کے لئے شوہر کو رہنا بھی ضروری ہے، ایسی صورت میں
شوہر اور مطلقہ بیوی کو دواخانہ میں کس طرح رہنا چاہئے؟

(خدیجہ بیگم، یاقوت پورہ)

جواب:- مطلقہ عورت کے حق میں اس کا سابق شوہر ایک اجنبی شخص ہے؛ اس لئے اس سے پردہ واجب ہے؛ بلکہ دوسرے مردوں کے مقابلہ سابق شوہر کے ساتھ پردہ کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ جس مرد و عورت کا پہلے تعلق رہ چکا ہو، ان کے درمیان حجاب اور تکلف کم ہوتا ہے؛ اس لئے ایسی صورت میں لڑکی کے ساتھ اس کے کسی محرم رشتہ دار کی بیوی یا ماں یا خود دادی وغیرہ کو رہنا چاہئے؛ تاکہ مطلقہ ان کے واسطہ سے سابق شوہر تک اپنی بات پہونچا سکے یا اس کی لائی ہوئی چیز وصول کر سکے۔

خلع

اگر مرحوم شوہر نے خلع قبول نہ کیا ہو؟

سوال:- ایک لڑکی نے اپنے شوہر سے تنگ آکر تحریراً خلع پیش کیا، جب کہ خلع پیش کرنے سے پہلے بہت مرتبہ شہر لوگوں نے بہت سمجھانے کی کوششیں کی، مگر شوہر نے نہ کسی کی بات مانی اور نہ اپنی حرکتوں سے باز آیا، بلکہ خلع قبول کرنے سے بھی بھری مجلس میں انکار کر دیا، نہ لفظاً قبول کیا، نہ تحریراً دستخط کئے، کچھ ہی دن بعد شوہر کا انتقال ہو گیا، لڑکی تجہیز و تکفین میں شریک رہی، لڑکی کا سارا سامان شوہر ہی کے گھر میں ہے، زیورات اور زمین بھی ہے، اب شوہر کا رشتہ دار کہتا ہے کہ شوہر مرحوم نے اپنی زندگی میں خلع کو لفظاً قبول کیا تھا، اگرچہ کہ دستخط نہیں کئے تھے، جب کہ مجلس میں حاضر تمام لوگ گواہ ہیں کہ وہ آخر وقت تک خلع کے قبول کرنے کا منکر تھا۔

کیا ایسی صورت میں خلع معتبر ہے؟ اور کیا لڑکی شوہر کی وارث بنے گی یا نہیں؟ اور اراضی، زیورات، جائداد سے کتنا حصہ ملے گا؟

(محمد امین الدین، کریم نگر)

جواب:- اگر واقعۃً ایسا ہی ہوا ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو جب شوہر نے مجلس

میں خلع کو قبول کرنے سے انکار کردیا، بیوی کا سامان اس نے تا دم آخر واپس نہیں کیا اور بیوی کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک رہی اور اس وقت لوگوں نے اس کے مطلقہ ہونے کی بات نہیں کہی، تو بظاہر یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اس نے بیوی کو اپنے نکاح سے باہر نہیں کیا تھا اور اس طرح وہ اپنے مرحوم شوہر کی وارث ہوئی۔

تاہم نزاع کی صورت میں دارالقضاء سے رجوع کر لینا چاہئے، اگر بیوی اور بچوں کے سوا مرحوم کے والدین اس کی وفات کے وقت زندہ نہیں رہے ہوں، تو یہی بیوہ اور اس کی تینوں اولاد وارث ہوں گی اور ان میں میراث تقسیم ہوگی، بیوی کو ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا اور باقی تینوں کو برابر برابر۔

خلع کے بعد حق میراث

سوال:- شوہر کے نشہ کے عادی ہونے کی وجہ سے بیوی نے ۲/مارچ ۲۰۰۳ء کو بمعافی مہر ونفقۂ عدت تحریراً خلع کا مطالبہ کیا، لیکن شوہر نے اس خلع کی تحریر کو منظور کرتے ہوئے دستخط ثبت نہیں کئے، البتہ زبانی طور پر یہ کہہ دیا کہ اگر وہ خلع چاہتی ہوں، تو ان کی مرضی، اس کے بعد اس نے شوہر کو آنے نہیں دیا، جب کہ وہ خلع کے تین سال پہلے سے اپنی اولاد نرینہ کو ساتھ لے کر اپنے والدین کے ساتھ رہ رہی تھی، ۱۰/دسمبر ۲۰۰۳ء کو شوہر کا انتقال ہو چکا، ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ:

(۱) آیا یہ خلع منظور ہوا یا نہیں؟

(۲) عورت وارث مرد کے ترکہ سے میراث ملے گی یا نہیں؟

(۳) مرحوم کے انتقال کے وقت مرحوم کے والدین، بھائی، بہن، زوجہ کے علاوہ تین نرینہ اولاد بھی ہیں، اگر زوجہ (بیوی) وارث ہوتی ہے تو وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(۴) اگر زوجہ وارث نہ ہوئی ہو تو وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(۵) مرحوم کے والدین بھی بقید حیات ہیں اور وہ بھی اپنی جائیداد رکھتے ہیں، کیا مرحوم کی زوجہ کی تین نرینہ اولاد کو حصے ملے گا یا نہیں؟ (محمد عبدالکریم، کریم نگر)

جواب:- (۱) اس شخص کے الفاظ اور پھر اس کے بعد بیوی کا اس کو اپنے میکہ نہ آنے دینا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ خلع پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

(۲) لہٰذا عورت اس شخص کے ترکہ میں وارث نہیں ہوگی۔

(۳/۴) مرحوم کے والدین اور اولاد کا ترکہ میں حق ہوگا، ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی، کہ ترکہ کے ۶ حصے کئے جائیں گے، ایک ایک حصہ ماں اور باپ کو اور چار حصہ اولاد کو، بھائی اور بہن کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

(۵) چوں کہ والدین کی زندگی میں مرحوم کا انتقال ہوگیا، اس لئے اب مرحوم کی اولاد نرینہ کو اپنے دادا اور دادی کے ترکہ میں سے بحیثیت وارث کچھ نہیں ملے گا؛ اس لئے بہتر ہے کہ مرحوم کے والدین اپنے پوتوں کو یا تو اپنی زندگی میں کچھ ہبہ کردیں، یا ان کے لئے وصیت کر جائیں، یہ صلہ رحمی کا تقاضہ ہے اور ان شاء اللہ یہ ان کے لئے باعث اجر و ثواب ہوگا۔

خلع کے ذریعہ واقع ہونے والی طلاق

سوال:- (الف) سعد اور سلمیٰ میاں بیوی ہیں، شادی کے کچھ عرصہ بعد سلمیٰ نے سعد سے خلع کی درخواست کی؛ جو منظور کرلی گئی، معلوم کرنا ہے کہ خلع کی نوعیت طلاق رجعی کی ہے یا طلاق بائن کی یا طلاق مغلظہ کی؟

(ب) خلع کے ایک سال بعد سلمیٰ پھر سعد سے رجوع کرنا چاہتی ہے، کیا رجوع کے لئے دوبارہ نکاح کافی ہے یا حلالہ

بھی ضروری ہوگا؟ (ایم، اے، رحمان، گلشن باغ)

جواب:- (الف) مہر اور مالی واجبات معاف کرکے یا شوہر کو کچھ دے کر طلاق حاصل کرنے کو "خلع" کہتے ہیں، اگر خلع میں صرف لفظ خلع لکھا گیا، یا صرف طلاق کا لفظ لکھا گیا، یا زبان سے کہا گیا، تو سلمی پر ایک طلاق بائن واقع ہوئی، اگر خلع نامہ میں تین طلاق لکھی گئی تھی تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی، اس لئے اگر خلع کی باضابطہ تحریر لکھی گئی ہو تو اسے دیکھ لیا جائے اور زبانی خلع طے پایا ہو تو جو لوگ اس وقت موجود تھے، ان سے صورت حال دریافت کرلی جائے۔

(ب) اگر تین طلاق کے ذریعہ خلع ہوا ہو، تب تو حلالۂ شرعی واجب ہوگا، یعنی سلمی کا کسی اور مرد سے نکاح ہو اور اتفاق سے وہ بھی طلاق دے دے تو اب پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنے کی گنجائش ہوگی، اگر تین طلاق کی صراحت نہ ہو، خلع یا صرف طلاق کا لفظ ہو تو حلالہ کی ضرورت نہیں، لیکن نئے مہر کے ساتھ نیا نکاح کرنا ضروری ہوگا، غرض کہ خلع بنیادی طور پر طلاق بائن ہوتا ہے۔

نابالغ یا اس کے ولی کی طرف سے خلع

سوال:- رشید اور ہندہ کا بچپن میں نکاح ہو گیا، اب ہندہ بالغہ ہو چکی ہے اور رشید بالغ نہیں ہوا، اس صورت میں فریقین کے والد نے اتفاق کیا کہ اس رشتہ کو ختم کر دیا جائے، ہندہ مہر معاف کردے اور رشید طلاق دیدے، کیا اس طرح ان دونوں کے درمیان خلع ہو سکتا ہے، یا کیا رشید کا والد طلاق دے سکتا ہے؟

(ابوالحسن قادری، ممبئی)

جواب:- خلع بھی طلاق ہی کی ایک صورت ہے، جس میں مرد مال کے عوض طلاق دیتا ہے، خواہ عورت مہر معاف کردے یا کوئی اور معاوضہ طے پا جائے، یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ نکاح کے قبول کرنے یا طلاق دینے کا اختیار بالغ ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے،

نابالغ کے قبول کرنے کا اس میں اعتبار نہیں، البتہ نکاح میں نابالغ کی طرف سے اس کا ولی قبول کر سکتا ہے، مگر طلاق ولی بھی نہیں دے سکتا؛ اس لئے رشید یا اس کی طرف سے طلاق دینا اور خلع منظور کرنا معتبر نہیں، البتہ قاضی شریعت کے پاس فسخ نکاح کے لئے رجوع کر سکتے ہیں، اگر قاضی محسوس کرے کہ اس رشتہ کو باقی رکھنے میں بندہ کے لئے فتنہ کا اندیشہ ہے، تو وہ نکاح فسخ کر سکتا ہے۔

خلع اور اس کے بعد کے حقوق

سوال:- ۲۳/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کے "منصف" میں شرعی مسائل کے تحت طلاق کے بعد مرتب ہونے والے احکام کا ذکر کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں چند سوالات عرض ہیں۔

(الف) اگر شوہر نے طلاق نہیں دی اور اس کے اصرار کرنے پر بیوی نے خلع لیا تو کیا مہر، نفقہ، عدت، بچوں کی پرورش کے زمانہ تک اجرت پرورش اور بچوں کا نفقہ وغیرہ، جن حقوق کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، کیا اس عورت کو بھی حاصل ہوگا؟

(ب) اگر شوہر نے بیوی یا اس کے والدین کی اطلاع کے بغیر شرکت کا کوئی معاملہ کیا ہو، جس میں نزاع پیدا ہوئی اور نقصان ہوگیا ہو تو کیا شوہر اپنی بیوی کو دباؤ ڈالنے کے لئے یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر دو چار دن میں مجھے میری پوری رقم ادا نہ کی گئی تو طلاق دے دوں گا؟

(ج) اس جبریہ رقم کے وصول ہو جانے کے باوجود وہ بیوی کو ایذا پہونچاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر مریض ہوگئی، اس کے علاج کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی یا نہیں؟

(د) خلع سے پہلے مختلف اوقات میں شوہر کے مطالبہ پر بیوی، اس کے بھائی اور والد مجبوراً رقم دیتے رہے تو کیا وہ ان رقوم

کی واپسی کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟ (حسام الدین، عیدی بازار)

جواب:- (الف) طلاق اور خلع میں فرق یہ ہے کہ طلاق شوہر اپنی طرف سے دیتا ہے، اور خلع بیوی کے مطالبہ پر اور اس کے کسی حق سے دستبردار ہونے کی بنیاد پر دی جانے والی طلاق ہے، غرض کہ خلع بھی طلاق ہی کی ایک صورت ہے؛ اس لئے خلع طئے پاتے وقت بیوی نے جن حقوق سے دستبردار ہونے کا عہد کیا ہو، مرد پر ان کی ذمہ داری نہیں ہوگی، جیسے عورت نے مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق مانگی تو مہر شوہر کے ذمہ نہیں رہے گا، بقیہ جن حقوق سے وہ دستبردار نہیں ہوئی ہے، اور طلاق کی صورت میں وہ واجب ہوتے ہیں، خلع کی صورت میں بھی واجب رہیں گے۔

(ب) نکاح کا معاملہ الگ ہے، اور شرکت یعنی پارٹنر شپ کا معاملہ الگ، اگر اس نے بیوی کے بھائی کے ساتھ کاروبار میں شرکت کی اور بالفرض اپنے پارٹنر کی غلطی کی وجہ سے ہی اس کو نقصان پہونچا، تب بھی اس کے لئے اپنی بیوی پر دباؤ ڈالنا اور اس کے ساتھ جبر کا معاملہ کرنا جائز نہیں؛ بلکہ یہ ظلم بھی ہے اور غصب بھی؛ کیوں کہ شریعت میں ایک شخص کے عمل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ہے، خواہ وہ باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، قرآن مجید نے صاف کہہ دیا ہے کہ ایک شخص کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جاسکتا: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (۱)

(ج) اگر یہ بات ثبوت کو پہونچ جائے کہ اس کی ایذا رسانی کی وجہ سے بیوی ذہنی طور پر مریض ہوئی ہے، تب تو خاص طور پر شوہر کے ذمہ اس کا علاج کرانا اور علاج کے اخراجات ادا کرنا واجب ہے ہی، اگر اس کی بیماری میں شوہر کے ناشائستہ سلوک کا دخل نہیں ہوتا، تب بھی دوران نکاح اس پر بیوی کا علاج واجب ہوتا؛ کیوں کہ موجودہ دور کے اہل علم کی رائے ہے کہ فی زمانہ علاج بھی نفقہ میں شامل ہے۔

(د) شوہر کے مطالبہ اور جبر پر لڑکی نے یا اس کے والد یا اس کے بھائی نے جو کچھ دیا ہو، وہ رشوت کے حکم میں ہے، اور اس کا واپس کرنا شرعاً واجب ہے۔

---

(۱) الأنعام: ۱۶۴، الإسراء: ۱۵، الفاطر: ۱۸، الزمر: ۷

جبری خلع اور بغیر عدت گذارے نکاح

سوال:- خلاصۂ سوال: میرے دوست کی شادی ہوئی، انہیں ایک لڑکا بھی ہے، اٹھارہ سال کی زندگی بڑی ہی تلخیوں سے گزری، ابھی چھ ماہ پہلے وہ سخت بیمار ہوئے، چھ دن ایمرجنسی وارڈ میں رہنا پڑا، جیسے ہی ہسپتال سے واپس ہوئے بیوی طلاق کا مطالبہ کرنے لگی، اس کا کہنا تھا کہ شوہر کسی بھی وقت بیمار ہو کر مر سکتے ہیں؛ اس لئے مجھے طلاق چاہئے؛ تاکہ میں دوسری شادی کر سکوں، چنانچہ زبردستی شوہر سے خلع نامہ پر دستخط کرالیا گیا اور پندرہ دن کے اندر ہی عورت نے ایک دوسرے وظیفہ یاب شخص سے نکاح کرلیا، کیا اس طرح عورت کی یہ دوسری شادی جائز ہوگی؟

(محمد حاجی، مصری گنج)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے بلا ضرورت خلع کا مطالبہ کرنے والی عورتوں کو منافق کہا ہے: "المختلعات هن المنافقات" (۱) خاص کر جب شوہر مریض ہو، تب تو عام انسانی شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس موقع پر اس کے ساتھ دلداری کی جائے، نہ کہ طلاق کا مطالبہ شروع کر دیا جائے؛ لہٰذا اس کا یہ عمل شرعاً نہایت ناپسندیدہ ہے —— اس کے علاوہ اگر اس طرح مجبور کر کے کسی سے خلع نامہ پر دستخط کرایا جائے کہ دستخط نہ کرنے کی صورت میں جان کا یا سخت مار پیٹ کا اندیشہ تھا، یا بیوی سامنے موجود ہو اور زبان سے تلفظ کرنے کی بجائے صرف خلع نامہ پر دستخط کرالیا جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی: "... و أكره أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق" (۲) اس لئے اگر مجبور کر کے خلع نامہ پر دستخط کرالیا گیا ہو،

---

(۱) سنن الترمذي، كتاب الطلاق، باب ما جاء في المختلعات

(۲) رد المحتار: ۳/ ۲۳۶

یا صرف دستخط کرایا گیا ہو، زبان سے نہ کہلایا گیا ہو، تو عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی — خلع کے بعد بھی عدت واجب ہوتی ہے، اور جوان عورتوں کی عدت یہ ہے کہ عورت کو تین دفعہ ماہواری آجائے؛ اس لئے پندرہ دن میں عدت مکمل نہیں ہو سکی؛ لہٰذا جو صورت آپ نے لکھی ہے اگر وہ درست ہو تو ایک تو آپ کے دوست کی بیوی کا یہ فعل نہایت غیر اخلاقی ہے، دوسرے اس پر طلاق ہی واقع نہیں ہوئی، اور اگر طلاق واقع ہو جاتی تب بھی عدت نہیں گذری؛ اس لئے اس نے جو دوسرا نکاح کیا ہے، وہ درست نہیں ہوا، اور ان کا آپس میں میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا جائز نہیں ہے۔

مال کے عوض طلاق کا حکم

سوال:- میرے بہنوئی میری بہن کو بہت تکلیف پہنچاتے تھے، آخر بہن نے عاجز آکر کہا: اس سے بہتر ہے کہ مجھے طلاق ہی دے دو، بہنوئی نے کہا کہ میں اس شرط پر طلاق دوں گا کہ تم مہر معاف کر دو اور تمہارا جو زیور ہم نے فروخت کر دیا ہے، اس کے پیسوں کا مطالبہ نہیں کرو، بہن نے مجبور ہو کر قبول کر لیا اور انھوں نے طلاق دے دی، اب پھر یہ دونوں حضرات دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں اور وعدہ کر رہے ہیں کہ آئندہ کوئی تکلیف نہیں دیں گے؛ لیکن میری بہن مطمئن نہیں ہے، اس سلسلہ میں بتایا جائے کہ کیا دوبارہ ان کے نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور اگر نکاح کے بعد پھر اس شخص نے ظلم و زیادتی شروع کر دی تو اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟

(سکینہ انجم، نیو نے)

جواب:- جب ان صاحب نے مہر اور ان کے ذمہ واجب الاداء پیسوں کے بدلہ میں طلاق دی ہے تو یہ طلاق بائن ہوئی؛ کیوں کہ مال کے عوض جو طلاق دی جاتی ہے وہ طلاق

بائن ہوتی ہے، ایک طلاق بائن کے بعد باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اس لیے آپ کی بہن اور سابق بہنوئی کا نئے مہر کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے، اگر یہ اندیشہ ہو کہ آئندہ پھر وہ ظلم وزیادتی کریں گے تو نکاح کے وقت تفویض طلاق کرالیں، تفویض طلاق کی صورت یہ ہے کہ مرد سے کہلا لیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ تحریر بھی حوالہ کیا جائے کہ "میری بیوی کو آئندہ یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے دے" ایسی صورت میں اس کے طلاق دینے کی محتاجی باقی نہیں رہے گی؛ بلکہ اگر اس شخص نے زیادتی کی تو آپ کی بہن خود ہی اپنے آپ پر طلاق واقع کر لینے کی مجاز ہوں گی۔

ایک اور ضروری وضاحت یہ ہے کہ شوہر کو مقدار مہر سے زیادہ طلاق دینے کے لیے طلب کرنا کراہت سے خالی نہیں، اگر عورت کا قصور نہ ہو تب تو طلاق دینے کے ساتھ ساتھ مہر بھی ادا کرنا چاہیے اور اگر عورت کی نافرمانی و زیادتی کی وجہ سے طلاق کی ضرورت پڑے تو زیادہ سے زیادہ مہر معاف کرالینا چاہیے، اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ شرعاً مناسب ہے اور نہ ہی مرد کے شایان شان۔

کیا طلاق وخلع کے اسباب کی وضاحت ضروری ہے؟

سوال:- اگر مرد طلاق دینا چاہے تو کیا اسے طلاق دینے کی وجہ بتانا ضروری ہے؟ اور اگر عورت خلع لینا چاہے تو اسے اس کی وجہ بتانا لازمی ہے؟ (ملک حبیب اللہ، ایل، ایل بی، کولکاتہ، مصر)

جواب:- طلاق ہو یا خلع، ان کے واقع ہونے کے لئے اسباب و وجوہ کا واضح ہونا ضروری نہیں؛ کیوں کہ اگر ایک مرد طلاق کے اسباب کو واضح کرے تو بعض اوقات یہ عورت کے لئے کردارکشی کا سبب بن سکتا ہے، اسی طرح اگر عورت پر خلع کے اسباب کا ظاہر کرنا ضروری قرار دیا جائے تو شوہر کی کمزوریاں سامنے آسکتی ہیں، اسی لئے شریعت نے اس کو لازم قرار نہیں دیا ہے؛ البتہ بلاوجہ مرد کو طلاق دینے اور بلا کسی معقول سبب کے عورت کو خلع کا

مطالبہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ طلاق اور خلع کے سلسلہ میں شوہر و بیوی کے اختیارات یکساں نہیں ہیں، طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے اور اگر وہ دوسرے فریق کی رضامندی کے بغیر بھی طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لیکن خلع میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے، شوہر کے قبول کرنے پر ہی خلع مکمل ہوگا؛ البتہ امام مالک کے نزدیک اگر زوجین کے درمیان شدید اختلاف ہو اور شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ ان کا ایک ساتھ زندگی گذارنا مشکل ہو تو فریقین یا قاضی شریعت کی طرف سے مقرر کیا ہوا حَکَم شوہر کی رضامندی کے بغیر بھی اس کی طرف سے خلع کو منظور کر سکتا ہے، ہندوستان میں جو دار القضاء قائم ہیں، وہ بھی بعض غیر معمولی حالات میں فقہ مالکی کے اس اصول پر عمل کرتے ہیں۔

عدت

بیوہ کی عدت اور اس کا حکم

سوال:- میرے ایک سگے بھانجے کا انتقال ہوگیا ہے، حیدرآبادی روایت کے مطابق ان کا چہلم عنقریب ہونے والا ہے، عام طور پر چہلم کے دن اعزہ واقارب ودوست احباب کے کھانے کے بعد اہل خاندان کے سامنے بیوہ کو نئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور یہ تصور ہوتا ہے کہ بیوہ کے غم کے دن ختم ہوگئے اور وہ اب ہر خوشی میں شریک ہوسکتی ہے، سوال یہ ہے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک مسلم خاتون کے شوہر کی جدائی میں کتنے ماہ یا دن غم کے ہوتے ہیں، کیا بیوہ خاتون چہلم کے بعد بن سنور کر اہل خاندان یا دیگر لوگوں کی دعوتوں میں جاسکتی ہے؟

(محمد شرف الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے، اس کی عدت چار مہینے دس روز ہے، اس مدت میں عورت کے لیے زیبائش وآرائش اختیار کرنا جائز نہیں ہے، ہاں صاف ستھرے رہنے اور صاف ستھرے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں؛ اس لیے چالیس دن کے بعد بیوہ کا زیب وزینت اختیار کرنا، شوخ اور خوش رنگ کپڑے پہننا، عطریات اور مہندی وغیرہ لگانا

جائز نہیں، ہاں، اگر کپڑے پرانے ہو گئے ہوں تو نیا کپڑا پہننے کی گنجائش ہے، جہاں تک دعوت وغیرہ کے لیے گھر سے باہر جانے کی بات ہے تو یہ بھی جائز نہیں، جس بیوہ خاتون کے پاس روز مرہ کی ضروریات مہیا نہ ہوں، اس کے لیے کسب معاش کی غرض سے اس حد تک نکلنے کی گنجائش ہے کہ دن میں نکلے اور رات میں واپس آجائے، لیکن جس عورت کے پاس نفقہ موجود ہو یا اس کے اعزہ اس کی کفالت کرتے ہوں، اس کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، اگر گھر کے اندر ہی دعوت ہو تو سادگی کے ساتھ شریک ہوسکتی ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"و معتدة موت تخرج في الجديدين و تبيت أكثر الليل في منزلها لأن نفقتها عليها ، فتحتاج للخروج حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج " (۱)

جس عورت کو دوا دے کر خون جاری کیا جائے؟

سوال:- ساجدہ کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی تھی، دو حیض گذر گئے، تیسرا حیض آنے میں ابھی وقت تھا، لیکن ایک رشتہ سامنے تھا، اس لئے ایسی دوا دی گئی کہ خون جاری ہو جائے اس طرح بہ تکلف ماہواری جاری کردی جائے تو کیا اس کی عدت پوری ہوجائے گی؟　　(محمد فاروق، گلبرگہ)

جواب:- جب تک عدت پوری نہ ہو جائے صراحت کے ساتھ رشتہ طے کردینا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، عدت گذرنے کے بعد ہی رشتہ طے کرنا چاہئے، اسی طرح جلدی عدت پوری کرانے کے لئے بہ تکلف خون جاری کرانا کراہت سے خالی نہیں، کیوں کہ یہ خلاف فطرت عمل ہے؛ البتہ اگر دوسرے حیض کو پندرہ دن گذر چکا، پھر کسی دوا کے

---

(۱) رد المحتار: ۵/ ۲۲۴

ذریعہ خون جاری ہوا، جو اس کی عادت کے مطابق جاری رہا یا عادت نہیں تھی تو تین دن یا اس سے زیادہ خون آیا تو یہ حیض ہی کا خون سمجھا جائے گا اور عدت گذر جائے گی:

"لو انقطع دمها فعالجتها بدواء حتى رأت صفرة في أيام الحيض أجاب بعض المشائخ بأنه تنقضي به العدة" (۱)

جس عورت کا رحم نکال دیا گیا ہو، اس کی عدت

سوال:- ڈاکٹروں کے مشورہ سے چند سال پہلے میری بچہ دانی نکال دی گئی تھی، اس لئے اب مجھے کئی سال سے ماہواری نہیں آتی، دو ہفتہ پہلے میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے ایسی صورت میں میں اپنی عدت کس طرح گذاروں گی؟

(نام غیر مذکور، مہدی پٹنم)

جواب:- جن عورتوں کو عمر زیادہ ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت تین ماہ مقرر کی گئی ہے، اگر رحم نکال دینے کی وجہ سے حیض کا سلسلہ بند ہو گیا ہو تو ان کے لئے بھی عدت کا یہی حکم ہوگا؛ لہٰذا جس روز آپ کے شوہر نے طلاق دی ہے، اسی دن سے قمری مہینہ کے لحاظ سے تین ماہ عدت گذاریں، اگر مہینہ کی آخری تاریخ کو طلاق دی ہو تو چوتھے مہینہ کا چاند دیکھنے تک آپ عدت میں ہیں، اور اگر درمیان میں طلاق دی ہو تو دوسرا اور تیسرا مہینہ تو چاند کے حساب سے ہوگا، اور پہلے مہینہ کو تیسرے مہینہ کے بعد اس طرح پورا کیا جائے گا کہ دونوں مل کر تیس دن ہو جائیں۔

عدت میں نکاح

سوال:- کسی مطلقہ خاتون کے لیے عدت کی مدت تین

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۳/ ۱۸۲

حیض یا تین ماہ یا چار ماہ دس دن ہے، دوران عدت اگر دوسری شادی کردی گئی تو کیا صورت ہے؟ (عبدالرحمن، حیدرآباد)

جواب :- عدت کے درمیان نکاح کرنا حرام ہے، قرآن مجید نے صاف کہا ہے کہ عدت گذرنے تک اپنے آپ کو روکے رکھنا ضروری ہے۔(۱) اور عدت گذرنے سے پہلے تو نکاح کا معاملہ طے کرنے یا نکاح کا پیغام دینے کی بھی ممانعت کی گئی ہے،(۲) —— لہٰذا اگر عدت کے درمیان نکاح کردیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، دونوں کو فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجانا چاہیے، اور اگر عدت کی مدت پوری ہوچکی ہو تو از سرنو نکاح کرنے کی گنجائش ہے، حالت عدت میں کئے گئے نکاح کے بعد اگر مرد وعورت کا تعلق قائم ہوچکا ہو، اور اس سے حمل ٹھہر گیا ہو تو پیدا ہونے والے بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت ہوگا، کیوں کہ یہ وطی بالشبہ کے درجہ میں ہے، اور اس صورت میں نسب ثابت ہوتا ہے۔

شوہر سے علیحدہ رہنے والی عورت کی عدت

سوال :- میری بہن تقریباً تین سال سے بیوی سے الگ تھی، کچھ عرصہ پہلے بہنوئی نے انہیں طلاق دے دی ہے، اس صورت میں کیا انہیں عدت گذارنی پڑے گی، جب کہ وہ تو عرصہ سے شوہر سے علیحدہ تھی؟ (شہناز بیگم، مشیر آباد)

جواب :- آپ کے بہنوئی نے جس وقت طلاق دی ہے، اس وقت سے عدت کا شمار ہوگا، طلاق سے پہلے شوہر سے علیحدگی کا جو وقت گذرا ہے، اس کا شمار عدت میں نہیں ہوگا، کیوں کہ عدت شوہر سے فرقت کے بعد واجب ہوتی ہے، عدت کا منشا صرف یہی نہیں ہے کہ پہلے شوہر سے حاملہ نہ ہونے کا اطمینان ہوجائے، بلکہ فرقت سے محرومی پر افسوس کا اظہار بھی مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ عدت ان عورتوں پر بھی واجب ہوتی ہے جن کا حیض کا سلسلہ بند ہوچکا ہو، اور ان کے ماں بننے کا امکان نہ ہو۔

---

(۱) البقرة ۲۲۸، ۲۳۴، ۲۳۳ (۲) البقرة ۲۳۳

حالتِ عدت کے احکام

سوال:- میرے چچازاد بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، نوجوان لڑکا تھا، ۲۶ سال کی عمر تھی، ان کی شادی ہوکر پانچ سال گزر چکے تھے، دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، کیا بیوہ عدت گزارنے تک سر میں تیل، کنگھی اور سرمہ وغیرہ لگا سکتی ہے؟ کہتے ہیں کہ بیوہ عورت سر میں تیل وغیرہ لگا کر کنگھی نہیں کرسکتی ہے، اور شادی کی تقریبات وغیرہ میں شرکت نہیں کرسکتی ہے، اور سیکے بھی نہیں جاسکتی ہے، کیا یہ درست ہے یا یہ سب غلط ہے؟ (نام و مقام غیر مذکور)

جواب:- بیوہ عورت پر عدت وفات گزارنا واجب ہے، اس درمیان اس کو خوشبو کا استعمال جائز نہیں، بال سنوارنا بھی منع ہے، سرمہ و کاجل لگانا بھی درست نہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عدت وفات کے سلسلے میں روایت نقل کی ہے، اس میں ان سب چیزوں کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (۱) اسی لئے فقہاء نے مطلقاً سر میں تیل رکھنے کو منع کیا ہے؛ کیوں کہ سر میں رکھا جانے والا تیل عام طور پر خوشبو سے خالی نہیں ہوتا، اور اس سے بال کی آراستگی بھی مقصود ہوتی ہے، البتہ عذر کی بنا پر جائز ہے، جیسے کسی کو تیل لگانے کی عادت ہو، اگر تیل نہ لگائے تو سر میں درد ہو جائے، یا آنکھ میں تکلیف کی وجہ سے سرمہ لگانا چاہتی ہو۔ (۲) اسی طرح اگر کنگھی کرنے سے مقصود آراستگی نہ ہو، بلکہ الجھے ہوئے بالوں کو درست کرنا ہو تو اس کی بھی اجازت ہوگی، کیوں کہ یہ بھی ایک عذر ہے۔

یہ بھی واجب ہے کہ عدت اس گھر میں گزاری جائے جو شوہر کی طرف سے اسے رہائش کے لئے ملا ہوا تھا، ایک صحابیہ فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا کے شوہر کا قتل ہوگیا، انہوں

---

(۱) نسائی شریف، باب الرخصة للحادة أن تمتشط بالسدر، حدیث نمبر: ۳۵۳۷

(۲) دیکھئے: الہدایہ: ۲/ ۴۲۹ - ۴۲۷

نے حضور ﷺ سے میکہ جانے کی اجازت چاہی ، آپ ﷺ نے پہلے تو اجازت دے دی ، مگر وہ جوں ہی آگے بڑھیں ، آپ ﷺ نے دوبارہ طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ عدت پوری ہونے تک یہیں رہو ، (۱) اس لئے جب تک کوئی مجبوری نہ ہو ، اسے میکہ نہیں جانا چاہئے ، مجبوری کی صورت میں جا سکتی ہے ، مجبوری سے مراد یہ ہے کہ اسے اپنی جان ، مال یا عزت و آبرو کا خطرہ ہو ، یا مرحوم کے ورثہ وہاں رہنے کی اجازت نہ دیں ، اور اس کا اپنا حصہ اتنا نہ نکلتا ہو کہ وہاں رہ سکے ، ہاں ! اگر میکہ قریب ہو اور سسرال میں کوئی اس کا نفقہ ادا نہیں کرتا ہو ، تو اس کی اجازت ہے کہ صبح میں جا کر رات تک واپس آجائے ، رات اس مکان سے باہر گزارنا درست نہیں ، جس میں عدت گزار رہی ہے :

" والمتوفي عنها زوجها تخرج نهارًا أو بعض الليل ، ولا تبيت في غير منزلها ألخ " (۲)

مکہ میں ہندوستانی حجن کے شوہر کا انتقال ہو جائے ؟

سوال :- حج شروع ہونے سے دو دنوں پہلے سال گذشتہ میری پھوپھی بیوہ ہو گئیں ، ان کے شوہر بھی ساتھ تھے اور مکہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا ، انہوں نے اسی حالت میں حج مکمل کر لیا ، کیا ان کا حج درست ہوا ؟ (سمیع الدین قادری ، قلعہ گولکنڈہ)

جواب :- شوہر کے انتقال کے بعد عورت پر عدت وفات گذارنا ضروری ہے ، عدت میں اسے اس جگہ رہنا چاہئے جو مرحوم شوہر نے اسے بطور رہائش کے دیا تھا ، اگر وہ سفر کی حالت میں ہو تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کا گھر مسافت سفر سے کم دوری پر واقع ہو تو واپس آجائے اور مکہ مسافت سفر سے کم پر واقع ہو تو سفر جاری رکھے ، (۳) آپ کی پھوپھی چونکہ مکہ

---

(۱) نسائی ، باب عدة المتوفى عنها زوجها الخ ، حدیث نمبر : ۳۵۳۲

(۲) الهدایه ۲: ۴۲۸ (۳) ح ۲ ، فتاویٰ ۲ : ۵۳۴

پہنچ چکی تھیں اور اب انہیں منیٰ، مزدلفہ و عرفات جانا تھا، جس کی مسافت مکہ سے مسافت سفر سے کم ہے، نیز عدت کی حالت میں ممانعت سفر کرنے کی ہے فی نفسہ حج کی نہیں؛ اس لئے آپ کی پھوپھی کا حج کرنا درست تھا اور ان کا حج ادا ہوگیا۔

کیا نامرد شوہر کی بیوی پر عدت ہے؟

سوال:- میری ایک عزیزہ کا مجبوراً خلع ہوا ہے، ان کی شادی کو دو سال کا عرصہ ہوا تھا، وہ دونوں میاں بیوی ساتھ رہے، لیکن ان کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہو سکا، اسی وجہ سے خلع کرانا پڑا، لڑکی کے لئے رشتہ آیا ہوا ہے، کیا اس کو عدت بھی گزارنی پڑے گی؟

(عبدالحسیب، چنچل گوڑہ)

جواب:- جی ہاں، اس پر عدت واجب ہوگی، عدت کا مقصد صرف نسب کی حفاظت اور عورت کے رحم کا پہلے شوہر کی طرف سے مشغول نہ ہونے کے بارے میں واقف ہونا ہی نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مقصد شوہر سے جدائی پر حزن و ملال کا اظہار بھی ہے؛ اس لئے اگر نامرد شخص کی عورت کے ساتھ تنہائی ہو چکی ہو تو گو مرد کو تعلق نہ ہونے کا اقرار ہو، پھر بھی عدت واجب ہوگی:

"فإن خلوة العنين صحيحة، ويجب العدة ...
إذا أقر الزوج أنه لم يصل إليه" (۱)

اس لئے عدت کے درمیان نہ اس کا دوسرا نکاح جائز ہے اور نہ دوسری جگہ رشتہ طے کر دینا جائز ہے۔

اگر شوہر کی وفات کی اطلاع نہ ہو تو عدت کس طرح گذاریں؟

سوال:- اگر کسی عورت کو شوہر کی وفات کا علم نہ ہو تو ایسی

(۱) الهداية: ۳۲۲/۳، باب العدة

عورت مدتِ عدت کس طرح گذارے گی اور عقد ثانی کب کرے گی؟ (قاری ایم، ایس، خاں، اکبر باغ)

جواب:- شوہر کی وفات کے ساتھ ہی عدتِ وفات شروع ہو جاتی ہے، خواہ اس وقت عورت کو اس کا علم ہو پایا ہو کہ نہ ہو، مثلاً کسی عورت کو ایک سال کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، تو اب اس کی عدت گذر چکی اور اس کے لئے اب دوسرا نکاح کرنا جائز ہے؛ البتہ اگر شوہر بہت دنوں سے غائب ہو اور پتہ نہیں چلتا ہو کہ وہ زندہ بھی ہے کہ مر گیا تو اس صورت میں عورت کو چاہئے کہ شرعی دار القضاء سے رجوع کرے اور جب اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے تو اس وقت سے طلاق والی عدت گذارے اور اگر قاضیٔ شریعت نے شرعی اصولوں کے مطابق اس کے شوہر کی موت کا حکم لگا دیا تو وفات والی عدت گذارے۔

عدتِ وفات اور عدتِ طلاق میں فرق

سوال:- عدت وفات اور عدت طلاق میں کیا فرق ہے؟ (قاری، ایم، ایس، خاں، اکبر باغ)

جواب:- عدت طلاق اور عدت وفات میں عدت کی مدت اور احکام دونوں اعتبار سے فرق ہے، جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

(الف) حاملہ عورت کے لئے دونوں ہی عدت ولادت سے پوری ہوگی؛ لیکن اگر بیوی حمل کی حالت میں نہ ہو تو عدت وفات چار ماہ دس دن ہے اور عدت طلاق جوان عورتوں کے لئے تین ماہواری اور نابالغہ و سن رسیدہ عورتوں کے لئے تین ماہ۔

(ب) طلاق رجعی کی عدت میں عورتوں کے لئے بناؤ سنگار جائز؛ بلکہ مستحب ہے، عدت وفات میں مطلقاً جائز نہیں ہے۔

(ج) اگر نکاح کے بعد بیوی کے ساتھ خلوت کی نوبت ہی نہیں آئی اور اس سے پہلے طلاق واقع ہوگئی تو اس پر عدت واجب نہیں اور اگر خلوت سے پہلے شوہر کی وفات ہوگئی

تعلق قائم کرے، جس کو حدیث وفقہ کی اصطلاح میں "استبراء رحم" کہا گیا ہے، اسی طرح اس لڑکی کو بھی ایک حیض گزر جانے دیا جائے، اس کے بعد اس کا نکاح ہو۔

عدت کی حالت میں عذر کی بنا پر کنگھی کرنا

سوال :- میرے رشتہ داروں میں ایک خاتون کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی ہے، سوال یہ ہے کہ عدت کے درمیان کن چیزوں سے رکنا ضروری ہے، وہ کنگھی کرسکتی ہیں یا نہیں؟ جب کہ کنگھی نہ کرنے کی صورت میں بال کے جٹے بن جاتے ہیں اور تکلیف ہوتی ہے، جوں بھی پریشان کرتی ہے، اسی طرح سر میں تیل رکھ سکتی ہیں یا نہیں؟ بصورت دیگر کئی دنوں تیل نہ رکھنے سے سر میں تکلیف ہونے لگتی ہے، واضح ہو کہ ایک عالم صاحب نے عدت میں تیل رکھنے اور کنگھی کرنے سے منع کیا ہے۔ (حبیبہ جہاں، بنگلور)

جواب :- (الف) پہلے تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ عدت میں زیبائش وآرائش سے اجتناب کا حکم ان عورتوں کے لیے ہے، جن کے شوہر کی وفات ہوگئی ہو یا جن کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ (تین طلاقیں) دی گئی ہو، جس عورت کو لفظ طلاق کے ذریعہ ایک یا دو بار طلاق دی گئی ہو —— جس کو اصطلاح میں طلاق رجعی کہتے ہیں —— تو اس عورت پر عدت میں زیب وزینت کا ترک کرنا واجب نہیں؛ بلکہ چونکہ شوہر کے لیے بیوی کو لوٹا لینے کی گنجائش ہے؛ اس لیے ایسی مطلقہ عورت کے لیے زینت اختیار کرنا افضل ہے؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ عمل دوبارہ شوہر کے اس کی طرف راغب ہونے کا باعث بن جائے۔

(ب) عالم صاحب نے صحیح کہا کہ جن عورتوں پر عدت میں زیب وزینت سے اجتناب کرنا واجب ہے، ان کے لیے عمومی حکم یہی ہے کہ وہ کنگھی کرنے اور تیل لگانے سے بھی احتراز کریں، لیکن کنگھی کے سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں، اول یہ کہ اس طرح

کنگھی کرنے کی ممانعت ہے، جس میں زینت مقصود ہو، اگر صرف بال کا سیدھا کرنا اور جٹے بن جانے سے بچانا مقصود ہو اور سادہ طریقہ پر بال جھاڑ لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے ایسی عورتوں کو موٹی کنگھی سے کنگھی کرنے کی اجازت دی ہے اور باریک کنگھی سے منع کیا ہے۔

" و دخل في الزينة الإمتشاط بمشط أسنانه ضيقة لا الواسعة كما في المبسوط " (۱)

دوسرے اگر کنگھی نہ کرنے کی وجہ سے جوں بڑھ جائے تو ایسی صورت میں بھی کنگھی کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ اس کا مقصد تکلیف کو دور کرنا ہے نہ کہ زیب و زینت اختیار کرنا، یہی حکم تیل لگانے کا بھی ہے، ایسی عورتوں کے لیے خوشبودار تیل لگانا قطعاً جائز نہیں، البتہ اگر تیل نہ رکھنے کی وجہ سے سر میں درد ہو یا کسی اور انداز کی تکلیف ہو تو عدت میں ایسے تیل لگا سکتی ہیں، جو خوشبودار نہ ہو، یا جو علاج کے نقطۂ نظر سے تیار کیا گیا ہو:

" و لو اعتادت الدهن فخافت وجعا فإن كان أمرا ظاهرا يباح لها " (۲)

عدت میں ملازمت

سوال:- وزن شہروں میں بعض بیوہ، مطلقہ یا خلع شدہ خواتین عدت شروع ہونے کے دس پندرہ دنوں بعد بھی ملازمت یا تجارت کے لئے بے پردہ حالت میں گھروں سے باہر نکل جاتی ہیں اور دس تا بارہ گھنٹے باہر گزارتی ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور عدت کی مدت کیا ہے؟ (ام بصیر، ہمت پورہ)

جواب:- بیوہ کی عدت چار مہینے دس روز ہے اور طلاق کی عدت جوان عورتوں

---

(۱) البحر الرائق: ۱۵۰/۴ (۲) البحر الرائق: ۱۵۲/۴

کے لئے تین ماہواری کا گذر جانا ہے، جن عورتوں کو حیض کا سلسلہ بند ہو گیا ہو، ان کے لئے تین ماہ کی مدت ہے، طلاق کی مدت میں اگر شوہر نے عدت کا خرچ ادا کر دیا ہو تو ملازمت کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، عورت نے خلع میں عدت کا خرچ معاف کر دیا ہو اور خلع اپنی طرف سے حاصل کیا ہو، شوہر کی طرف سے زیادتی نہیں ہو، تب بھی ان کے لئے عدت کے درمیان کسب معاش کے لئے نکلنا جائز نہیں؛ البتہ بیوہ عورت کے لئے اور ایسی مطلقہ عورت کے لئے جس کو شوہر نے عدت کا خرچ ادا نہیں کیا ہے اور ایسی عورت کے لئے جس نے شوہر کی زیادتی سے مجبور ہو کر خلع حاصل کیا اور بادل ناخواستہ مہر بھی معاف کرنا پڑا، کسب معاش کی غرض سے دن کے وقت باہر نکلنے کی اجازت ہے؛ لیکن ضروری ہے کہ رات اپنے گھر میں آکر گزارے۔ جہاں تک بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلنے کی بات ہے تو یہ تو کسی بھی عورت کے لئے جائز نہیں، خواہ وہ عدت کی حالت میں ہو یا نہ ہو؛ کیوں کہ پردہ کے احکام تمام عورتوں سے متعلق ہیں، مسلمان خواتین کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بے پردگی میں آخرت کی پکڑ بھی ہے اور دنیا میں عدم تحفظ بھی، جو عورتیں بے پردہ ہوتی ہیں اور ایسے لباس پہنتی ہیں جن میں حیا کے تقاضے پورے نہیں ہوتے، اکثر وہی عورتیں اوباش مردوں کا شکار بنتی ہیں۔

سقوط حمل اور عدت

سوال:- ایک خاتون کو ان کے شوہر نے اس حال میں طلاق دے دی کہ ایک مہینے کا حمل تھا، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے لڑکی کے سرپرستوں نے حمل ساقط کرا دیا؛ تاکہ آئندہ لڑکی کی دوسری شادی میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو، ایسی صورت میں کیا اس لڑکی کی عدت گذر گئی یا ابھی عدت گذارنی ہوگی؟

(احسن اللہ، مہدی پٹنم)

جواب:- اگر رحم میں بچہ کے اعضاء بن گئے ہوں، اس کے بعد حمل ساقط ہو تو

فقہاء نے اسے بچہ کی پیدائش کے حکم میں رکھتے ہوئے عدت گذرنے کے لئے کافی قرار دیا ہے؛ لیکن ایک مہینے کے حمل میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی؛ اس لئے ابھی اس کی عدت پوری نہیں ہوئی؛ بلکہ اسے تین ماہواری تک عدت گذارنی ہوگی:

"... في الخلاصة : الحامل إذا أسقط سقطًا مستبين الخلق تنقضي العدة وإن لم يستبن لا" (۱)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۵/۳۲۸-۳۲۹

نفقہ

نفقہ میں بیوی کی پسند کی رعایت

سوال:- نان ونفقہ کی فراہمی میں کیا بیوی اپنی پسند شامل کرسکتی ہے؟ کیا شرعی طور پر وہ یہ حق رکھتی ہے؟ (امۃ اللہ، حیدرآباد)

جواب:- نفقہ میں تین باتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اول عورت اور اس کے خاندان، نیز شوہر اور اس کے خاندان کا معیار زندگی؛ اس لئے دونوں کی رعایت ضروری ہے، مثلاً اگر شوہر کے گھر کا معیار زندگی اونچا ہے اور بیوی کا اس کے مقابلہ میں کمتر ہے یا اس کے برعکس ہے تو ایسی شکل میں شوہر کو متوسط معیار زندگی کے مطابق نفقہ فراہم کرنا چاہئے، دوسری چیز شوہر کی استطاعت اور گنجائش ہے، بیوی اگر نفقہ کے طور پر ایسی چیز مانگے جو شوہر کے معیار سے اونچی ہو تو اس کا قبول کرنا شوہر پر ضروری نہیں؛ کیوں کہ کوئی بھی شخص اپنی طاقت، گنجائش اور صلاحیت کے مطابق ہی شرعاً ذمہ داریوں کا مکلّف ہوتا ہے، تیسرے: نفقہ کے سلسلہ میں عرف ورواج کی بھی اہمیت ہے، جس زمانہ میں جس معیار کا کپڑا پہنا جاتا ہو اور وہ شرعاً جائز ہو، یا جس علاقہ میں جس طرح کے کھانے کھائے جاتے ہوں، اس کے مطابق ان ضروریات کی فراہمی ضروری ہے، اگر ان تفصیلات کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نفقہ کی ادائیگی میں بیوی کی پسند اور اس کے جذبات بھی شامل رکھے گئے ہیں؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ بیوی کی پسند شوہر کی گنجائش سے زیادہ نہ ہو؛ کیوں کہ مرد سے بیوی کے علاوہ

دوسرے رشتہ داروں کے حقوق بھی متعلق ہیں ، یہ بات درست نہیں ہے کہ مرد اپنی بیوی کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کو نظر انداز کردے ۔

نافرمان بیوی کا نفقہ

سوال:- " الف " کی بیوی بڑی ہی نافرمان اور بدزبان ہے ، گو وہ اس کے گھر میں ہی ہے ، لیکن شوہر اس کی بدسلوکی کی وجہ سے اس سے تنگ آچکا ہے ، تو کیا ایسی عورت کا خرچ شوہر کے ذمہ واجب ہوگا ؟ (مشتاق احمد ، سلطان شاہی)

جواب:- " الف " کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کو سمجھائیں ، اگر اس کا کوئی جائز مطالبہ ہو تو اسے پورا کریں ، اگر اس کا سمجھانا کافی نہ ہو تو خاندان کے دوسرے بزرگوں کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کریں ، تاہم نافرمان ہونے کے باوجود اگر وہ شوہر ہی کے گھر میں ہو تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا ، شریعت کی اصطلاح میں ناشزہ سے مراد وہ عورت ہے جو شوہر کے گھر سے بلا اجازت چلی گئی ہو یا شوہر کے ساتھ جس گھر میں رہتی ہو اس میں شوہر کو داخل نہ ہونے دے :

" وفي الشرع الخارجة عن منزلة زوجها المانعة نفسها منه ... وهو عدم تمكينها له من الدخول في منزلها الذي يسكنان قبل أن تسئله النقلة ، لأنها كالخارجة " (۱)

رخصتی سے پہلے بیوی کا نفقہ

سوال:- نکاح ہوگیا ، مگر ابھی لڑکی کی رخصتی نہیں ہوئی ، وہ اپنے میکہ میں ہے ، تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہوگا یا نہیں ؟ (مہ جبین ، انولی چوکی)

---

(۱) البحر الرائق ۴ : ۳۰۳ ، نیز دیکھئے : الفتاوی الهندية ۱ : ۳۲۶

جواب:- اگر نکاح کے بعد لڑکی رخصت ہوکر اپنے شوہر کے یہاں جانے کے لئے تیار تھی، لیکن خود شوہر نے بیوی کو رخصت کرانے میں تاخیر کی تو عورت نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے؛ کیوں کہ اس نے خود اپنے آپ کو روکا نہیں ہے اور شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو اپنے ساتھ لے جائے:

" الكبيرة إذا طلبت النفقة وهي لم تزف إلى بيت الزوج فلها ذلك إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة " (۱)

پورے ماہ کا نفقہ ایک دفعہ

سوال:- میرے شوہر مجھے روز کا روز سامان کا پیسے دیتے ہیں، یا سامان منگاتے ہیں، وہ ماشاء اللہ گورنمنٹ ملازم ہیں، انہیں معقول تنخواہ ملتی ہے، یہ روز روز گھر کا راشن منگانے سے بڑی مشکل پیش آتی ہے، اگر کوئی مہمان آجائے تو بہت دشواری ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں میرے شوہر کے لیے شرعاً کیا ہدایت ہے؟

(حبیبہ خاتون، سکندرآباد)

جواب:- مرد پر بیوی بچوں کا نفقہ واجب ہے، نفقہ اس طرح ادا کرنا چاہیے کہ مقدار و معیار کے اعتبار سے بھی سہولت بخش ہو، اور ادائیگی کا وقت بھی آسانی کا باعث ہو، نیز مرد کے لیے اس میں دقت نہ ہو، جو شخص گورنمنٹ یا پرائیوٹ ملازم ہو، اور اس کی ماہانہ تنخواہ متعین ہو، تو اس کے لیے مہینہ بھر کا راشن فراہم کرنے یا اس کے پیسے دے دینے میں کوئی دشواری نہیں، اس لیے بہتر طریقہ یہی ہے کہ آپ کے شوہر ہر ماہ ضروریات کا انتظام کریں اور آپ پوری دیانت کے ساتھ شوہر کے منشا کے مطابق خرچ کریں، ہاں جو شخص یومیہ اجرت پر ملازم ہو، اس کے لیے ایک ساتھ مہینہ بھر کا خرچ دینا دشوار ہوگا، وہ روز کا روز ضروریات کا انتظام کر دیا کرے تو کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) الفتاوی الہندیہ: ۱؍ ۵۳۵

"و لم یذکر المصنف في أي وقت یدفع لها النفقة لأنه یختلف باختلاف الناس قالوا: یعتبر في الفرض الأصلح ففي المحترف یوما بیوم ... و إن کان تاجرا یفرض علیه نفقة شهر بشهر الخ" (۱)

بیوی کا اپنے نفقہ میں سے کچھ بچالینا

سوال:- میرے شوہر مجھے خرچ کے لیے ماہانہ ایک رقم باندھ کر دیتے ہیں، اور میری ذمہ داری ہوتی ہے کہ میں گھر چلاؤں، وہ مجھ سے اس رقم کا حساب نہیں لیتے اور اگر میں نے کبھی کسی کو کچھ دیا تو روکتے بھی نہیں ہیں، ایسی صورت میں کیا میرے لیے اس رقم میں سے کچھ بچا کر رکھنا یا اس میں سے کارِ خیر میں خرچ کرنا، یا رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا جائز ہوگا؟ (فہمیدہ خانم مہدی پٹنم)

جواب:- شوہر اگر متعین رقم بیوی کو اس کے اخراجات کے لیے دے تو بیوی اس کی مالک ہو جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں سے پیسہ بچا کر رکھنا یا صدقہ وغیرہ کرنا جائز ہے:

"إن النفقة المفروضة تصیر ملکا للمرأة إذا دفعها إلیها فلها التصرف فیها من بیع و هبة و صدقة و إدخار" (۲)

پھر جب شوہر کی طرف سے ممانعت اور حساب فہمی کا مطالبہ نہیں ہے تو یہ گویا اس کی طرف سے اجازت کے درجہ میں ہے: اس لیے بچوں کے نفقہ میں سے جو رقم بچ گئی ہو، اس کا بھی خرچ کرنا درست ہوگا۔

---

(۱) البحر الرائق: ۱۶۹/۴

(۲) البحر الرائق: ۱۷۲/۴

زیر تعلیم بالغ بچوں کا نفقہ باپ پر ہوگا

سوال: - جو بچے بالغ ہو چکے ہیں اور ابھی ان کی تعلیم ادھوری ہوتی ہے تو کیا ان کی تعلیم مکمل ہونے تک باپ پر ان کی پرورش کرنے کی ذمہ داری ہے یا بالغ ہونے کے بعد باپ کی ذمہ داری ختم ہوگئی؟ (محمد محسن، مغل پورہ)

جواب: - بچوں کے جو حقوق ماں باپ پر عائد ہوتے ہیں ان میں ایک بچوں کی تعلیم و تربیت بھی ہے اور تعلیم میں ان کے مناسب حال علم نافع کا انتظام کرنا مطلوب ہے خواہ احکام دین سے متعلق علم ہو یا امور دنیا سے متعلق علم، اس لئے اگر باپ صاحب استطاعت ہو تو بالغ ہونے کے بعد بھی بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اور اس کی ضروریات کی تکمیل باپ کے ذمہ واجب رہے گی:

"وقال الإمام الحلواني ..... وكذا طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لا يهتدون إليه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية لا بالخلافيات الركيكة وهذيان الفلاسفة" (۱)

فقہاء نے گو ان میں صرف علوم شرعیہ کو ذکر کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ جیسے علوم شرعیہ ضروری ہیں، اسی طرح ضروری حد تک کسب معاش سے متعلق دوسرے علوم کا حاصل کرنا بھی باعزت زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے، اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱: ۵۶۳

کتاب الفتاوی

نواں حصہ

کتاب الحقوق

حقوق سے متعلق مسائل

زوجین اور دوسروں کے حقوق وفرائض

اگر زوجین میں سے ایک دوسرے کا حق ادا نہ کریں؟

سوال:- اگر شوہر اپنے فرائض ٹھیک سے ادا نہ کرے تو کیا بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرائض شوہر کے تئیں پورا کرے ورنہ کیا وہ شریعت کی نظر میں معتوب ہوگی؟ (فاطمہ نیاز، حسن نگر)

جواب:- ازدواجی رشتہ اخلاق اور ایثار سے پروان چڑھتا ہے؛ اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ اگر زوجین میں سے ایک کی طرف سے حق ادا کرنے میں کوتاہی ہو تب بھی دوسرا فریق اپنے متعلقہ حقوق ادا کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لے، ورنہ محبت کا یہ رشتہ نفرت میں بدل جائے گا، یہ تو اخلاقی پہلو ہے؛ لیکن قانونی اعتبار سے بیوی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر شوہر اس کا حق ادا نہ کرے تو وہ شوہر سے اپنے نفس کو روک لے، جیسا کہ فقہاء نے مہر اور بعض دیگر حقوق کے سلسلہ میں لکھا ہے —— پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات انسان کسی عمل کو انصاف کے خلاف یا حق کی ادائیگی میں کوتاہی خیال کرتا ہے؛ حالاں کہ حقیقت میں شرعاً وہ عمل حق تلفی کے دائرہ میں نہیں آتا۔

اگر شوہر بیوی کو کسب معاش سے روک دے؟

سوال:- اگر کوئی خاتون اپنی معیشت بڑھانے کے لئے

کوئی صنعت یا تجارت کرتی ہے، شوہر اس سے منع کردے تو کیا بیوی کے لئے اپنا کام بند کردینا واجب ہے؟ (فاطمہ نیاز، حسن نگر)

جواب:- اگر عورت کو اپنے کاروبار کے لئے گھر سے باہر جانا پڑتا ہو، کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی بھی نہ ہوتی ہو اور شوہر کے حقوق اور اپنی ذمہ داریوں کو بھی وہ ادا کررہی ہو تو شوہر کو حق نہیں ہے کہ وہ بیوی کو اس سے روکے؛ کیوں کہ نہ اس کا عمل شریعت کے خلاف ہے اور نہ اس کی ذمہ داریوں میں حارج، جیسے کوئی عورت گھر میں ہی آن لائن شیئرز خرید و فروخت کرتی یا کمپوزنگ کرتی ہو، موم بتی بناتی ہو یا سلائی کرتی ہو وغیرہ —— البتہ اگر معاشی سرگرمی کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہو تو شوہر کی اجازت ضروری ہے، بشرطیکہ شوہر بیوی بچہ کا نفقہ ادا کرتا ہو، اور اگر شوہر نفقہ ادا نہیں کرے اور بیوی شرعی حدود کے ساتھ ملازمت کرتی ہو تو شوہر کو اسے منع کرنے کا حق حاصل نہیں، غرض کہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا کررہا ہو تو عورت کا کسب معاش کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، اگر شوہر منع کردے تو اس سے رک جانا ضروری ہے۔

عورت کو والدین سے ملاقات کا حق ہے

سوال:- شوہر شادی کے بعد اپنی بیوی کو اس کے والدین سے ملاقات کرنے سے روکتا ہے، کیا اس کا روکنا درست ہے؟ اور بیوی پر اس کی اطاعت کرنا واجب ہے؟ (سمینہ تبسم، اکبر باغ)

جواب:- نکاح کی وجہ سے پہلے رشتے ختم نہیں ہوجاتے؛ بلکہ پہلے کے رشتے اسی اہمیت کے ساتھ باقی رہتے ہیں، ازدواجی رشتہ تو ایسا ہے کہ ٹوٹ سکتا ہے اور توڑا جاسکتا ہے؛ لیکن والدین اور اولاد کا رشتہ اٹوٹ ہے؛ اس لئے یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اس کے والدین یا محرم رشتہ داروں سے ملاقات کرنے سے روک لے؟ یہ قطع رحمی ہے اور قطع رحمی حرام ہے، عورت کو اپنے والدین سے ملنے اور والدین کو اپنی بیٹی سے ملاقات کرنے کا حق

حاصل ہے؛ بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عورت کے والدین اور اس کے محرم رشتہ دار اسی شہر میں موجود ہوں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ اسے والدین کے یہاں جانے اور ان سے ملاقات کرنے اور مہینہ میں ایک دفعہ محرم رشتہ داروں، بھائی، چچا وغیرہ سے ملاقات کرنے کا حق حاصل ہے، شوہر اس سے روک نہیں سکتا، اسی طرح اس کے والدین اگر خود ملاقات کے لئے آئیں تب بھی انہیں ملاقات سے روکا نہیں جا سکتا۔

شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت

سوال:- میرے شوہر کماتے نہیں ہیں، نہ میرا خرچ صحیح طور پر دیتے ہیں، نہ بچوں کی تعلیم کے اخراجات ادا کرتے ہیں، بار بار کہنے کے باوجود کوئی توجہ نہیں دی؛ اس لئے مجبور ہو کر میں نے ایک اسکول میں ملازمت کر لی ہے، اسی سے گھر کی ضرورت پوری ہوتی ہیں، اب وہ مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ تم ملازمت چھوڑ دو میں محنت مزدوری کروں گا، ایسی صورت میں شرعاً مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں ان کی اجازت کے بغیر ملازمت کر سکتی ہوں؟

(عابدہ پروین، سکندر آباد)

جواب:- اصل میں کسب معاش مرد کی ذمہ داری ہے اور گھر کے اندر کے نظم کو سنبھالنا عورت کے ذمہ ہے، آپ کے شوہر کا محنت مزدوری کرنے سے راہ فرار اختیار کرنا اپنی شرعی ذمہ داری سے گریز کرنا ہے؛ اس لئے عام حالات میں تو عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت کرنا جائز نہیں؛ لیکن اگر شوہر اپنے فرائض ادا نہیں کرتا ہو تو شوہر کی اجازت کے بغیر بھی عورت کے لئے اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی غرض سے ملازمت کرنا جائز ہے:

" ویجوز للزوجة الخروج بغير إذن الزوج لما لا غنى لها عنه كإتيان بنحو مأكل والذهاب إلى

القاضي لطلب الحق واكتساب النفقة إذا أعسر بها الزوج " (۱)

اس لئے آپ کا مذکورہ حالات میں ملازمت کرنا جائز ہے؛ البتہ تین باتوں کی رعایت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ کسی غیر محرم کے ساتھ اختلاط نہ ہو، دوسرے: پردہ کے سلسلہ میں شرعی حدود کی رعایت کی جائے، تیسرے: اجنبی مردوں کے ساتھ غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کیا جائے، اس کے علاوہ آپ اپنے شوہر سے کہیں کہ وہ کوئی ملازمت کرے اور جس بات کا وعدہ کر رہا ہے۔ اس کا عملی ثبوت پیش کرے، اگر دو چار مہینہ وہ اپنے وعدہ میں پورا اترے اور گھر کی ضروریات پوری ہو جائیں تو پھر آپ کو چاہئے کہ اپنی ملازمت ترک کر دیں اور شوہر کے منشاء کے مطابق زندگی گذاریں، اسی میں آپ کے لئے دنیا کی بھلائی اور آخرت میں کامیابی ہے۔

شوہر کا بیوی کو جائز چیزوں سے روکنا

سوال:- اگر شوہر بیوی کو حکم دے کہ میرا منع کیا ہوا کپڑا یا اور کوئی چیز اپنے استعمال میں نہیں لاسکتی ہو، خواہ وہ جائز ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں عورت شوہر کی منع کی ہوئی چیز اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے استعمال کرے تو شرعی اعتبار سے اس کی کیا سزا ہے؟

(سید محمود علی، مغلپورہ)

جواب:- کچھ باتیں وہ ہیں جن کا شریعت میں کرنا ضروری ہے، جیسے نماز پڑھنا، پردہ کرنا، شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اگر بیوی کو غافل دیکھے تو وہ ان کے بارے میں کرنے کا حکم دے اور بیوی پر واجب ہے کہ شوہر کا کہا مانے، کچھ باتیں وہ ہیں جن سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، جیسے غیبت کرنا، بے پردہ رہنا، اگر بیوی غفلت کرتی ہو تو شوہر کا فریضہ ہے کہ بیوی کو اس سے منع کرے اور بیوی کا فریضہ ہے کہ وہ ان باتوں سے باز رہے؛ بلکہ ان دونوں طرح

---

(۱) الموسوعة الفقهية ٩،٠/٩،٠

کے عمل میں اگر شوہر کی طرف سے غفلت پائی جائے تو بیوی کو بھی حق حاصل ہے کہ شوہر کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے متوجہ کرے۔

تیسری قسم کے افعال وہ ہیں جن کو "مباح" کہا جاتا ہے، یعنی ان کا کرنا بھی جائز ہے اور نہ کرنا بھی، شوہر کو چاہئے کہ ایسی چیزوں میں اپنی مرضی بیوی پر تھوپنے کی کوشش نہ کرے، شوہر کے مقام کو ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول کے مقام سے کوئی نسبت نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابیہ سے فرمایا کہ اگر تم فلاں رشتہ کو برقرار رکھتیں تو بہت اچھا ہوتا، ان خاتون نے دریافت کیا کہ یہ آپ کا حکم ہے یا سفارش؟ چوں کہ یہ ان کا حق تھا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں حکم نہیں دے سکتا، صحابیہ نے عرض کیا کہ پھر تو میں اسے قبول نہیں کرسکتی، آپ ﷺ نے مزید اصرار نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جائز باتوں میں اپنی پسند پر دوسروں کو مجبور نہیں فرماتے تھے؛ لہٰذا شوہر کا یہ رویہ نہیں ہونا چاہئے کہ جس بات کی شریعت میں اجازت دی گئی ہے، وہ اس سے بیوی کو منع نہیں کرے اور اپنی رائے پر اصرار نہ کرے؛ البتہ ازدواجی زندگی ایک دوسرے کی رعایت ہی کے ذریعہ خوشگوار ہوسکتی ہے؛ اس لئے بیوی کے لئے بہتر بات یہ ہے کہ وہ شوہر کے جذبات کو ملحوظ رکھے، —— سزا کا اس سے کوئی تعلق نہیں، سزا کا تعلق حقوق کے ادا نہ کرنے سے ہے، اگر شوہر بیوی کا حق ادا نہ کرے تو وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ سزا کا مستحق ہے، اور بیوی شوہر کا حق ادا نہ کرے تو وہ سزا کی مستحق ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ: "دونوں کے ایک دوسرے پر یکساں حقوق ہیں"، یعنی حقوق کی ادائیگی اور حق تلفی سے اجتناب کا حکم دونوں کے لئے یکساں طور پر ہے

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (۱)

بیوی کی سرزنش کب جائز ہے؟

سوال:- قرآن مجید میں بیوی کو مارنے کی اجازت دی

---

(۱) البقرۃ: ۲۲۸۔

گئی ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مار تکلیف دہ نہ ہونی چاہئے، لیکن سوال یہ ہے کہ کن باتوں پر شوہر کو شریعت میں یہ حق دیا گیا ہے؟ بعض مرد حضرات معمولی معمولی بات پر بیوی کی پٹائی کرنے لگتے ہیں اور اس کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرتے ہیں، براہ مہربانی اس کو واضح کریں؛ کیوں کہ پڑھے لکھے لوگوں میں بھی اس طرح کی بداخلاقی پائی جاتی ہے۔ (سعیدہ آفرین، ٹولی چوکی)

جواب:- اگر واقعی بیوی کی غلطی ہو، شوہر کے لئے شریعت نے جو حقوق رکھے ہیں، وہ ان کو ادا کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو شوہر کو یہ حکم ہے کہ وہ پہلے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کرے، اس سے بھی نہ ہو تو چند دن بیوی کو اپنی خوابگاہ میں رکھتے ہوئے ترک تعلق کرلے، اس کے باوجود عورت اپنا رویہ درست نہ کرے تو اب شریعت نے ہاتھ اٹھانے کی اجازت دی ہے؛ لیکن یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ تکلیف دہ حد تک مار پیٹ نہ ہو —— کن صورتوں میں شوہر کے لئے ہاتھ اٹھانے کی گنجائش ہے؟ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ شریعت نے شوہر کے لئے جو حقوق دیے ہوں، کسی طبعی یا شرعی رکاوٹ اور عذر کے بغیر اسے پورا نہ کرے، تب شوہر سرزنش کرسکتا ہے، فقہاء نے اسے متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ چار صورتوں میں اسے ہاتھ اٹھانے کی گنجائش ہے، ایک یہ کہ شوہر زینت و آرائش کرنے کا حکم دیتا ہو اور بیوی اس پر عمل نہ کرے، دوسرے: شوہر اپنی فطری ضرورت کے لئے بیوی کو بلائے اور بیوی کو کوئی مجبوری نہ ہونے کے باوجود اس کو قبول نہ کرے، تیسرے: شوہر کی اجازت کے بغیر اور اپنے کسی جائز حق کے بغیر گھر سے باہر نکلے، یہ تین صورتیں تو متفق علیہ ہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ نماز نہ پڑھے، غسل جنابت واجب ہو اور نہ کرے، حیض سے پاک ہو جائے اور غسل نہ کرے، صحیح یہی ہے کہ اس پر بھی شوہر کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے سرزنش کرنے کی اجازت ہے؛ کیوں کہ بیوی کو دین پر قائم رکھنا شوہر کا فریضہ ہے اور قوام ہونے کی حیثیت سے وہ اس مسئلہ میں عند اللہ جواب دہ ہے؛ البتہ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ

چوں کہ یہ شوہر کا حق نہیں ، اس کا ثواب وعذاب بیوی سے متعلق ہے ؛ اس لئے شوہر اس کی وجہ سے اس پر ہاتھ اٹھانے کا حق نہیں رکھتا —— مشہور فقیہ قاضی خان نے ان احکام کو تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے ، (۱) —— لہذا شوہر کا ایسی بات کے لئے بیوی کو مار پیٹ کرنا جو شرعاً اس کا حق نہیں ہے ، گناہ ، ناجائز اور عند اللہ جواب دہی کا باعث ہے ۔

کسب معاش کی دھن میں دوسرے حقوق و فرائض سے غفلت

سوال :- شوہر اور بیوی دونوں ملازم ہیں ، ایک ساتھ رہنے کے باوجود ذہنی ٹینشن کی وجہ سے چھ مہینے گزر جانے کے بعد بھی جماع نہیں کر سکے ہیں ، کیا اس کا رشتۂ نکاح پر شرعاً کوئی اثر پڑے گا ؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں ۔ (سید اشرف ، چنچل گوڑہ)

جواب :- ایسا نہیں ہے کہ ایک مختصر یا طویل مدت کے درمیان شوہر و بیوی کے درمیان مخصوص تعلق کی نوبت نہیں آئے ، تو اس سے نکاح ختم ہو جائے ؛ بلکہ نکاح ، طلاق ، خلع ، قاضی کے ذریعہ فسخ نکاح اور بعض حالات میں حرمت پیدا ہونے کی وجہ سے ختم ہوتا ہے ؛ اس لئے آپ نے جو صورت ذکر کی ہے ، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا ، مگر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ نکاح کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں عفت و پاکدامنی کی زندگی گذاریں ، نسل انسانی کی افزائش کا ذریعہ بنیں اور ایک دوسرے کے لئے وجہ سکون بن سکیں ، اگر میاں بیوی جوان ہوں ، تو ازدواجی تعلق ان مقاصد کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے ؛ اس لئے زیادہ سے زیادہ کمانے کی دھن میں دوسرے حقوق و فرائض سے غافل ہو جانا نہ شرعی نقطۂ نظر سے پسندیدہ عمل ہے اور نہ سماجی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے اسے بہتر کہا جا سکتا ہے ۔

شوہر کی آمدنی میں بیوی کا حق

سوال :- آسودہ حال شوہر کی آمدنی میں بیوی شرعی اعتبار

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندية : ۴۴۳/۱ ، فصل في حقوق الزوجة

سے کیا حق رکھتی ہے؟ (امۃ اللہ، حیدرآباد)

جواب:- شریعت نے شوہر پر بیوی کا نفقہ، لباس اور رہائش کا انتظام واجب قرار دیا ہے، نفقہ میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جن کے ذریعہ انسان مناسب طور پر زندگی گذار سکے، چنانچہ اس میں موسم، صحت اور ضرورت کے لحاظ سے کھانا پینا بھی شامل ہے اور علاج ومعالجہ بھی، یہ تو قانونی حق ہے؛ لیکن میاں بیوی کے تعلقات کے درست رہنے میں صرف قانونی طور پر حقوق کی ادائیگی کافی نہیں؛ بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک بھی ضروری ہے، جس کو قرآن مجید میں 'معاشرت بالمعروف' سے تعبیر کیا گیا ہے؛ اس لئے قانونی حق تو یہ ہے کہ نفقہ، لباس اور رہائش کا انتظام کردے یا اس کے اخراجات بیوی کو دے دے؛ لیکن اخلاقی واجبات میں یہ بھی ہے کہ اس کے علاوہ بھی بیوی کے ہاتھ میں حسب گنجائش پیسے دے دیا کرے، رسول اللہ ﷺ کا اسوہ یہی تھا، یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات صدقہ بھی دیا کرتی تھیں، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی تھیں، اگر آپ ﷺ بقدر ضرورت ہی نفقہ ادا کیا کرتے تو وہ کیسے اس طرح کے کاموں میں رقم خرچ کر پاتیں؟ —— البتہ جو چیز اخلاقی واجبات میں ہوتی ہے، اس کی کوئی حد یا مقدار متعین نہیں کی جاسکتی۔

کن ایام میں بیوی سے تعلق قائم نہیں کرسکتے؟

سوال:- وہ کون سے مخصوص ایام ہیں، جن میں شوہر بیوی سے میاں بیوی کے تعلق قائم نہیں کرسکتا؟

(عبدالرحمن، دراجان کالونی)

جواب:- قرآن مجید نے حیض ونفاس کی حالت میں اس سے منع کیا ہے:

﴿فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ (1)

---

(1) البقرة: ۲۲۲

اس لئے اس حالت میں بیوی سے تعلق قائم کرنا حرام ہے، اگر جنابت کی حالت ہو تو
حرام نہیں ،(۱) اسی طرح اگر عورت کی صحت اس کی متحمل نہ ہو اور ڈاکٹر نے جماع سے منع کیا ہو، یا
مرد کسی ایسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جو جماع سے متعدی ہوتی ہو، تو عورت کو ہم بستری کے
لئے مجبور کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ یہ عورت کو ضرر پہنچانا ہے اور ظاہر ہے، اس کی اجازت نہیں۔

ایک بیوی کے سامنے دوسری بیوی سے صحبت

سوال:- میرے شوہر کی دو بیویاں ہیں، ایک میں ہوں،
دوسری میری سوکن ہے، ہم دونوں ایک ہی مکان میں رہتے ہیں
اور شوہر ہم دونوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے کی کوشش بھی
کرتے ہیں؛ لیکن ایک دشواری یہ ہے کہ وہ ایک بیوی کے سامنے
دوسری بیوی کے ساتھ ہم بستری کیا کرتے ہیں، حالاں کہ ہم
دونوں میں کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرتی؛ لیکن وہ اس پر بہت اصرار
کرتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟ (منصف کی ایک قاری)

جواب:- پردہ کا حکم جیسے مرد وعورت کے درمیان ہے، اسی طرح دو عورتوں کے
درمیان بھی ہے، ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ایک عورت کے لئے دوسری عورت کے
سامنے کھولنا کسی شدید مجبوری اور عذر کے بغیر جائز نہیں ہے؛ اس لئے شوہر کا یہ عمل قطعاً درست
نہیں ہے، نیز حیاء کے بھی خلاف ہے اور آپ دونوں کو ان کی اس ناروا خواہش کے پورا کرنے
سے انکار کر دینا چاہئے اور انہیں حکمت کے ساتھ سمجھانا چاہئے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"ولو اجتمعت الضرائر في مسكن واحد بالرضا
يكره أن يطأ إحداهما بحضرة الأخرى ، حتى لو
طلب وطأها لم تلزمها الإجابة ، ولا تصير
بالامتناع ناشزة" (۲)

(۱) بدائع الصنائع ۲؍۱۹۲ (۲) رد المحتار ۳؍۳۸۵

ایک کمرہ میں دو سوکنوں کا قیام

سوال:- ایسا شوہر جس کی مالی استطاعت زیادہ نہیں ہے، کیا ایک گھر میں اور ایک کمرہ میں دو بیویوں کو رکھ سکتا ہے؟ اور شوہر ایک کے سامنے دوسرے سے تعلق رکھ سکتا ہے، خاص کر ایسی صورت میں کہ دونوں بیویاں ایک ساتھ رہنے پر آمادہ ہوں؟

(ایک قاری، ملک پیٹ)

جواب:- ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت اس وقت ہے، جب کہ انسان دو بیویوں کے حقوق کو پوری طرح ادا کر سکے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دوسرا نکاح کر کے اپنے آپ کو بھی اور بیویوں کو بھی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہئے، بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ شوہر سے ایسے مکان کا مطالبہ کرے جس میں وہ سوکن کے بغیر تنہا اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکے، جب مرد کے اندر دو بیویوں کے لئے الگ الگ رہائش فراہم کرنے کی صلاحیت نہیں تھی تو اس کو دوسرے نکاح کا شوق ہی نہیں کرنا چاہئے تھا؛ اس لئے اصل میں تو اس پر واجب ہے کہ دونوں کے لئے الگ الگ مکان کا انتظام کرے؛ تاہم اگر کسی جبر اور دباؤ کے بغیر دونوں بیویاں ایک گھر میں رہنے پر آمادہ ہوں تو یہ درست ہے؛ لیکن پھر بھی یہ ضروری ہے کہ دونوں کے کمرے الگ الگ ہوں، خاص کر شوہر کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری سے اپنی ضرورت پوری کرے اور نہ عورت کے لئے شوہر کے ایسے تقاضہ کو پورا کرنا جائز ہے (۱)؛ کیوں کہ خواتین کے لئے بھی ناف سے گھٹنے تک ایک دوسرے سے پردہ واجب ہے۔

کیا بیوی کے ساتھ خلاف فطرت فعل سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

سوال:- کیا عورت کی پچھلی شرمگاہ سے صحبت کرنے سے عورت نکاح سے خارج ہو جاتی ہے؟ (علی احمد، چتور)

---

(۱) دیکھئے: فتاوی ہندیہ: ۱/ ۳۴۱

جواب :- یہ صورت سخت گناہ کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے بہت ہی شدت سے منع فرمایا ہے اور اس کے مرتکب پر لعنت بھیجی ہے، (۱) البتہ اس کی وجہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا، چوں کہ یہ فعل شرعی اعتبار سے بھی مذموم و حرام ہے اور طبعی اعتبار سے بھی سخت تکلیف دہ اور اذیت کا باعث ہے؛ اس لئے اگر شوہر اس حرکت سے باز نہ آتا ہو تو وہ دارالقضاء میں فسخ نکاح کے لیے درخواست دے سکتی ہے۔

بیوی کا علاج

سوال :- شوہر پر اپنی بیوی کے علاج کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ (خواجہ فخر الدین، قدیم ملک پیٹ)

جواب :- شوہر پر بیوی کا علاج کرانا واجب ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب قرار دیا ہے: ﴿ و علی المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف ﴾ (۲) اور نفقہ میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو زندگی کے بقاء کے لئے ضروری ہوں "و في الشرع : الادرار على شيء بما فيه بقاء ه " (۳) علاج، خوراک و پوشاک سے بڑھ کر انسان کے بقاء کے لئے ضروری شئی ہے، اس لئے جب خوراک، پوشاک اور رہائش گاہ کا انتظام شوہر پر واجب ہے تو علاج تو بدرجۂ اولیٰ اس کے ذمہ لازم ہوگا؛ کیوں کہ خوراک و پوشاک کی محرومی تو چند دنوں گوارہ کی جاسکتی ہے؛ لیکن امراض بعض ایسے ہوتے ہیں کہ چند دنوں بھی اس کا علاج کئے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ واللہ اعلم

اگر بیوی نافرمانی کرے؟

سوال :- میں کچھ دنوں سے پریشان ہوں؛ کیونکہ میری شریک حیات میری نافرمانی کرتی ہیں، میں جب بھی کسی کام سے

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۱۹۲۳، باب النهي عن إتيان النساء في أدبارهن
(۲) البقرة: ۲۳۳ (۳) رد المحتار: ۵/۲۷۷

بلاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ذکر کر رہی ہیں اور میری بات کا جواب کافی دیر سے ملتا ہے، اس لئے ہم دونوں میں بات بگڑ جاتی ہے، دل میں خیال آتا ہے کہ طلاق دے دوں ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (محمد سلیم، شاہین نگر)

جواب:- ایسی باتوں پر طلاق کے بارے میں سوچنا مناسب نہیں ہے، اگر عورت شوہر کے ساتھ حق تلفی اور جن باتوں میں فرمانبرداری واجب ہے، ان میں بھی نافرمانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اولاً انہیں محبت کے ساتھ سمجھایا جائے، پھر اگر اس سے کام نہیں چلے تو چند دنوں کے لئے بطور اصلاح اور تنبیہ کے میاں بیوی کا خصوصی تعلق ترک کر دیا جائے، اس کے باوجود جب ان کی طرف سے زیادتی ہو تو ہلکی سرزنش کی اجازت ہے، اور اگر ان کے رویہ میں تبدیلی آجائے تو پھر ان کے ساتھ اس طرح فہمائش کے عمل کو جاری نہیں رکھا جائے:

﴿ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ﴾ (۱)

اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان کے بزرگوں، سماج کے اچھے لوگوں یا علماء و مفتیان کو سامنے رکھ کر معاملہ کو سلجھانے اور تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (۲) طلاق آخری چارۂ کار ہے، جب بیوی کی زیادتی ناقابل برداشت ہو جائے اور اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہے تو اس وقت علماء سے مشورہ کر کے طلاق دینی چاہئے، طلاق دینا عورت کو ناقابل برداشت اذیت سے دوچار کرنا ہے اور ایذاء مسلم حرام ہے؛ اس لئے کسی شدید اور شرعی ضرورت نیز عورت کے مطالبہ کے بغیر طلاق دینا باعث گناہ ہے۔

بیوی بچوں سے متعلق ذمہ داری

سوال:- میری ایک سہیلی کے شوہر لمیٹڈ کمپنی میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں، اپنی کچھ مجبوریوں کی وجہ سے بیوی اور بچوں کو ان

---

(۱) النساء: ۳ (۲) النساء: ۳۵

کے والدین کے پاس رکھے ہوئے ہیں اور صرف بچوں کی تعلیمی فیس ادا کر رہے ہیں، انھیں ہر ماہ اپنی تنخواہ میں سے بیوی بچوں کو کتنا ادا کرنا چاہئے؟ (ممتاز اقبال، قاضی پیٹ)

جواب:- بیوی کی کفالت اس کے شوہر پر اور بچوں کی اس کے باپ پر واجب ہے، اس لئے اول تو شوہر کو بیوی کے لئے مستقل رہائش گاہ کا انتظام کرنا چاہئے، ہاں اگر خود بیوی اپنے میکہ میں رہے اور بیوی کے والدین ان کو اپنے مکان میں رکھنے پر بہ خوشی آمادہ ہوں تو بیوی بچوں کو بیوی کے میکہ میں رکھ سکتا ہے؛ لیکن بہر صورت بیوی اور بچوں کی خوراک و پوشاک، علاج اور بچوں کے دوسرے اخراجات ادا کرنا واجب ہے، اگر اس میں کوتاہی کرے تو حق تلفی کا گناہ ہوگا، صرف تعلیمی فیس ادا کردینا کافی نہیں۔

لڑکی کو بلا کسی سبب کے میکہ میں روک لینا

سوال:- کسی شادی شدہ لڑکی کو شوہر کی اجازت کے بغیر مجبور کرکے لڑکی کے والدین کا اپنے گھر لے جانا کیا درست ہے؟ (محمد اقبال، پھسل بنڈہ)

جواب:- اگر سسرال میں لڑکی کو کوئی دشواری نہ ہو، اس کے تمام حقوق ادا کئے جائیں اور اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے تو شوہر کی اجازت کے بغیر اس کی بیوی کو لے جانا یا میکہ میں روکے رکھنا درست نہیں، اس طرح کی صورت حال عام طور پر اختلاف کے وقت پیش آتی ہے؛ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ دونوں خاندانوں کے بزرگوں کو بٹھا کر معاملہ کو طے کرنے کی کوشش کریں، اور اگر اس میں دشواری ہو تو دار القضاء سے رجوع ہوں اور قاضی شریعت کے ذریعہ باہمی اختلافات کو طے کرلیں، شریعت نے شوہر و بیوی کے حقوق واضح طور پر متعین کردئے ہیں، اگر دونوں فریق ان حقوق کی ادائیگی کے لئے تیار ہوں تو دلوں میں کوئی فاصلہ پیدا نہ ہو، اختلاف اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے حقوق پر تو نظر رکھتے ہیں، اپنی ذمہ داریوں پر نظر نہیں رکھتے۔

نافرمان بیوی

سوال:- اگر کوئی عورت احکامِ خداوندی اور شریعت پر عمل نہ کرے تو کیا اس کے ساتھ زندگی گذار سکتے ہیں جب کہ وہ ایک حافظ قاری، امام و خطیب کی زوجہ ہے اور مذہب کی پروا کیے بغیر عیش کی زندگی گذار رہی ہے؟ (عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو سمجھائے اور شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے احکام شرع کا پابند بنائے؛ لیکن اگر بیوی ان سب کے باوجود اس کی بات نہ مانے، تو شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے، بعض دفعہ حالات ایسے ہوتے ہیں کہ رشتہ کو قائم رکھنا اور بعض ناپسندیدہ باتوں کو سہتے ہوئے ساتھ زندگی گذارنا ضروری ہوجاتا ہے بعض انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی اپنی بیوی یا بچوں کی طرف سے نافرمانی کو برداشت کرنا پڑا؛ اس لیے ایسے مسائل کا حل ممکن حد تک تذکیر اور اصلاح کی کوشش ہے، شدت اختیار کرنے سے مزید نقصان کا اندیشہ ہے۔

بیوی کی بدزبانی اور شوہر کی طرف سے ترکِ تعلق

سوال:- عورت کی بدزبانی کی وجہ سے شوہر بیوی سے گفتگو چھوڑ دے اور اس سے میاں بیوی کا تعلق بھی قائم نہ کرے؛ حالاں کہ اسے اس پر قدرت ہے اور عورت بھی جوان ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے، عورت کو کیا کرنا چاہئے؟

(ایک بہن، مقام غیر مذکور)

جواب:- پہلے تو خود بیوی کو اپنا رویہ درست کرنا چاہئے، اسے شوہر کے مزاج کو پہچاننا چاہئے، جس بات سے شوہر خوش ہوتا ہو، اگر وہ جائز کام ہو تو اسے کرنا چاہئے اور جس بات سے ناراض ہوتا ہو، اس سے اجتناب کرنا چاہئے، اور بدزبانی تو ہرگز نہیں کرنی چاہئے؛

کیوں کہ شوہر کا درجہ بہت اونچا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو عورت اس حال میں رات گذارے کہ اس کا شوہر (کسی جائز بات میں) اس سے ناراض ہو، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں'' (۱)

البتہ شوہر کے لئے بھی یہ روا نہیں کہ سمجھانے اور پند و نصیحت سے کام لینے کے بجائے بات چیت بند کر لے، اسے تحمل سے کام لیتے ہوئے بات چیت بند نہ کرنی چاہئے اور نہ ترک تعلق کرنا چاہئے، اگر بہت زیادہ صدمہ ہو، تو زیادہ سے زیادہ تین دنوں تک ترک گفتگو اور ترک تعلق کر سکتا ہے، اس سے زیادہ کرنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ یہ مسلمان کو ایذاء پہونچانا ہے اور کسی بھی مسلمان کو ایذاء پہونچانا حرام ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا باہر جانا

سوال:- کیا کوئی عورت اپنے شوہر کو بتائے بغیر کہیں جاسکتی ہے؟ اگر شوہر جانے سے منع کرے تو کہتی ہے کہ آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ (عمران، حیدرآباد)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے گھر میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو آنے دے'' (۲)

جب کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے یہاں کسی کو آنے دے تو شوہر کی اجازت کے بغیر خود اس کا کہیں جانا کیوں کر روا ہوسکتا ہے؟ اس لیے کسی عورت کے لیے یہ بات قطعاً درست نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کہیں جائے، ہاں! شدید مجبوری جیسے علاج وغیرہ کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

---

(۱) ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۷۵۷

(۲) ریاض الصالحین ص: ۱۸۸

شوہر کی خدمت

سوال:- ماں باپ کی خدمت کرنے کا تو بہت ثواب ہے، اور قرآن وحدیث میں اس کا بہت ذکر آیا ہے، لیکن کیا شوہر کی خدمت کرنے کی بھی فضیلت ہے؟ اور اس کے بارے میں بھی حدیث شریف میں کوئی ذکر ہے؟ (بلقیس بیگم، بنجارہ ہلز)

جواب:- شوہر کی خدمت میں بھی بڑا اجر ہے، حضور ﷺ نے صلۂ رحمی کا حکم دیا ہے اور انسان کے قریب ترین رشتہ داروں میں شوہر و بیوی ہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے شوہر کی ناراضگی کو بیوی کے لیے محرومی کا سبب بتایا ہے، اور ظاہر ہے کہ خدمت سے شوہر خوش ہوگا اور بے خدمتی سے ناراضگی پیدا ہوتی ہے، اس کے علاوہ متعدد احادیث میں صراحۃً شوہر کی خدمت کی فضیلت بیان کی گئی ہے؛ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شوہر کی خدمت کرنا بھی صدقہ ہے، ''خدمتك زوجك صدقة'' علامہ سیوطی نے اس کو حسن یعنی معتبر قرار دیا ہے(۱) گویا آپ ﷺ نے شوہر کی خدمت کو عبادت کے درجہ میں رکھا ہے۔

مطلقہ بوڑھی عورت کا سابق شوہر کی خدمت کرنا

سوال:- میری عمر ۷۰ کے لگ بھگ ہے، میری بیوی کی عمر بھی ساٹھ (۶۰) سے متجاوز ہے، میں کچھ اس طرح شیطان کے دام میں آگیا کہ اس عمر میں بیوی کو طلاق دے دیا، میں بیمار و فریش بھی ہوں، کوئی تیمارداری کرنے والا نہیں ہے، بچے بھی ساتھ ہیں، ایسی صورت میں کیا میری مطلقہ بیوی میرے گھر میں قیام کرسکتی ہے، تاکہ وہ کھانا وغیرہ پکادیا کرے؟ (نام غیر مذکور، ملے پلی)

---

(۱) دیکھئے: الجامع الصغیر، حدیث نمبر: ۳۹۸۱

جواب:- شریعت نے طلاق کے سلسلہ میں خوب احتیاط اور غور وفکر کر کے قدم اٹھانے کا حکم ہے، بہر حال جو صورت حال آپ نے لکھی ہے، چوں کہ اس میں آپ دونوں کی عمریں ایسی ہیں کہ بظاہر فتنہ کا اندیشہ نہیں، اور بال بچوں کی موجودگی اس فتنہ کے امکان کو اور کم کرتی ہے؛ اس لئے کبر سنی اور بیماری کی وجہ سے آپ دونوں کا ایک مکان میں رہنا اور ازدواجی تعلق نیز اس نوعیت کی باتوں سے بچتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کرنا جائز ہے

" وسئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة ، وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهم فيسكنان في بيتهم ولا يجتمعان في فراش ولا يلتقيان التقاء الازواج ، هل لهما ذلك ؟ قال : نعم " (۱)

شوہر اور والد کی اطاعت

سوال:- زید ایک وظیفہ یاب ہے، جس کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے، اس کی اہلیہ اور بچے نہایت نافرمان ہیں، باوجود افہام وتفہیم کے وہ اپنی بری عادت سے باز نہیں آتے، جس کی وجہ سے زید ذہنی تناؤ کا شکار ہے؛ حالانکہ وہ تمام اہل وعیال کی کما حقہ کفالت کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کے اور اس کی بیوی بچوں کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے ؟ (محمد عباد، نلگنڈہ)

جواب:- شوہر کی اطاعت بیوی پر اور والد کی اطاعت بچوں پر واجب ہے؛ بشرطیکہ وہ کسی خلاف شرع کام کا حکم نہیں دیں، حضور ﷺ نے شوہر کے لیے جو مقام رکھا ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ

---

(۱) رد المحتار مع الدر المختار ، فصل في الحداد : ۴/۲۲۷ .

کرنے کا حکم دیتا تو بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں؛(١) لیکن اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا روا نہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس ماں باپ کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جو اولاد کے ساتھ زیادتی روا رکھتا ہو؛(٢) چہ جائیکہ ایسے ماں باپ جو اپنے بچوں کے حقوق ادا کرتے ہیں؛ اس لیے زید کی بیوی کو چاہیے کہ وہ زید کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور اپنی بداعمالی کے ذریعہ دنیا و آخرت کو ضائع نہ کریں، نیز زید کو بھی چاہیے کہ نرم خوئی کے ساتھ بیوی بچوں کو سمجھائیں؛ کیوں کہ سختی اور تشدد فائدہ کے بجائے نقصان کا باعث بن جاتا ہے اور سلیقہ اور حسن اخلاق کے ساتھ نصیحت پتھر جیسے دل کو بھی پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔

بیوی کے ساتھ حق تلفی

سوال:- میرے شوہر بیرون ملک رہتے ہیں، انہوں نے مجھے اپنے گھر میں رکھ چھوڑا ہے جس میں ان کے بھائی اور بہنوئی وغیرہ مقیم ہیں، انہوں نے میرے لڑکے اور لڑکی کو ان کی پھوپھی یعنی اپنی بہن کی پرورش میں دے رکھا ہے اور مجھے ان سے محروم رکھا ہے، وہ تین سال سے مجھ سے بھی دور ہیں اور بار بار بلانے کے باوجود وطن کو نہیں آتے، ان حالات سے تنگ آکر میں اپنے ماں باپ کے یہاں آگئی ہوں، براہ کرم واضح کریں کہ شرعاً ہمارے کیا حقوق ہیں اور میرے شوہر کا عمل کس حد تک درست ہے؟

(شائستہ پروین، بنجارہ ہلز)

جواب:- اگر آپ کا سوال درست ہے تو جوابات اس طرح ہیں:

١) لڑکی کی پرورش کا حق طلاق کے بعد بھی ماں کو حاصل ہے تو نکاح کی حالت میں بدرجہ

---

(١) مجمع الزوائد: ٥٢٩/٣، کتاب النکاح

(٢) شعب الإیمان للبیهقی: حدیث نمبر: ٧٥٣٨

اولی وہی پرورش کرنے کی حقدار ہے؛ اس لئے ماں کی رضامندی کے بغیر پھوپھی یا پھوپھا کو پرورش کے لئے لڑکی کو سپرد کردینا درست نہیں، اور اگر لڑکی قریب البلوغ یا بالغ ہو یا اشتہاء کی عمر کو پہنچ گئی ہو تو ایسی صورت میں غیر محرم مرد کے حوالہ کرنا قطعاً جائز نہیں، سخت گناہ ہے، اس لئے آپ کے شوہر کو چاہئے کہ اپنے بہنوئی یا بہن سے لڑکی کو واپس لے کر لڑکی کی ماں کے حوالہ کردے اور اسے پرورش کرنے کا موقع دے۔

۲) بیوی کو ایسے گھر میں رکھنا جہاں شوہر نہ ہو اور عورت کے نامحرم رشتہ دار موجود ہوں، جائز نہیں ہے، کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، سوائے اس کے کہ عورت اپنی ساس کے ساتھ محفوظ طریقہ پر رہے، غیر محرم مردوں کی گھر میں آمد و رفت نہ ہو اور پردہ کی پوری رعایت کی جائے، یا بیوی کو اس کے میکہ میں رکھے اور اس کے اخراجات ادا کرتا رہے۔

۳) بیوی کے مالی حقوق کے علاوہ شریعت نے شوہر پر اس کا جسمانی حق بھی رکھا ہے؛ کیوں کہ اسی سے عفت و پاکدامنی متعلق ہے؛ اسی لئے اگر کوئی شخص چار ماہ یا اس سے زیادہ بیوی سے ترک تعلق کی قسم کھالے اور اس قسم کے مطابق عمل بھی کرے — جس کو قرآن مجید میں "ایلا" سے تعبیر کیا گیا ہے — تو اس سے رشتۂ نکاح ختم ہوجاتا ہے؛ لہٰذا شوہر کا تین سال تک گھر سے باہر رہنا اور بلانے کے باوجود نہ آنا بیوی کی حق تلفی ہے اور حق تلفی گناہ ہے؛ شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کے اس حق کا خیال رکھے اور اتنی مدت کا فصل نہ کرے، جو عورت کے لئے تکلیف دہ ہو۔

۴) بیوی اور بچے کا نفقہ اس کے شوہر اور باپ پر واجب ہے، اگر واقعی بیوی گھر میں نامحرموں کے ہونے کی وجہ سے فتنہ محسوس کرتے ہوئے یا شوہر کے عدم ادائیگی حق کی وجہ سے بطور احتجاج اپنے میکہ چلی گئی ہو تو چوں کہ اس کا اپنے آپ کو روکے رکھنا ایک حق شرعی کی وجہ سے ہے؛ اس لئے اب بھی وہ نفقہ کی مستحق ہے۔

بچہ کی پرورش کرنے والی مطلقہ عورت کے حقوق

سوال:- ہندہ کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے، عدت گزر چکی ہے، بچہ ۱۰ ماہ کا تو سولو بھی اسی کی پرورش میں ہے، ایسی صورت میں کیا ہندہ کو مدت گزرنے کے بعد بھی اپنے سابق شوہر سے کچھ حقوق حاصل ہوں گے؟ (فاطمہ قریشین، ملک پیٹ)

جواب:- جب عدت گزر چکی تو عام اصول کے تحت سابق شوہر پر اس کا کوئی حق باقی نہیں رہا، سوائے اس کے کہ اگر اس نے مہر اور نفقہ عدت ادا نہیں کیا ہو تو اسے ادا کرنا ہوگا؛ البتہ عدت گزرنے کے بعد بھی اگر بچہ ماں کی پرورش میں ہو تو بچہ کی نسبت سے سابق شوہر پر تین حقوق عائد ہوتے ہیں:

اول: دودھ پلانے کی اجرت، اگر ماں بچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔

دوسرے: بچہ کی پرورش کی اجرت یہ اجرت اتنی ہونی چاہیے کہ اس سے عورت کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

تیسرے: خود بچہ کا نفقہ۔

" فعلى هذا يجب على الأب ثلاثة: أجرة الرضاع ، وأجرة الحضانة ، ونفقة الولد " (۱)

طلاق کے بعد کی ذمہ داریاں

سوال:- میری لڑکی کے ساتھ اس کے شوہر نے بڑی زیادتی کی ہے، تکلیف تو دی ہی طلاق بھی دے دیا، اس کے بچے بھی ہیں، بتائیے کہ اب طلاق کے بعد کے کیا احکام ہیں؟ لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش کا حق کس کو ہوگا؟ ان کے کھانے پینے وغیرہ

---

(۱) ردالمحتار ۵ : ۲۴۰

کے اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں۔

(شبانہ خاتون، نولی چوکی)

جواب:- ۱) اسلام میں بوقت ضرورت شوہر کو طلاق دینے کا حق دیا گیا ہے، بلا ضرورت طلاق دینا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے طلاق کو ناپسند فرمایا ہے(۱) اور اس لئے کہ اس سے بیوی، بچوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے۔(۲)

۲) اگر شوہر نے طلاق دیدی تو ضروری ہے کہ اگر اس نے مہر اب تک ادا نہ کیا ہو تو مہر ادا کر دے، بیوی کی عدت کا خرچ ادا کرے، جو بچے عورت کے زیر پرورش ہوں ان کا نفقہ دیتا رہے، نیز جب تک عورت اپنے حق پرورش کی بنا پر بچوں کی پرورش کرتی رہے، مرد پرورش کی اجرت بھی ادا کرے اور وہ اجرت اتنی ہو کہ عورت کی بنیادی ضروریات پوری ہو جائیں۔

۳) جو بچے ماں کے زیر پرورش ہیں، ان کا نفقہ، تعلیم کے اخراجات اور علاج کا خرچ بچوں کے باپ پر واجب ہے(۳) اور جب باپ کا انتقال ہو جائے تو یہ بچے بھی ان کے مال سے وارث ہوں گے۔

۴) لڑکیاں جب تک بالغ نہ ہو جائیں اور لڑکے جب تک آٹھ سال کے نہ ہو جائیں، ماں کے زیر پرورش رہیں گے؛ بشرطیکہ ماں کی کسی ایسے مرد سے شادی نہ ہو، جو ان بچوں کے لئے غیر محرم ہو:

" وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد ...... والنفقة على الأب " (۴)

البتہ ماں کے پرورش کرنے کے دوران باپ کو وقتاً فوقتاً بچوں سے ملاقات کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ واللہ اعلم

---

(۱) أبو داؤد ، باب كراهية الطلاق ، حدیث نمبر: ۲۱۷۸

(۲) صحيح مسلم ، باب تحريم الظلم ، حدیث نمبر: ۲۵۸۰

(۳) الفتاوی الهندية: ۵۶۳/۱ (۴) الهداية: ۲/۴۳۴

ماں باپ اور اولاد کے حقوق و فرائض

ماں باپ اور بھائی بہنوں کی کفالت

سوال:- ایک عالم صاحب فرماتے ہیں کہ ماں باپ کی خدمت یا ان کی کفالت اولاد پر فرض نہیں ہے، یا بھائی بہنوں کی کفالت جو نا کتخدا ہوں ان پر فرض نہیں ہے، اس بارے میں شریعت کے کیا احکام ہیں معلومات مہیا فرمائیں۔

(شیخ احمد، برین بازار)

جواب:- ماں باپ کی خدمت اور حسب ضرورت ان کی کفالت اولاد پر واجب ہے، قرآن میں بھی اور احادیث میں تو کثرت سے اس فریضہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دوسرے اقرباء کے ساتھ بھی حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، ایک صاحب نے دریافت کیا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں کے ساتھ، باپ کے ساتھ، بہن اور بھائی کے ساتھ، پھر اخیر میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا: "حق واجب ورحم موصولة" یعنی یہ حق واجب ہے اور صلہ رحمی کا تقاضہ ہے۔(۱)

البتہ کفالت کے سلسلہ میں نصوص کی روشنی میں فقہی اصول یہ مقرر کیا گیا ہے کہ والدین کا نفقہ اولاد پر اسی وقت واجب ہوتا ہے، جب وہ خود اپنی ضروریات کو پوری کرنے کے

---

(۱) ابو داؤد، باب فی بر الوالدین، حدیث نمبر: ۵۱۴۰

لائق نہیں ہوں:

"ویجبر الولد الموسر علی نفقة الأبوین المعسرین مسلمین کانا أو ذمیین" (۱)

اسی طرح بھائی بہنوں کا نفقہ ادا کرنا اس وقت واجب ہوگا جب کہ وہ محتاج وضرورت مند ہوں اور ان کے والدین بھی ان کی کفالت کرنے پر قادر نہ ہوں، ویسے اخلاقی طور پر تو بھائی بہنوں کی مدد کرنا حسن سلوک کا تقاضہ ہے؛ لیکن قانونی طور پر واجب نہیں؛ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اعزہ واقارب کے نفقہ کے سلسلہ میں صراحت کی گئی ہے۔

سوتیلی والدہ کے اخراجات کی ذمہ داری

سوال:- میری والدہ کا کئی سال پہلے انتقال ہوگیا ہے، انتقال کے بعد والد صاحب نے دوسرا نکاح کیا، اب وہ کام کرنے کے لائق بھی نہیں رہے اور ان کی آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے، پھر ان کے اپنے اخراجات کا بھی مسئلہ ہے، میرے بھائیوں کا کہنا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہم لوگ والد کا خرچ دیں گے؛ کیوں کہ سوتیلی والدہ کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہوتی، اصل میں وہ لوگ والد صاحب کے دوسرے نکاح کرنے سے بہت ناراض ہیں، براہ کرم اس سلسلہ میں شرعی رہنمائی فرمائیں؟ (ایک بندۂ خدا، اکبر وغ)

جواب:- پہلی بات تو یہ ہے کہ والد کی خدمت اور ان کی ضروریات کو پوری کرنا اولاد کا شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے، مرد کی جو خدمت مطلوب ہوتی ہے، ان میں بعض وہ ہیں جسے بیوی ہی انجام دے سکتی ہے؛ اس لئے اگر باپ ضرورت محسوس کرتا ہو تو اس کا نکاح کردینا بھی اس کی خدمت کا ایک حصہ ہے؛ اس لئے بچوں کو ماں کے انتقال کے بعد باپ یا باپ کے

---

(۱) الفتاوی الهندیة ۱/۵۶۴

انتقال کے بعد ماں کے نکاح کرنے پر معترض نہ ہونا چاہئے، ایسا کرنا اللہ کی شریعت پر معترض ہونے کے مترادف ہے۔

جہاں تک نفقہ کی بات ہے تو باپ کی ضروریات کو پورا کرنا اولاد پر واجب ہے، اگر باپ کے اندر اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو سوتیلی ماں کا نفقہ بھی اولاد پر واجب ہوگا:

" وعليه نفقة زوجة أبيه ، أي في رواية ، وفي أخرى : إن كان الأب مريضا أو به زمانة يحتاج للخدمة "(۱)

ضعیف والدین کو چھوڑ کر خلیج کا سفر

سوال:- ''الف'' ہندوستان میں تجارت کرتا ہے، اس کے والدین کافی ضعیف ہیں؛ چنانچہ وہ یہاں رہتے ہوئے اپنے والدین کی خدمت بھی کرتا ہے اب وہ سعودی عرب جاکر زیادہ پیسے کمانا چاہتا ہے، تاکہ زیادہ وہ بہتر زندگی گزار سکے اور والدین کو بھی اس سے راحت پہنچائے؛ لیکن والدین کی خواہش ہے کہ وہ ہندوستان ہی میں رہے، ایسی صورت میں ''الف'' کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر وہ سعودی عرب چلا گیا تو کیا گنہگار ہوگا جب کہ وہ ماں باپ کا خرچ پورا کررہا ہے؟ (فرحت جہاں، یاقوت پورہ)

جواب:- والدین کی خدمت بال بچوں پر واجب ہے، خاص کر جب وہ ضعیف اور خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، اس لئے ''الف'' کو چاہئے کہ وہ ہندوستان ہی میں رہ کر معاش حاصل کرے اور اپنے والدین کی خدمت کے غنیمت موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دے، رسول اللہ ﷺ نے تو سفر جہاد سے بھی ایسے شخص کو منع فرمادیا، جس کے والدین اس کی خدمت کے محتاج تھے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لڑکا کوئی ایسا عمل

---

(۱) رد المحتار : ۵/۳۴۴

کرے، جس میں اس کے والدین کا کوئی دینی یا دنیوی نقصان نہ ہو لیکن انہیں لڑکے کا یہ عمل پسند نہ ہو تب بھی اس کے لئے والدین سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے:

"الابن البالغ یعمل عملا لا ضرر فیه دینا و لا دنیا بوالدیه، وهما یکرهانه فلا بد من الاستئذان فیه الخ" (۱)

اسی طرح فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اولاد کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر ایسا سفر کرنا درست نہیں، جو ان کے لئے ناگوار ہو ..... پھر یہ بھی ذہن میں رکھے کہ والدین کی دعا، مال و دولت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے، جو اولاد کے لئے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا ذریعہ ہے۔

والدین کی حق تلفی

سوال:- ایک لڑکا دو سال سے بیوی کو لے کر سسرال میں رہتا ہے، ضعیف والدین کی خدمت نہیں کرتا، اور نہ ماں باپ کی ضروریات پوری کرتا ہے، ایسے بچوں کے لیے کیا حکم ہے؟

(سید حفیظ الرحمن، پھولانگ، نظام آباد)

جواب:- والدین کا مرتبہ بہت اونچا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے والدین یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت میں داخل نہیں ہو سکا، وہ بہت ہی محروم ہے (۲)، ایک اور روایت میں ہے کہ والدین تمہاری جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی، (۳) یعنی ان کی رضا میں تمہاری جنت ہے اور ان کی ناراضگی میں جہنم ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

(۱) الفتاوی الهندية ۵ : ۳۶۵

(۲) مسلم عن أبي هريرة، حديث نمبر: ۲۵۵۱، ۲۵۵۱، كتاب البر والصلة والآداب، باب رغم من أدرك أبويه أو أحدهما عند الكبر فلم يدخل الجنة

(۳) مشكوة عن أبي امامة، حديث نمبر: ۴۹۴۱، كتاب الآداب، باب السلام

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادیں گے، سوائے والدین کی نافرمانی کے، کہ والدین کی نافرمانی کرنے والے کو موت سے پہلے دنیا ہی میں اللہ کی طرف سے سزا ہوگی۔(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔(۲) اس لیے یوں تو والدین کی خدمت ہمیشہ ہی واجب ہے، لیکن خاص کر بڑھاپے میں جب کہ وہ خدمت کے زیادہ محتاج ہوں، ان کی خدمت کرنا اہم ترین واجبات میں سے ہے، اس عمر میں کسی شخص کا والدین کو چھوڑ دینا اور بیوی بچوں کے ساتھ سسرال میں مقیم ہو جانا اللہ کو ناراض کرنے والا عمل ہے، اس کو اس سے بچنا چاہیے، اور سماج کے لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے ناشائستہ طرز عمل سے اولاد کو روکنے کی کوشش کریں، اور حسب ضرورت اس کی اصلاح کے لیے قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے طاقت کا استعمال کریں جس کی گنجائش شرعاً ہے۔

اگر شوہر والد کی خدمت سے منع کرے؟

سوال:- میرے والد ضعیف و معذور ہیں، ان کی خدمت کے لئے کوئی موجود نہیں ہے، میرے بھائی شادی شدہ ہیں؛ لیکن وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر دوسرے شہر میں رہ گئے اور ماں باپ کی طرف ان کی توجہ بھی نہیں ہے، میں والد کی خدمت کرنا چاہتی ہوں، لیکن میرے شوہر مجھے منع کرتے ہیں، ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں اپنے والد کو یوں ہی چھوڑ دوں؟

(عائشہ پروین، سعید آباد)

---

(۱) حوالہ سابق حدیث نمبر ۳۹۴۵

(۲) بخاری عن أنس ، حدیث نمبر ۲۶۵۳، ۲۶۵۲، کتاب الشهادات ، باب ما قیل فی شهادة الزور

جواب:- اولاً تو یہ بات قابل افسوس ہے کہ آپ کے بھائی اپنے والد کی خدمت کی طرف سے غافل ہیں، یہ نہ صرف حق تلفی ہے، بلکہ درحقیقت ان کی محرومی بھی ہے، آپ انہیں مناسب طور پر سمجھانے کی کوشش کریں، آپ کے سوال کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلام میں نکاح کی وجہ سے والدین اور اولاد کے حقوق ایک دوسرے پر ختم نہیں ہو جاتے، یہ حکم بیٹوں کے لئے بھی ہے اور بیٹیوں کے لئے بھی، جب آپ کے والد خدمت کے محتاج ہیں اور کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے تو آپ پر ان کی خدمت کرنا واجب ہے اور آپ کے شوہر کا اس سے روکنا زیادتی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے حقوق میاں بیوی کے حقوق پر مقدم ہیں، اس لئے باپ چاہے غیر مسلم کیوں نہ ہوں اور چاہے جائز بات میں ان کی اطاعت کرنے میں شوہر کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو، باپ کی اطاعت کی جائے گی؛ چنانچہ مشہور حنفی فقیہ قاضی فخر الدینؒ لکھتے ہیں:

"امرأة لها أب زمن ليس له من يقوم عليه و زوجها يمنعها عن الخروج إليه و تعاهده كان لها أن تعصي زوجها و تطيع الوالد مؤمنا كان الوالد أو كافرا لأن القيام بتعاهد الوالد فرض عليها فيقدم على حق الزوج" (۱)

"کسی عورت کے والد اپاہج ہوں، جس کی تیمارداری کرنے والا کوئی شخص موجود نہ ہو اور اس کا شوہر اسے والد کے پاس جانے اور اس کی دیکھ بھال کرنے سے منع کرتا ہو تو عورت کے لئے درست ہے کہ وہ اپنے شوہر کی بات نہ مانے اور والد کی اطاعت کرے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، کیوں کہ والد کی دیکھ بھال اس پر فرض ہے، لہٰذا یہ شوہر کے حق پر مقدم ہوگا"

---

(۱) فتاوی قاضی خان ۱/۴۴۳

والدین کے بجائے ساس سسر کی خدمت

سوال:- اپنے ماں باپ کا ایک اکلوتا لڑکا بڑا فرمانبردار ہے؛ لیکن شادی کے بعد سے سسرال والے پوچھتے ہیں کہ وہ سسرال میں آکر رہ جائے، وہ لوگ (ساس اور خسر) چاہتے ہیں کہ لڑکا بیوی کو سسرال میں رکھے اور تمام سلوک جو والدین کے ساتھ کرتا ہے، وہ سسرال والوں کے ساتھ کرے، یہ بات کہاں تک مناسب ہے؟ (لطیف النساء، احمد نگر)

جواب:- نکاح کی وجہ سے پہلے رشتے ختم نہیں ہوتے؛ بلکہ کچھ نئے رشتوں کا اضافہ ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جب ایک لڑکے نے شادی کی تو اپنے والدین سے اس کا تعلق ختم ہوگیا؛ اس لئے سسرال والوں کا لڑکے پر دباؤ ڈالنا کہ وہ اپنے والدین کو چھوڑ کر سسرال آجائے اور جو حقوق والدین کے ہیں، ان کو ادا کرنے کے بجائے وہی سلوک ساس، سسر کے ساتھ کرے قطعاً جائز نہیں، نیز رہائش کا نظم شوہر کے ذمہ ہے اور اس کی مرضی کے مطابق عورت کو قیام کرنا چاہئے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ بیوی کے لئے رہائش کا مناسب انتظام ہو، جہاں اس کو امن اور ذہنی سکون میسر ہو۔

باپ اور بیٹی کے درمیان ربط و تعلق کی حدیں

خلاصہ سوال:- میں ۲۲/ سال کی لڑکی ہوں، اور ڈگری مکمل کرچکی ہوں، میرے والد باہر سے آئے ہوئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ میں ان سے گلے ملوں، وہ مجھے ہاتھ لگانا چاہتے ہیں، میرے سامنے بے ہودہ لطیفے پڑھ کر ہنستے ہیں، اور سیل فون پر عریاں تصویریں دکھاتے ہیں، مجھے ان چیزوں سے ڈر لگا رہتا ہے، میں نے اپنی والدہ سے ذکر کیا تو وہ بھی والد کی طرف دار ہیں، والد اس

قسم کی حرکتیں میری بڑی بہن اور چھوٹی بہن کے ساتھ بھی کرتے
رہتے ہیں، براہ کرم اس صورت حال میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

(ایک دینی بہن)

جواب:- حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اس سوال کو اخلاقی نقطۂ نظر سے میں شامل کرنا نہیں چاہتا تھا، لیکن چوں کہ آپ نے اسے بہ اصرار شامل کرنے کو لکھا ہے؛ تاکہ اپنے والد کو شرعی حکم سے آگاہ کر سکیں؛ اس لئے خلاصہ سوال ذکر کر دیا گیا ہے، —— حقیقت یہ ہے کہ باپ اور بیٹی کا رشتہ نہایت تقدس اور احترام کا حامل رشتہ ہے، سلیم الفطرت انسانوں کے لئے ایسے رشتوں کے پامال کرنے کا تصور بھی گراں خاطر ہے، آپ نے اپنے والد کا جو طرز عمل نقل کیا ہے، وہ غیر شرعی اور نہایت ہی غلط ہے، والد یقیناً محرم ہیں؛ لیکن محرم کے لئے اتنی ہی گنجائش ہے کہ بیٹی ان کے سامنے ہو سکتی ہے، چہرے کے علاوہ اگر ہاتھ اور پاؤں والد کے سامنے کھلا رہ جائے، تب بھی حرج نہیں، بیٹی اپنے باپ سے مصافحہ کر سکتی ہے؛ لیکن جوان بیٹی کا بوسہ لینا، اسے اپنی گود میں بٹھانا، یا اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچنا، ایک بستر پر اس کے ساتھ لیٹنا یا اس کے ساتھ کمرہ میں تنہائی اختیار کرنا جائز نہیں، ناشائستہ لطائف سنانا اور عریاں تصویریں بنانا یا بتانا تو یوں بھی بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے اور بیٹی کے سامنے ایسا عمل تو باپ کی بد بختی کا مظہر ہے اور گناہ بالائے گناہ ہے؛ اس لئے آپ اپنے والد کو خدا سے ڈرائیں اور میرا یہ جواب بھی دکھا دیں۔

اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگر باپ اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ جسم کے کسی حصہ کو چھوئے یا بوسہ لے یا اس کی شرمگاہ کو دیکھے تو بیٹی کی ماں بھی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے؛ اس لئے آپ اپنی والدہ کو بھی سمجھا دیں کہ آپ کے والد کا یہ طرز عمل ان کے نکاح کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے اور اگر خدا نخواستہ نوبت وہاں تک آجائے، جس کا ہم نے ذکر کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر پر حرام ہو جائیں گی؛ اس لئے ان کو چاہئے کہ اپنے شوہر کو ایسی ناشائستہ باتوں سے باز رکھیں۔

"... تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة" (۱)

ساس سسر کی خدمت

سوال:- ایک نوجوان عالمہ لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اور والدین نکاح کرنے سے منع کرتے ہیں، محض اس وجہ سے کہ عالمہ ہماری خدمت نہیں کرے گی؛ اس لیے کہ اس نے پڑھا ہوا ہوتا ہے کہ شوہر کے والدین کی خدمت ضروری نہیں، ایسی صورت میں اس نوجوان کو کیا کرنا چاہیے؟ جبکہ قرآن مجید میں "وبالوالدین إحسانا" کا حکم موجود ہے۔ (منیر احمد صدیقی، ٹولی چوکی)

جواب:- جو لڑکی عالمہ ہو اور قرآن و حدیث سے واقف ہو، اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اپنے بزرگوں کی خدمت کس قدر باعثِ اجر و ثواب ہے، اس لیے اس کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ شوہر کے والدین کی خدمت نہیں کرے گی، بہت سی مثالیں ایسی موجود ہیں کہ عالمہ بہو کا سلوک اپنے ساس سسر کے ساتھ ایک خدمت گذار بیٹی کا سا ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی انفرادی واقعہ پیش آیا ہو، جس میں عالمہ بہو سے شکایت ہوئی ہو؛ لیکن اس میں اس کے علم کا قصور نہیں، ایسے کتنے ہی واقعات غیر عالمہ لڑکیوں سے بھی پیش آتے ہیں، نیز قرآن و حدیث میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے کہ عورت کو شوہر کے والدین کی خدمت نہیں کرنی چاہیے، اگر شوہر کے والدین بہو کی خدمت کے محتاج نہ ہوں، تب تو ان کی خدمت استحباب کے درجہ میں ہے، وہ اخلاقی واجبات میں ہے؛ اور اگر وہ خدمت کے محتاج ہوں، اور دوسرا کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہو تو بہو پر واجب ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق ان کی خدمت کرے؛ کیوں کہ ساس سسر بھی والدین کے حکم میں ہیں، تو جیسے بوقت ضرورت والدین کی خدمت واجب ہے، اسی طرح ساس سسر کی خدمت بھی واجب ہے، اور جیسے والدین کی

(۱) الفتاوى الهندية ۱: ۲۷۴

خدمت سعادت اور باعثِ اجر و ثواب ہے، اسی طرح ساس سسر کی خدمت بھی باعث اجر و ثواب ہے۔

سوتیلی ماں اور سوتیلی اولاد کے حقوق

سوال:- اگر کوئی مسلمان شادی شدہ ہو اور اس کے بیٹے بیٹیاں سب کی شادیاں ہو چکی ہیں، اس کے بعد اس کی بیوی کا انتقال ہو جائے اور وہ اپنی ضرورت کے لئے (پہلی بیوی کے انتقال کے بعد) دوسری شادی کر لے، تو

(الف) دوسری بیوی پر پہلی بیوی کی اولاد کے بارے میں کیا حقوق اور فرائض ہیں؟

(ب) بیٹا بیٹی پر اپنی سوتیلی والدہ کے بارے میں کیا فرائض ہیں؟ (عبدالقادر، سکندرآباد)

جواب:- اگر کسی شخص کی بیوی کا انتقال ہو جائے اور وہ اپنے لئے بیوی کی ضرورت محسوس کرتا ہے، تو اس کا نکاح کر لینا مستحب ہے اور بچوں کو بھی اس میں تعاون کرنا چاہئے؛ کیوں کہ یہ بھی باپ کی خدمت کا حصہ ہے، یہی حکم اس عورت کے لئے بھی ہے، جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اور وہ اپنے لئے شوہر کی ضرورت محسوس کرتی ہو؛ کیوں کہ عمر رسیدہ لوگوں کو بھی اپنے لئے غمگسار اور رفیق کی ضرورت ہوتی ہے، سوتیلی اولاد بھی بہت سے احکام میں اولاد ہی کے حکم میں ہیں، سوتیلے لڑکے اور لڑکیاں بھی محرم ہوتے ہیں؛ اس لئے دوسری بیوی کو پہلے گھر کے بچوں کے ساتھ وہی سلوک رکھنا چاہئے، جو ایک ماں کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے، اسی طرح پہلی بیوی کے بچوں کا بھی فریضہ ہے کہ وہ اپنے والد کی اس دوسری بیوی کو ماں کا درجہ دیں اور والد اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہوں، تو اس کے اخراجات بھی انہی بچوں کے ذمہ ہے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔

ماں کے حقوق

سوال:- ماں کو برا بھلا کہنے اور ماں کی دیکھ بھال سے
کترانے، نیز خدمت سے لاپرواہی برتنے کا کیا حکم ہے؟
(ایک ماں)

جواب:- اللہ کے بعد سب سے زیادہ ماں باپ کے حقوق کی اہمیت ہے، ماں کی خدمت واجب اور اس سے لاپرواہی برتنا شدید گناہ ہے:

''ایک صحابی ﷜ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت
چاہی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہارے والدین ہیں؟
اس نے جواب دیا: ہاں! ارشاد ہوا: انہیں میں جہاد کرو'' (۱)

یعنی والدین کی خدمت کرو، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں باپ کی اجازت سے ہی جہاد کے لیے جایا جا سکتا ہے، گویا جہاد جیسی عبادت پر ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

ماں باپ کو برا بھلا کہنا تو ایسی بات ہے کہ کسی مسلمان تو کیا شریف انسان کے لیے بھی اس کا تصور کرنا دشوار ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرو ﷜ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص دوسرے کے باپ کو، ماں کو گالی دیتا ہے اور وہ
جواب میں اس کہنے والے کے ماں باپ کو گالی دیدے تو گویا
اس نے اپنے ماں باپ کو گالی سنائی'' (۲)

جب بالواسطہ ماں باپ کو برا بھلا سنانے کا باعث بننا تک باعث گناہ ہے تو براہ راست خود ماں باپ پر زبان کھولنا کتنی شقاوت و محرومی کی بات ہوگی؟

---

(۱) صحیح البخاری: ۸۸۳/۱، عن عبد اللہ بن عمرو ﷜، باب لا یجاهد إلا بإذن الأبوین

(۲) صحیح البخاری: ۸۶۳، باب لا یسب الرجل والدہ

نشہ پینے والے والد کے اخراجات

سوال:- بدقسمتی سے میرے والد نشہ کی عادت میں مبتلا ہیں، انہیں بار بار سمجھایا جاتا ہے، وہ وعدہ کرتے ہیں؛ لیکن پھر اپنی عادت پر قائم رہتے ہیں، ان کے پورے اخراجات میں ادا کرتا ہوں، کیا میرے لئے ان کا خرچ روک دینا جائز ہوگا؛ تاکہ وہ اس بری عادت کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں؟ (نام غیر مذکور، ناندیڑ)

جواب:- شریعت میں والدین کا بڑا اونچا درجہ ہے، یہاں تک کہ اگر وہ کافر ہوں، مسلمان نہیں ہوں، تب بھی ان کی ضروریات کو پوری کرنا اور ان کے احترام اور توقیر کو باقی رکھنا ضروری ہے:

"وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده، وجداته، وإن كانوا فقراء، وإن خالفوه في دينه" (۱)

البتہ آپ یہ کوشش کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں پیسے دینے کے بجائے ان کی ضروریات مہیا کریں، اور حکمت کے ساتھ ایک ساتھ اتنے نقد پیسے ان کو نہ دیں، جس سے وہ شراب نوشی کر سکیں، نیز اس کے ساتھ ساتھ محبت و احترام سے انہیں سمجھانے اور قرآن و حدیث کی ترغیبات و ترہیبات سنانے کا اہتمام کریں، نیز کسی دینی کام جیسے تبلیغی جماعت سے انہیں جوڑ دیں؛ کیوں کہ اکثر ایسی عادتوں کے فروغ پانے میں بری صحبتوں کا دخل ہوتا ہے۔

نافرمان بیٹی

خلاصۂ سوال:- میرے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جن میں سے ایک لڑکی نہایت بدزبان اور نافرمان ہے، وہ ایک اسکول میں ٹیچر ہے، باہر کے رشتہ داروں اور سہیلیوں کے ساتھ

(۱) هدایه مع الفتح ۴/۴۱۵

ٹھیک رہتی ہے، لیکن گھر کے کسی فرد سے اس کی نہیں بنتی ہے، وہ شادی کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے، جس کی وجہ سے دوسرے بچے بچیوں کی شادی میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے، بدزبانی اس کی فطرت بن گئی ہے، بات بات میں ماں باپ کے ساتھ بدزبانی کر بیٹھتی ہے اور بددعا دیتی رہتی ہے، بلکہ گالی بھی دیتی ہے، ایسی لڑکی کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور کیا اس کی بددعا کا ماں باپ اور رشتہ داروں پر کوئی اثر پڑے گا؟"

(محمد غیاث الدین، رحمت نگر، گلبرگہ)

جواب:- جو صورت حال آپ نے لکھی ہے، وہ نہایت افسوس ناک ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والد کی خوشنودی میں اللہ کی خوشنودی اور والد کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے،(۱) ایک اور روایت میں ہے کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا ہے(۲) آپ کی بیٹی ماشاء اللہ پڑھی لکھی لڑکی ہیں، آپ انہیں محبت سے سمجھائیں اور قرآن وحدیث کے احکام ان کے سامنے رکھیں اور صبر سے کام لیتے ہوئے ان کو نصیحت کریں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کوئی چیز کسی کو نہیں دی گئی:

"وما اعطي أحد شيئا هو خير وأوسع من الصبر"(۳)

خاص طور پر کوشش کریں کہ وہ شادی پر آمادہ ہو جائیں؛ کیوں کہ اس سے بھی مزاج میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور عورتوں کے لئے خاص کر تجرد کی زندگی بہت ہی نامناسب ہے، ——— رہ گئی لڑکی کا بددعا، اور لعن وطعن کرنا تو بے جا بددعاء سے گھبرائیں نہیں، رسول اللہ ﷺ

---

(۱) ترمذی، عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۱۸۹۹

(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۰۲

(۳) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۲۴، باب ماجاء في الصبر

نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی چیز پر لعنت بھیجے؛ حالاں کہ وہ لعنت کی مستحق نہیں تھی، تو خود اسی پر لعنت لوٹ آتی ہے:

"من لعن شيئا ليس له بأهل رجعت اللعنة عليه" (۱)

کس عمر تک بچوں کو ساتھ سلا سکتے ہیں؟

سوال:- میاں بیوی کس عمر تک بچوں کو اپنے ساتھ سلا سکتے ہیں، اور کس عمر سے ان کو الگ کر دینا ضروری ہے؟

(محمد مستان، واسانھ نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے دس سال کی عمر ہونے پر لڑکے یا لڑکی کا بستر الگ کر دینے کا حکم دیا، یعنی بھائی بہن کا بستر الگ کر دیا جائے اور اس طرح ماں باپ سے بچوں کا بستر الگ ہو جائے، فقہاء نے اس کی وجہ لکھی ہے کہ اس عمر میں بچوں کے اندر صنفی تعلق کا شعور بیدار ہونے لگتا ہے، البتہ بیٹا باپ کے ساتھ اور بیٹی ماں کے ساتھ سو سکتے ہیں:

"فالظاهر أن المراد تفريقه عن أمه وأبيه بأن لا يتركاه ينام معهما في فراشهما، لأنه ربما يطلع على ما يقع بينهما، بخلاف ما إذا كان نائما وحده أو مع أبيه وحده أو البنت مع أمها وحدها" (۲)

فقہاء نے ماں باپ سے بستر الگ کرنے کا اسی لئے حکم دیا ہے کہ جب میاں بیوی ساتھ سوتے ہیں تو پردے کا پورا اہتمام نہیں ہوتا، اور بچہ اپنے والدین کے صنفی تعلق سے بھی آگاہ ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں سات یا آٹھ سال کی عمر میں ہی بچوں کا بستر ماں باپ سے الگ کر دینا چاہئے؛ کیونکہ آج کل بے راہ روی کی جو صورت حال

---

(۱) ترمذی، عن ابن عباس ؓ، باب ما جاء فی اللعنة، حدیث نمبر: ۱۹۷۸۔

(۲) رد المحتار: ۹/۳۵،۸۳۵: ۹۳۵

ہے، اس کی وجہ سے بچوں میں اس طرح کا شعور کم عمری سے ہی بیدار ہونے لگتا ہے، واللہ اعلم ۔

'ربائب' سے مراد

سوال:- شرعی اصطلاح میں ''ربائب'' کسے کہتے ہیں؟

(قاری، ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- ''ربائب'' عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے ''ربیبہ'' کی جمع ہے، ''ربیبہ'' کے معنی اس لڑکی کے ہیں جس کی پرورش کی جائے، قرآن مجید میں یہ لفظ سوتیلی لڑکی کے معنی میں آیا ہے۔ یعنی اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پہلے سے اس کی لڑکیاں ہیں تو وہ اس مرد کے لئے ''ربائب'' کہلائیں گی، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ کسی بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کریں، اُن کا مزاج یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اس عورت کو تو اپنے گھر لے آئیں اور اس سے اپنی ضروریات پوری کریں اور اس کی محتاج پرورش بچیوں کو بے سہارا چھوڑ دیں؛ بلکہ مردوں میں یہ حوصلہ ہونا چاہئے کہ وہ اس صورت حال میں ان بچے اور بچیوں کو بھی سہارا دیں ۔

حق پرورش اور ماں باپ

سوال:- حامدہ اور اس کے شوہر کے درمیان خلع ہو چکا ہے، خلع کے بعد حامدہ نے ایک اور شخص سے نکاح کر لیا ہے، اسے اپنے سابق شوہر سے ایک لڑکی بھی ہے، جو اسی کی پرورش میں ہے، سابق شوہر حامدہ کے دوسری شادی کر لینے کی وجہ سے بچی کو واپس لینا چاہتا ہے، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ (عبد الستار، شاہ نگر)

جواب:- لڑکی کے بالغ ہونے تک عام حالات میں ماں کو پرورش کا حق حاصل ہے، لیکن اگر اس نے ایسے مرد سے نکاح کیا ہو، جو اس لڑکی کے لئے غیر محرم ہو تو اب اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے حق پرورش کے سلسلہ میں ایک مقدمہ آیا تو

جواب:- آپ نے جو صورت حال لکھی ہے، اگر درست ہے تو بڑی افسوس ناک ہے، لڑکیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کی وجہ سے اللہ کی طرف سے رزق میسر آتی ہے اور مدد حاصل ہوتی ہے:

"أبغوني الضعفاء فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائكم" (۱)

رسول اللہ ﷺ کی چار چار صاحبزادیاں تھیں، آپ ﷺ نے نہایت محبت کے ساتھ ان کی پرورش کی اور وقت پر ان کی شادی فرمائی، اس سے بڑھ کر امت کے لئے نمونہ کیا ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی تین بیٹیاں ہوں، وہ ان کی پرورش کرے، ان کی تعلیم و تربیت کرے، ان کا نکاح کردے اور ان کے ساتھ بہتر سلوک روا رکھے تو اس کے لئے جنت ہے:

"من عال ثلاث بنات فأدبهن وزوجهن وأحسن إليهن فله الجنة" (۲)

آپ ﷺ نے نوجوانوں کے بارے میں فرمایا کہ جلد سے جلد ان کا نکاح کیا جائے؛ کیوں کہ اس سے نگاہ کی اور عزت و آبرو کی حفاظت ہوتی ہے: "... فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ..." (۳) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچے شادی کی عمر کو پہونچ جائیں اور باپ نے وقت پر شادی نہ کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوں، تو باپ بھی گناہ میں شریک سمجھا جائے گا؛ اس لئے آپ کے شوہر کا شرعی فریضہ ہے کہ وہ جلد سے جلد بیٹیوں کی شادی کریں، ورنہ عنداللہ سخت گنہگار ہوں گے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الإنتصار برذل الخيل والضعفة، حدیث نمبر: ۲۵۹۴

(۲) أبو داؤد عن أبي سعيد الخدري ﷺ، حدیث نمبر: ۵۱۴۷

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة، حدیث نمبر: ۱۹۰۵

اولاد کو عاق کرنا

سوال:- بعض والدین اپنی نافرمان اولاد کو عاق کرتے ہیں اور ان سے ہمیشہ کے لئے رشتہ توڑ لیتے ہیں، کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے؟ شرعی اعتبار سے اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

(عبدالنعیم، گلبرگہ)

جواب:- والدین اور اولاد کا رشتہ فطری ہے، یہ کسی عقد اور معاہدہ کی وجہ سے وجود میں نہیں آتا ہے، جو رشتہ عقد اور طرفین کی رضامندی سے قائم ہوتا ہے، اس کو ختم کیا جا سکتا ہے، جیسے میاں بیوی کا رشتہ جو نکاح کے ذریعہ وجود میں آتا ہے، والدین اور اولاد کا رشتہ اس نوعیت کا نہیں ہے، یہ ٹوٹنے اور نہ ختم ہونے والا رشتہ ہے؛ اس لئے اگر کوئی شخص کسی کو گود لے لے تو اس سے باپ بیٹے کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا اور اگر باپ حقیقی بیٹے سے اپنا رشتہ کاٹنا چاہے تو وہ رشتہ ختم نہیں ہو سکتا؛ اس لئے عاق کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، شرعاً یا قانوناً اس کا کوئی اثر بھی نہیں پڑے گا؛ بلکہ وہ بھی اپنے باپ کے ترکہ سے وارث ہوگا، عاق کے معنی نافرمان کے ہیں، گویا باپ کی طرف سے یہ بیٹے کے نافرمان ہونے کا اعلان ہے اور اس سے زیادہ بدبخت کون ہوگا کہ جس کے ماں، باپ اس سے ناراض ہو کر اس کے نافرمان ہونے کا اعلان کرنے پر مجبور ہو جائیں — البتہ اگر باپ اپنی اولاد میں سے کسی بیٹے سے ناراض ہو اور وہ زندگی ہی میں جائیداد دوسرے بچوں کو ہبہ کر دے تو ایسی صورت میں وہ بیٹا محروم ہو جائے گا۔

اپنی اولاد کو "دتا" بنانا

سوال:- ہمارے محلہ کے ایک مسلمان صاحب انتخابات میں حصہ لینا چاہتے تھے، انتخابات کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ امیدوار کے دو سے زائد بچے نہ ہوں اور ان صاحب کی تین اولاد ہے، تو یہ اپنے ایک لڑکے کو "دتا" کے طور پر اپنے قریبی رشتہ دار کو

دینا چاہتے ہیں، ہندو تہذیب کے مطابق دتّا دینے والا اس لڑکے
سے مکمل طور پر دستبردار ہو جاتا ہے اور باپ ہونے سے خارج ہو
جاتا ہے اور جس کو دتّہ کے طور پر دیا گیا ہے وہ اس کے حقیقی باپ کی
طرح ہو جاتا ہے، اور تمام حقوق اسی سے متعلق ہو جاتے ہیں تو کیا
اسلام کی رو سے ایسا کرنا درست ہے؟ (نام و مقام غیر مذکور)

جواب:— والدین اور اولاد کا رشتہ ایک فطری رشتہ ہے، جو محض زبان سے قائم نہیں ہوتا، اس لئے ”دتّا“ بنانے والی صورت قطعی درست نہیں، یہ گناہ ہے اور شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، وہ اصل شخص ہی کی اولاد تصور کیا جائے گا، جہاں تک انتخابات کے لئے اولاد کی تحدید کی بات ہے تو یہ قطعاً نامعقول بات ہے، میرے علم کے مطابق حکومت کے سامنے اس طرح کی تجویز تو ہے، لیکن ابھی یہ قانون نہیں بنا ہے، نیز اگر اس طرح کی بات آئے تو مسلمانوں کو انصاف پسند اور سنجیدہ غیر مسلم بھائیوں کو ساتھ لے کر اسے روکنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ کیوں کہ شرعی نقطۂ نظر سے ہٹ کر بھی یہ بات ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔

مختلف حقوق

پہلی زچگی کے اخراجات

سوال:- جس بچہ کا میں نے ذکر کیا ہے، وہ میرا پہلا لڑکا ہے، جو آپریشن سے پیدا ہوا ہے، آپریشن کی وجہ سے کافی اخراجات ہوئے ہیں، میرے والد غریب آدمی ہیں، ان کے پاس اس کی گنجائش نہیں تھی؛ اس لئے میرے شوہر نے زیادہ تر اخراجات ادا کئے، اب میرے سسرال والوں کا مطالبہ ہے کہ پہلی زچگی چوں کہ میکے والوں کی ذمہ داری ہوتی ہے؛ اس لئے تم اپنے ماں باپ سے یہ پیسے لاکر دو، حالاں کہ میرے والدین کی معاشی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ یہ رقم ادا کر سکیں، براہ کرم شریعت کی روشنی میں بتایئے کہ میرے لئے کیا حکم ہے؟ (شبانہ اختر، مغل پورہ)

جواب:- بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، نفقہ میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جن سے انسان کا بقاء متعلق ہو، ایسی چیزوں میں خوراک و پوشاک اور رہائش گاہ بھی ہے اور دواء و علاج بھی؛ بلکہ علاج کی اہمیت و ضرورت انسان کے لئے غذا سے بھی بڑھ کر ہے؛ اس لئے یہ بھی نفقہ میں شامل ہے، عالم اسلام کے معروف و ممتاز فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اس کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حسن معاشرت کا تقاضا یہی ہے کہ جب عورت صحت مند ہو تو شوہر

اس سے فائدہ اٹھائے اور بیمار ہو تو علاج کے لئے اس کو میکے بھیج دے :

وھل من حسن المعاشرۃ ان یستمتع الزوج حال الصحۃ ثم یردھا الی اھلھا لمعالجتہا حال المرض ؟ (۱)

اور زچگی بھی علاج میں داخل ہے ؛ اس لئے اس کے اخراجات بھی شوہر کے ذمہ واجب ہوں گے ؛ بلکہ اگر بیوی میکہ میں ہو اور اس کی مرضی سے وہاں اس کی زچگی ہو تب بھی اخراجات شوہر کو ادا کرنا چاہئے ، کیوں کہ یہ بیماری خاص طور پر اس کی اولاد کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اس کے حق میں حصول اولاد کا ذریعہ بن رہی ہے ، جہاں تک ہندوستانی معاشرہ کی اس رسم کی بات ہے کہ پہلی زچگی میکہ والوں کی ذمہ داری ہے ، تو اس کا حکم شریعت سے کوئی تعلق نہیں ، اس رواج کی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ پہلی ولادت میکہ میں ہو تو شرم وحیاء کے تقاضے سے عورت کو سہولت ہوگی ، مگر اس کے اخراجات بھی میکہ والوں پر لازم قرار دیئے جائیں ، یہ شوہر کی طرف سے ظلم ہے ؛ اس لئے آپ کے سسرال والوں کا مطالبہ قطعاً غیر شرعی اور غیر اخلاقی ہے ۔

یتیم بچوں کی سرزنش

سوال :- میری کفالت میں خاندان کے بعض یتیم لڑکے اور لڑکیاں بھی زیر پرورش ہیں ، میں پوری محبت کے ساتھ ان کی پرورش کرنے کی کوشش کرتا ہوں ؛ لیکن کبھی کبھی شرارت کرنے کی وجہ سے ان کی پٹائی بھی کرنی پڑتی ہے ، پھر بعد میں بڑا افسوس ہوتا ہے کہ کہیں یتیم بچوں کو مار پیٹ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں پکڑ کا باعث نہ بن جائے ، اگر انہیں بالکل چھوڑ دوں تو یہ بچے بگڑ جائیں گے ؟ کیا ہمارے لئے ان کی سرزنش کرنا جائز ہے ؟ (حمید اللہ ، بنگلور)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ : ۷ / ۷۹۵

جواب :- یتیم بچوں کی پرورش اور ان کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، شفقت و محبت ہی کے تقاضوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان کی بہتر تعلیم و تربیت کا خیال کیا جائے اور تربیت میں کبھی سختی سے بھی پیش آنا پڑتا ہے، اس سختی میں بھی بچوں ہی کی خیر خواہی مقصود ہوتی ہے، اس لئے بطور تربیت آپ کو یتیم بچوں کی سرزنش کرنا درست ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بس یہ خیال رکھیں کہ ان کی جگہ آپ کے اپنے بچے ہوتے تو آپ کا کیا رویہ ہوتا، اس سختی پر آپ کیا سزا دیتے، اسی حد تک سرزنش کریں اور بعد میں شفقت و پیار کے ذریعہ اس کی تلافی بھی کر دیں:

" وله ضرب اليتيم فيما يضرب ولده " (۱)

پڑوسی کا حق

سوال :- میرے پڑوس میں ایک مفتی صاحب ہیں، جو امام بھی ہیں، ان کی چھت میری چھت سے تین فٹ اونچی ہے، برسات کا پانی ان کی چھت سے میری دیوار پر گرتا ہے، نیز میری دیوار سے لگ کر پانی کا حوض اور بیت الخلاء کا گندھا بھی بنا ہے، پانی کے حوض کی وجہ سے دیوار نم ہو جاتی ہے، مسجد کے محلہ کے کئی ذمہ داروں کو دکھایا، اور ان لوگوں نے بھی امام صاحب کو سمجھایا، مگر وہ کسی طرح اپنے رویہ کو بدلنے اور مجھ کو نقصان نہ پہنچانے سے اجتناب کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، نیز انہوں نے اپنا مکان سودی قرض لے کر بنایا ہے، میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے، اور بچوں کو بھی ان کے پاس قرآن پڑھنے سے روک دیا ہے، کیا ہمارا یہ عمل درست ہے؟ (عبدالرؤف، حیدرآباد)

---

(۱) رد المحتار ۹ / ۴۱۱

جواب: اسلام میں پڑوسی کے حقوق کی بڑی اہمیت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے ساتھ بہتر سلوک کی اتنی زیادہ تاکید کرتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید پڑوسی کو وارث نہ قرار دے دیا جائے، حضرت ابوشریح نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، لوگوں نے پوچھا: کون اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو، "الذي لا يأمن جاره بوائقه" حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، یہ تمام حدیثیں امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں نقل فرمائی ہیں (۱) اس لئے آپ کے امام صاحب کو جو خود بھی مفتی ہیں — اگر واقعی اس برائی میں مبتلا ہیں جو آپ نے ذکر کیا ہے — تو انہیں اس سے بچنا چاہئے، آپ انہیں محبت کے ساتھ سمجھائیں اور نہ مانیں تو شرعی عدالت (دار القضاء امارت ملت اسلامیہ، [illegible]) میں لے جائیں۔

جہاں تک سودی قرض لے کر مکان بنانے کا مسئلہ ہے تو بعض مخصوص حالات میں اس کی اجازت دی گئی ہے، ہو سکتا ہے کہ امام صاحب نے ایسے ہی حالات کے تحت سودی قرض حاصل کیا ہو، جب تک آپ کسی دوسرے کے حالات سے پوری طرح واقف نہ ہوں، اس کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنی چاہئے۔ جہاں تک نماز پڑھنے کی بات ہے تو اگر وہاں پر اور بھی مسجد ہو جس میں آپ شریک جماعت ہو سکتے ہیں تو آپ کے لئے اس میں شریک نماز ہو جانا بہتر ہے، کیوں کہ مقتدی کے دل میں امام کی عظمت ہونی چاہئے، لیکن کوئی اور مسجد نہ ہو تو جماعت کے ثواب سے محروم ہو جانا مناسب نہیں، صحابہؓ نے تو حجاج بن یوسف جیسے شخص کے پیچھے بھی نماز پڑھی ہے، جس کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اگر تمام امتیں اپنے اپنے ظالموں کے ظلم کو پیش کریں اور امت محمدیہ صرف حجاج بن یوسف کے ظلم کو پیش کرے تو اس کا ظلم تمام امتوں کے مظالم سے بڑھ جائے گا، اس لئے اس کی وجہ سے ترک جماعت

(۱) بخاری شریف ۸۸۹/۲

مناسب نہیں، اسی طرح آپ اپنے بچے کی قرآن مجید کی تعلیم کا کہیں اور نظم کر سکتے ہوں تو ٹھیک ہے ہو ورنہ محض اس اختلاف کی وجہ سے تعلیم چھوڑ دینا اور اس کی وجہ سے بچے کا قرآن پاک کی تعلیم سے محروم ہو جانا ہرگز مناسب نہیں۔

پڑوسی اور قرابت دار کی مدد

سوال:- ہمارے محلہ میں کاروباری اصحاب کی تین چار دکانیں قلب شہر میں موجود ہیں، خدا کے فضل و کرم سے ترقی کے زینہ پر ہیں، لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ان کے قریبی رشتہ دار جوان کے ساتھ اسی گھر میں مقیم بھی ہیں، اچانک پیر کی ہڈی ٹوٹ جانے پر سودی قرض لے کر ورشہوار دوا خانہ میں علاج کر چکے اور اس کے بعد موزوں رشتہ لڑکی کا ملنے پر لاکھوں روپیہ قرض لے کر اس کی تکمیل کر چکے، خانگی ملازمت میں حقیر معاوضہ پر صبح سے رات دیر گئے کام کرتے ہیں، جس کی وجہ وہ اپنی لڑکیوں اور لڑکے کی تعلیم ترک کرا کر خانگی ملازمت میں حقیر معاوضہ لے کر گھر کے خرچ میں مددگار ہیں، جو قابل غور اور محتاج انصاف بھی ہے، دوسری جانب کیو ٹی وی میں ایک دانشور دین کی زبانی سنا گیا ہے کہ اگر اپنے گھر کے بازو دس گھروں کے اندر کوئی فاقہ سے رہتا ہے تو ہمارا کھانا حرام ہو جاتا ہے، اس خصوص میں جناب والا سے گزارش ہے کہ مفید مشورے اور ہدایت سے نوازیں۔

(کنیز فاطمہ، سماجی کارکن، کوچہ جلال، حیدرآباد)

جواب:- اسلام میں انسانوں اور بالخصوص پریشان حال انسانوں کی مدد کرنا نہایت ہی اجر و ثواب کا کام ہے، پھر عام انسانوں کے مقابلہ پڑوسیوں اور رشتہ داروں کا حق زیادہ

ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو خود آسودہ ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو وہ مومن نہیں ، (۱) اس حدیث میں کھانا تو محض ایک عنوان ہے، اصل میں مراد تمام ہی ضروریات زندگی ہے، جو اپنے لئے کپڑے سلوائے اور پڑوسیوں کا خیال نہ رکھے، جو اپنے بچوں کو تعلیم دلوائے اور باوجود گنجائش کے اپنے پڑوسیوں کے بچوں کی تعلیم کی فکر نہ کرے، جو اپنے بچوں کی شادی میں تو داد عیش دے؛ لیکن اپنے غریب پڑوسیوں کی بچیوں کی شادی کی فکر نہ کرے، وہ سب اس میں شامل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ ایمان کی روح سے محروم ہیں۔

دوسرا ترجیحی حق 'قرابت داروں' کا ہے، جتنی قریبی رشتہ داری ہو اتنا ہی زیادہ اس کا حق ہے، ایک بار ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار استفسار کیا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے پہلے تین بار ماں کا ذکر کیا، چوتھی بار والد کا اور اس کے ساتھ ارشاد فرمایا: " ثم الأقرب فالأقرب " (۲) یعنی ماں باپ کے بعد قریب ترین رشتہ دار کا حق ہے، اس قریبی رشتہ دار کے بعد جو نسبتاً قریبی ہو اس کا حق ہے — آپ نے جس صورت حال کا ذکر کیا ہے، اس میں حق پڑوس اور حق قرابت دونوں شامل ہیں؛ اس لئے ان کا حق تو بہت زیادہ ہے، دراصل ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی سوچ میں انقلابی تبدیلی آئے اور وہ محسوس کریں کہ جیسے مسجد و مدرسے کے بنانے میں ثواب ہے، یا بھیک مانگنے والے کو بھیک دینے میں اجر ہے، اسی طرح بلکہ اکثر حالات میں اس سے بڑھ کر اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی اجر ہے؛ بلکہ انسانیت کی خدمت اسلام کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے کم فضیلت کی حامل نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ عبادت کے محتاج نہیں ہیں، انسان کے لئے خود وجہ سعادت ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کرے، جبکہ انسان محتاج اور ضرورت مند ہے؛ اسی لئے بہت سی عبادتوں کے کفارہ میں دونوں باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے، ایک اس عبادت کی ادائیگی اور دوسرے غریب انسانوں کی مدد۔

---

(۱) مستدرک حاکم ، کتاب البر والصلة ، حدیث نمبر: ۷۳۰۷

(۲) سنن ترمذی :۲/ ۱۱، أبواب البر والصلة

منہ بولے بچے

سوال:- اگر کسی کو اولاد نہیں ہوتی ہو، وہ کسی اور کو اپنی اولاد کا درجہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور آخرت میں اس کے ماں باپ کون ہوں گے؟ وہ جو اُن کے اصل ماں باپ ہیں یا ان کی پرورش کرنے والے؟ (وجاہت حسین، نامپلی)

جواب:- کسی بچہ کو منہ بولا بیٹا یا بیٹی بنانے کے دو پہلو ہیں، ایک پہلو اُن کی پرورش، کفالت اور تعلیم و تربیت کا ہے، یہ تو شرعاً پسندیدہ بھی ہے اور قابل احترام بھی، خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت فرمائی اور حضرت ابو طالب کے ایک لڑکے کی کفالت کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے خواہش کی، یتیم بچوں کی کفالت کی خاص طور پر ترغیب دی اور ارشاد فرمایا: "انا وکافل الیتیم في الجنة کھاتین" (۱) —— دوسرا پہلو یہ ہے کہ احکام و قانون میں اس کو اولاد ہی کا درجہ دیا جائے، نکاح، حرمت وحلت اور پردہ کے احکام میں بھی اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جائے، اس کو بھی میراث کا حق حاصل ہو، منہ بولا بنانے کی یہ صورت جو دنیا کی مختلف قوموں میں مروج ہے، اسلام اس کا قائل نہیں ہے اور قرآن نے صراحتاً اس غیر فطری رشتہ کی نفی کی ہے۔ (۲)

اصل میں بعض رشتے محض زبان کے بول سے متعلق ہیں، جیسے: نکاح وطلاق اور بعض رشتے مصنوعی نہیں؛ بلکہ فطری ہیں، جو براہ راست قدرت خداوندی ہی سے وجود میں آتے ہیں، جیسے ماں باپ اور اولاد کا رشتہ، کسی کے محض باپ کہہ دینے سے والدین اور اولاد کا رشتہ قائم نہیں ہوسکتا؛ اس لئے اس پہلو سے کسی کو اولاد کا درجہ دینا درست نہیں، دنیوی امور میں بھی، جو حقیقی باپ ہیں، ان ہی کے نام لکھے جائیں اور آخرت میں بھی جو اصل والدین ہیں، وہی ان بچوں کے والدین

---

(۱) ترمذی، باب ماجاء في رحمة الیتیم وکفالته، حدیث نمبر: ۱۹۱۸

(۲) الأحزاب: ۵-۴

کتاب الفسخ والتفریق

فسخ وتفریق سے متعلق مسائل

فسخ وتفریق سے متعلق مسائل

بیویوں کے درمیان نابرابری پر فسخ نکاح کا حق

سوال:- شوہر نے دوسری شادی کرلی اور پہلی بیوی کے ساتھ بہت کم وقت گزارتا ہے، وہ کبھی کبھار اس سے ملنے آتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے، پچھلے دو سالوں میں وہ اس کے ساتھ صرف ایک دن رہا ہے، عورت نے طلاق کا مطالبہ کیا لیکن وہ انکار کررہا ہے اور اب عورت نے فسخ نکاح کی درخواست کی ہے، مجھے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ (عبداللہ خان، میرٹھ)

جواب:- اسلام نے بشرط انصاف دوسرے نکاح کی اجازت دی ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (۱) اس لئے شوہر پر واجب ہے کہ وہ دونوں بیوی کے ساتھ یکساں طور پر وقت گزارے، اگر وہ اس معاملہ میں انصاف نہیں کرے تو عند اللہ سخت گنہگار ہوگا، اپنے شوہر سے عورت کا مطالبہ طلاق کرنا بالکل جائز ہے، اگر وہ اپنی اس ظالمانہ حرکت کے ساتھ طلاق بھی نہیں دیتا ہے، تو قاضی اس کا نکاح فسخ کرسکتا ہے؛ کیوں کہ وہ اپنی بیوی کو حق ازدواج سے محروم رکھے ہوا ہے اور اسی کی بنا پر عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے؛ چنانچہ قرآن مجید میں ایلاء یعنی چار ماہ تک بیوی سے ترک تعلق کی قسم کھا لینے کو موجب تفریق

(۱) النساء:۳.

قرار دیا گیا ہے، نیز ایک بیوی کے ساتھ صحیح برتاؤ کرنا اور دوسری کے ساتھ حق تلفی کرنا دوہرا ظلم ہے اور ظلم کو دفع کرنا قاضی کا فریضہ ہے؛ اس لئے ایسی عورت کا نکاح اس کے مطالبہ پر فسخ کیا جائے گا؛ چنانچہ علامہ حطاب مالکی فرماتے ہیں:

"ولها التطليق ، قال ابن فرحون في شرح ابن الحاجب : من الضرر قطع كلامه عنها ... وإيثار امرأة عليها الخ " (۱)

---

(۱) مواهب الجليل :۲۲۵/۵،باب الفسد بين الزوجات

کتاب الفتاویٰ

نواں حصہ

کتاب التجارۃ

تجارت سے متعلق مسائل

خرید و فروخت سے متعلق مسائل

کسب معاش — ایک شرعی فریضہ

سوال:- میرے ایک بھائی کوئی کام کاج نہیں کرتے، گھر پر رہتے ہیں، نماز وغیرہ اہتمام سے پڑھتے ہیں؛ لیکن ان کی بیکاری کی وجہ سے بڑی دشواری پیش آتی ہے، وہ اسے توکل کا نام دیتے ہیں، براہ کرم بتائیے کہ اسلام میں کسب معاش کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ (جمیل الرحمن، ورنگل)

جواب:- اسلام معتدل، انسانی ضرورتوں سے ہم آہنگ اور جامع دین ہے اور اس نے نماز روزہ کو بھی فرض کیا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا ہو سکے اور ان فرائض کو ادا کرتے ہوئے کسب معاش کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے؛ بلکہ اس کو ضروری قرار دیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسب حلال ہر مسلمان پر اسی طرح فرض ہے جیسا کہ طلب علم (۱)؛ اسی لئے فقہاء نے اس قدر کسب معاش کو فرض قرار دیا ہے جس سے وہ اپنے آپ کو زندہ رکھ سکے اور اہل حقوق کا حق ادا کر سکے اور اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضرورت سے زیادہ کمانے کو مباح قرار دیا گیا ہے:

فمقدار مالا بد لکل أحد منه ..... یفترض علی

---

(۱) فیض القدیر للمناوی ۲۰۳/۴

كل أحد و سا زاد على قدر كفايته و كفاية عياله

مباح" (۱)

اس لئے آپ کے بھائی صاحب کا بے روزگار رہنا اور اس کو توکل قرار دینا غلط ہے، بلکہ ایسی باتوں سے دین اور اہل دین کی بدنامی ہوتی ہے، لہٰذا انہیں چاہئے کہ کسب معاش کی طرف توجہ دیں اور دوسروں پر بوجھ نہ بنیں۔

تاجروں کے لئے احکام تجارت کا علم حاصل کرنا ضروری ہے

سوال:- میں کمپیوٹر کی تجارت شروع کرنے جا رہا ہوں اور خود کمپیوٹر انجینیر ہوں، مجھے تجارت شروع کرنے سے پہلے دینی نقطۂ نظر سے کیا کرنا چاہئے؟

جواب:- اسلام نے زندگی کے ہر شعبے کے لیے رہنمائی کی ہے، انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس شعبہ میں داخل ہو اس کے بارے میں احکام شریعت کی واقفیت حاصل کرے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" (۲) اس میں وہ تمام علوم شامل ہیں جن کی دین پر عمل کرنے کے لئے ضرورت پڑے یا جو معاش کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں؛ چنانچہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

"علم کا اتنی مقدار میں حاصل کرنا فرض ہے جس کی ضرورت ہو، ایسے کاموں کے سلسلہ میں جو اس کے لئے ناگزیر ہوں، جیسے وضو، نماز و دوسرے شرعی احکام اور معاشی امور" (۳)

کمپیوٹر کی تجارت سے متعلق بھی بہت سے شرعی مسائل ہو سکتے ہیں، جیسے سودی نظم

---

(۱) المحیط البرہانی: ۹/۱۲۴ (۲) ابن ماجۃ، حدیث نمبر ۲۲۴

(۳) فتاوی سراجیہ ص: ۷۱

ویئر سے بچنا، محفوظ پروگراموں کی چوری سے اجتناب کرنا، اگر کمپیوٹر کے ساتھ ساتھ سی ڈی بھی فراہم کرتے ہوں تو مخرب اخلاق سی ڈیز کی خرید و فروخت سے بچنا، پس آپ سب سے پہلے تجارت اور بالخصوص اپنے شعبہ سے متعلق مسائل واحکام کی واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس بات کا پختہ ارادہ رکھیں کہ جھوٹ، دھوکہ اور بددیانتی سے اپنے آپ کو بچائیں گے؛ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک آدمی خرید و فروخت کے احکام سے واقف نہ ہو جائے، تجارت شروع نہ کرنی چاہئے۔

" لا ينبغي للرجل أن يشتغل للتجارة مالم يعلم أحكام البيع و الشراء ما يجوز منه و مالا يجوز " (۱)

ہڈیوں کی خرید وفروخت

سوال:- آج کل ہڈیوں کی خرید وفروخت کا کاروبار بھی بڑی اہمیت اختیار کرلیا ہے، کیوں کہ اس کا ٹانک بنایا جاتا ہے، کھاد تیار ہوتا ہے، یہ دوا میں بنانے میں کام آتی ہیں، ان ہڈیوں میں ذبیحہ اور مردار، اور حلال وحرام جانوروں کے درمیان امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوتا، تو کیا مسلمانوں کے لئے ان ہڈیوں کی خرید وفروخت کرنا درست ہوگا؟ (نصیر الدین، مشیر آباد)

جواب:- انسان اور خنزیر کے اجزاء کو خریدنا اور بیچنا جائز نہیں، انسان کا اس کی شرافت وکرامت کی وجہ سے، کہ اس کے کسی جزو کو بیچنا شرافت انسانی کے مغائر ہے، اور خنزیر کا اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے، باقی دوسرے جانور خواہ حلال ہوں یا حرام اور ذبیحہ ہوں یا مردار، ہڈی، بال، سینگ، اون وغیرہ کو بیچنا اور ان سے نفع اٹھانا جائز ہے:

" ولا يجوز بيع شعر الخنزير لأنه نجس العين ..."

---

(۱) فتاوی سراجیہ ص:۴۷

ولا یجوز بیع شعر الإنسان ، ولا الانتفاع به؛ لأن الآدمي مکرم ... ولا بأس ببیع أعظام المیتة وصوفها و قرنها و شعرها ، والانتفاع بذلك کله لأنها طاهرة "(۱)

اس لئے اگر ہڈیوں میں خنزیر کی ہڈی شامل نہ ہو، تو مسلمان ان کی خرید وفروخت کر سکتے ہیں۔

سامان خریدنے پر انعام

سوال:- آج کل خرید وفروخت میں انعام کا طریقہ بہت مروج ہوتا جارہا ہے، کہا جاتا ہے کہ جو شخص بھی فلاں سامان خریدے گا، اسے ایک لفافہ کوپن دیا جائے گا اور اس کوپن پر جو انعام لکھا ہوگا، وہ خریدار کو دیا جائے گا، اس طرح کسی تجارتی مال کو مقبول بنانے اور لوگوں میں اس کے لئے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کیا یہ صورت حال جائز ہے؟

(سمیع الدین ، دہلی)

جواب:- کوپن کے ذریعہ جو چیز دی جاتی ہے، وہ انعام ہے، جو اصل سامان (مبیع) کے علاوہ دیا جاتا ہے، جو چیز بیچی جارہی ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ واضح اور متعین ہو، کوئی ابہام نہ ہو، لیکن جو چیز انعام کے طور پر دی جارہی ہے، اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے بعض مواقع پر مجاہدین کے لئے انعام مقرر فرمایا کہ جو دستہ فلاں مہم کو انجام دے گا، مثلاً: اس کو مال غنیمت کا چوتھائی حصہ خصوصی طور پر دیا جائے گا، اب ایک تو اس میں یہ متعین نہیں کہ مال غنیمت کی چوتھائی مقدار کتنی ہوگی؟ دوسرے یہ کہ چوتھائی میں سے اس دستہ کے افراد کو فی کس کتنا مال حاصل ہو سکے گا؟ یہ بھی معلوم و متعین نہیں ہے۔

(۱) ھدایہ: ۳؍۵۷، دیکھئے: ھندیہ: ۳؍۱۱۴

اس طرح کے معاملہ کو اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ خریدار نے قیمت کے بدلے تو وہ چیز خریدی ہے جو اسے پہلے سے معلوم تھی اور جس کی اسے ضرورت تھی اور یہ انعام بیچنے والے کا اپنی طرف سے رضاکارانہ طریقہ پر بیچی جانے والی شئی (مبیع) میں اضافہ ہے اور بیچنے والے کے لئے اپنی طرف سے سامان میں اضافہ کر دینا اسی طرح خریدار کا بطور خود قیمت میں اضافہ کرنا جائز ہے۔(۱)

گاہکوں کو راغب کرنے کے لئے کوپن

سوال:- آج کل بہت سی دکانوں میں تجارت کو بڑھانے کے لئے ڈراکوپن دیئے جاتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ جو چیز خریدی جاتی ہے وہ تو گاہک کو دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ایک کوپن بھی دیتے ہیں، بعد میں قرعہ اندازی کے ذریعہ کوپن اٹھایا جاتا ہے اور جس کا نام نکلے اسے خصوصی انعام دیا جاتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ (سمیع اللہ، ناندیڑ)

جواب:- اگر ہر شخص کو اس کی خریدی ہوئی چیز مل جاتی ہے اور بیچنے والا قرعہ اندازی کی بنیاد پر کسی گاہک کو اپنی طرف سے انعام دیتا ہے تو یہ جائز ہے، گویا یہ فروخت کرنے والے کی طرف سے ایک اضافہ ہے، جو وہ اپنے بعض گاہکوں کو دے رہا ہے:

"ویجوز للبائع أن یزید للمشتری فی المبیع" (۲)

البتہ اگر کوپن ہی کی بنیاد پر سامان دیا جائے اور جس کا نام قرعہ میں نہیں نکلے اسے کچھ بھی نہ دیا جائے، تو یہ صورت جائز نہیں، یہ قمار میں داخل ہے۔

بیچنے والے سامان کی تعیین، تصویر سے

سوال:- آج کل بہت سی چیزیں اس طرح فروخت کی

---

(۱) مختصر القدوری ص:۸۱ (۲) مختصر القدوری:۸۱

جاتی ہیں کہ اصل مال گودام یا کارخانہ میں ہوتا ہے اور اس کی تصویر نیز دیگر تفصیلات گاہک کو دکھائی اور بتائی جاتی ہیں، ایسی صورت میں اصل سامان دیکھنے کے بعد کیا خریدار خریدنے سے انکار کرسکتا ہے؟ (شفیع کریم، نولی چوکی)

جواب:- شریعت میں ایک اصول یہ ہے کہ اگر کسی چیز کو دیکھے بغیر خریدا اور بیچا گیا ہو تو دیکھنے کے بعد خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے، اگر چاہے تو اس معاملہ کو باقی رکھے، ورنہ ختم کردے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''خیارِ رویت'' کہتے ہیں؛ لیکن اگر اصل شئی کے بجائے اس کا نمونہ دکھا دیا جائے اور وہ نمونہ اصل کے مطابق ہو، تو نمونہ کا دکھا دینا کافی ہے اور اصل شئی کو دیکھنے کے درجہ میں ہے، اگر وہ شئی اسی نمونہ کے مطابق ہے، تو اب اس شئی کو دیکھنے کے بعد معاملہ ختم کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا:

" والأصل في هذا أن رؤية جميع المبيع غير مشروط لتعذره فيكتفي برؤية ما يدل على العلم بالمقصود ... وعلامته أن يعرض بالنموذج يكتفي برؤية واحد منها إلا إذا كان الباقي أردأ مما رأى فحينئذ يكون له الخيار " (۱)

تصویر بھی سامان کے نمونہ کا درجہ رکھتی ہے؛ بلکہ بمقابلہ نمونہ کے بعض اوقات اس شئی کا زیادہ بہتر تعارف کراتی ہے، اس لئے یہ بھی اسی حکم میں ہے، اگر تصویر کے مطابق ہی سامان پایا گیا تو خریدار کو حق نہیں کہ سامان کو رد کردے۔

ادائیگی ریال سے یا روپیوں سے؟

سوال:- ہم لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہیں، ہندوستان میں روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم لوگ یہاں ایک

---

(۱) هدایه مع فتح القدیر : ۵۳۱/۵

دوسرے سے قرض کے طور پر ریال حاصل کرتے ہیں، لیکن صورت حال یہ ہوتی ہے کہ مثلاً گذشتہ سال ایک لاکھ روپیہ قرض کے لئے بارہ ہزار ریال حاصل کئے گئے، اب جب دوسرے سال قرض ادا کرنا ہے، بارہ ہزار ریال میں ایک لاکھ سے بڑھ کر ایک لاکھ بیس ہزار روپئے آتے ہیں، ایسی صورت میں مقروض کو کتنا قرض ادا کرنا چاہئے؟ وہی بارہ ہزار ریال یا اتنے ریال جس میں موجودہ قیمت کے اعتبار سے ہندوستانی ایک لاکھ روپئے آجائیں؟

(ممتاز احمد، جدہ)

جواب:- قرض کی ادائیگی کے مسئلہ میں اس کرنسی کا اعتبار ہوگا، جس کرنسی میں قرض حاصل کیا گیا ہے؛ چوں کہ قرض کے لین دین کی بات ریال میں ہوئی ہے؛ اس لئے مقروض کو بارہ ہزار ریال ہی ادا کرنے ہوں گے، چاہے روپیہ کے اعتبار سے اب اس کی قیمت بڑھ گئی ہو، فقہاء کے یہاں منقول بعض جزئیات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے:

"ومنه يعلم حكم ما تعورف في زماننا من الشراء بالقروش ...... فإذا اشترى بمائة فالعادة أنه يدفع ما أراد إما من القروش أو مما يساويها من بقية أنواع العملة من ريال أو ذهب الخ" (۱)

قیمت کے لئے سامان روک لینا

سوال:- بہت سی دفعہ ہم لوگوں سے گاہک ایک شئے کو نقد قیمت میں طے کرلیتے ہیں، پھر جب سامان پیک کردیا جاتا ہے، تو مثلاً کہتا ہے کہ دو چار گھنٹے میں قیمت ادا کررہا ہوں، بینک سے پیسہ نکالنا ہے، یا فلاں دوست کے یہاں سے لانا ہے، اور بعض دفعہ

---

(۱) در مختار مع الرد: ۷/ ۴۰۲

کئی کئی دن تک پیسے ادا نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہم سامان روک لے سکتے ہیں؟

(نور خورشید مدنی، بجنور)

جواب:- اگر قیمت نقد طے ہوئی ہو، معاملہ کے وقت ادھار کی بات نہیں ہوئی ہو، تو آپ کو حق ہے کہ آپ سامان روکے رہیں، اور جب تک قیمت ادا نہیں ہو جائے فروخت شدہ سامان حوالہ نہیں کریں۔

"للبائع حق حبس المبیع لاستیفاء الثمن إذا کان حالاً" (۱)

اس لئے یہی طریقہ آپ اختیار کریں، دیر میں ادا کرنے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ سود ہو جائے گا۔

پہلے قیمت ادا کی جائے یا پہلے سامان؟

سوال:- اگر خرید و فروخت نقد ہو تو پہلے قیمت ادا کرنا ضروری ہوگا یا خریدار کو سامان حوالہ کرنا؟ ایسا ہوتا ہے کہ بڑا "مال" ہے، خریدار نے سامان تو پہلے اٹھوا لیا اور جاتے ہوئے کاؤنٹر پر پیسے ادا کئے۔ اس میں بعض دفعہ سامان کے غائب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ پہلے قیمت ادا کرو، اس کے بعد سامان اٹھاؤ تو کیا یہ صحیح نہیں ہوگا؟ (خورشید انور مدنی، بجنور)

جواب:- قیمت اور اس کے بدلے میں فروخت شدہ چیز کے بارے میں اصول یہ ہے کہ اگر سونا سونے کے بدلہ یا کرنسی کرنسی کے بدلہ بیچی جائے، تو دونوں بیک وقت لین دین کریں، تقدیم و تاخیر نہ ہو، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب ایک سامان دوسرے سامان سے فروخت کیا جائے، جیسے چاول اور گیہوں کا تبادلہ ہو، یا سبزی اور گوشت کا تبادلہ ہو وغیرہ، اور اگر

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ ۳؍۱۵

ایک طرف سے سامان ہو اور دوسری طرف سے رقم، تو اصول یہ ہے کہ پہلے خریدار قیمت ادا کرے، پھر سامان قبضہ میں لے:

" ومن باع سلعة بثمن قيل للمشتري ادفع الثمن أولاً، ومن باع سلعة بسلعة أو ثمنا بثمن قيل لهما سلما معا " (۱)

اس لئے یہ صورت بھی درست ہے کہ پہلے قیمت ادا کرکے پھر سامان حاصل کیا جائے، جیسا کہ بعض دوکانوں میں بل دیکھ کر سامان حوالہ کیا جاتا ہے، اور جو صورت آپ نے لکھی ہے اور مروج ہے، وہ بھی درست ہے، کیوں کہ سپر مارکیٹ میں پہلے صرف سامان جمع کیا جاتا ہے اور کاؤنٹر پر جب پیسے ادا کئے جاتے ہیں، اس وقت سامان خریدار کے حوالہ ہوتا ہے۔ یعنی مارکیٹ کے اندر مال کا انتخاب ہوتا ہے، اور اصل خرید وفروخت اس کاؤنٹر پر ہوتی ہے، جس سے خریدار باہر نکلتا ہے، اس لئے اس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں۔

خرید وفروخت میں بعد کو سودے کی تعیین

سوال:- تجارت کو فروغ دینے کے لئے آج کل مختلف طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ایک ہی معیار کے کئی سامان رکھے ہوتے ہیں، ان کی یکساں قیمت متعین ہوتی ہے، خریدار پیسے ادا کر دیتا ہے، اس وقت وہ شے متعین نہیں ہوتی، جس کو خرید کرتا ہے، خریدار دوکان میں یا گھر ان میں سے کوئی بھی ایک چیز اٹھا لیتا ہے، اسی طرح آج کل ہوٹلوں میں " بفے سسٹم " کا رواج ہوا ہے کہ آپ ایک رقم ادا کر کے ہوٹل کے اندر جائیں، جہاں مختلف قسم کے کھانے لگے ہوتے ہیں، آپ حسب خواہش ان میں سے کھا سکتے ہیں، یعنی خرید وفروخت کا معاملہ طے

---

(۱) فتاوی ہندیہ ۱۲/۳

پاتے وقت یہ بات متعین نہیں ہو پاتی کہ کون سامان اور بعض صورتوں میں اس کی کتنی مقدار فروخت کی جارہی ہے؟

(خورشید انور ندوی، بجنور)

جواب:- خرید و فروخت کا اصل طریقہ تو یہی ہے کہ معاملہ طے ہوتے وقت قیمت اور فروخت کی جانے والی شی اچھی طرح متعین ہو جائے؛ لیکن اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ بیچنے والا چند چیزوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہے کہ مثلاً ان میں سے ہر مال پچاس روپے میں ہے، اور خریدار بعد میں اس کو متعین کرے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''خیار تعیین'' کہتے ہیں۔

"صح خيار التعيين في القيمت لا في المثليات ... وهو أن يبيع أحد العبدين أو الثلاثة أو أحد الثوبين أو الثلاثة على أن يأخذ المشتري واحدا" (۱)

اس لئے جو صورتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ جائز ہیں، یہ بات کہ ''خرید و فروخت کے معاملے میں قیمت اور اس کے مقابل بیچی جانے والی شی متعین ہو'' حدیث میں بہت تفصیل و وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں آیا ہے؛ کیوں کہ وقت و حالات اور عرف و رواج کی تبدیلی کی بنا پر معاملات کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں، فقہاء نے یہ احکام شریعت کے اس منشا کو سامنے رکھ کر متعین کئے ہیں کہ ایسا ابہام نہ رہے جو گاہک اور تاجر کے درمیان نزاع کا سبب بن جائے؛ کیوں کہ نزاع بہر حال بری چیز ہے، جو صورتیں آپ نے ذکر کی ہیں، یہ اب عام طور پر مروج ہیں، اور باہمی نزاع کا باعث نہیں بنتی ہیں، اس لئے خرید و فروخت کی یہ صورتیں جائز ہیں۔

ہیرو ہونڈا اسپلنڈر اسکیم

سوال:- آج کل ہیرو ہونڈا اسپلنڈر کی اسکیم نکلی ہے، یہ

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۵۴/۳

اسکیم اس طرح ہے کہ اگر ایک ممبر نے پانچ ہزار روپے جمع کئے اور اس نے کچھ محنت نہیں کی ، پھر اس کے بعد اسی طرح گیارہ ممبر جمع ہونے کے بعد ایک ممبر کو گاڑی ملے گی ، جس نے پہلے رقم جمع کی ، اس کے بعد ان کے پیچھے گیارہ ممبر جمع ہونے کے بعد دوسرے نمبر والے کو گاڑی ملے گی ، یعنی ہر ایک ممبر کے بعد گیارہ ممبر جمع ہونے کے بعد سب کو گاڑی ملے گی ؛ اسی طرح اگر کسی ممبر نے محنت کر کے گیارہ ممبر جمع کر کے لائے تو لانے والے کو نقد گاڑی دی جارہی ہے ، اور ان گیارہ ممبروں کو تب گاڑی ملے گی ، جب ان گیارہ افراد میں سے ہر ایک کے پیچھے گیارہ ممبر جمع ہوں گے ، حضرت والا ! پانچ ہزار روپے کے علاوہ کوئی رقم جمع نہیں کرنا ہے ، صرف پانچ ہزار روپے ہی بھرنا ہے اور گاڑی ہر ایک ممبر کو ۲ مہینے یا پھر ایک سال میں ملے گی ۔

حضرت محترم ! ۵۰۰۰ روپے میں ۴۵۰۰۰ کی گاڑی صرف ایک سال میں مل رہی ہے ، حالاں کہ بینک میں پانچ ہزار روپیہ جمع کرے تو پانچ سال کے بعد دس ہزار روپیہ مل رہے ہیں اور یہ ناجائز ہے ، کیا یہ اسکیم صحیح ہے ؟ (محمد طاہر ، ناندیڑ)

جو اب :- اسکیم کی جو صورت آپ نے لکھی ہے ، یہ جائز نہیں ہے ؛ کیوں کہ اس میں پانچ ہزار روپیہ کے ساتھ گیارہ افراد کو ممبر بنانے کی شرط بھی ہے ، یہ گویا فروخت کرنے کے ساتھ ایک شرط ہے اور رسول اللہ ﷺ نے خرید و فروخت میں اس طرح کی شرطوں کو ممنوع قرار دیا ہے ، پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ چند ہی دنوں میں گیارہ ممبر بنالے ، یہ بھی ممکن ہے کہ ممبر بنانے میں چھ مہینہ ، سال بھر لگ جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ گیارہ ممبر بنانے میں کامیاب نہ ہو پائے اور یہ پانچ ہزار روپیہ اس کے ہاتھ سے چلے جائیں ، اس طرح فقہ کی اصطلاح کے

مطابق غرر اور خطر کی صورت پائی جاتی ہے، جو جائز نہیں، اور اصل میں اس طرح کے معاملات کے پیچھے قمار اور کم محنت میں زیادہ نفع حاصل کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، کہ بیٹھے بٹھائے گاڑی بک گئی، پینتالیس ہزار کے پچپن ہزار آگئے اور کوئی غریب گیارہ ممبر فراہم نہیں کرسکا تو اس کے اصل پیسے بھی بیچنے والے کے ہاتھ لگ گئے، مسلمانوں کو ایسی اسکیموں میں جانے سے بچنا چاہئے، یہ محض دھوکہ کی ٹٹی ہے، جتنی محنت وہ شخص گیارہ شخص کو خریدار بنانے پر کرے گا، اتنی محنت کے ذریعہ وہ اپنی حلال اور جائز تجارت کو فروغ دے سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق

حکومت سے آمدنی چھپانا

سوال:- اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنی آمدنی کے بارے میں انکم ٹیکس والوں کو اور بلدیہ کو پراپرٹی ٹیکسوں کے بارے میں اپنے مکان وغیرہ کے بارے میں غلط تفصیلات فراہم کرتے ہیں، چوں کہ اگر صحیح بتادیں گے تو رقم زیادہ دینی پڑے گی، کیا ایسی غلط تفصیلات دینی ناجائز ہے؟ (کاظم علی، شاہ گنج)

جواب:- جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا جائز نہیں، چاہے افراد سے جھوٹ بولا جائے یا گورنمنٹ سے، صرف اس صورت میں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے، جب اپنے آپ کو ظلم سے بچانا مقصد ہو، اس لئے جو ٹیکس واجبی ہیں اور جن کا نفع عوام کو پہونچتا ہے، ان کو چھپانا اور ان کے بارے میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔

ہراج کا کمیشن

سوال:- گورنمنٹ بعض پرانی چیزوں کو ہراج کرتی ہے اور سرکار کے یہاں کم سے کم قیمت کی ایک حد مقرر ہوتی ہے، مثلاً یہ چیز کم سے کم ایک لاکھ میں فروخت کی جائے گی، "بولی" میں حصہ لینے کے لئے مختلف لوگ آتے ہیں اور آپس میں طے کر لیتے ہیں کہ

ان میں سے ایک شخص بولی لگائے، باقی لوگ خاموش رہیں، پھر جب وہ سامان چھڑا لیتا ہے تو باہمی معاہدہ کے مطابق دوبارہ آپس میں ہراج کرتے ہیں، جو شخص زیادہ قیمت لگاتا ہے، وہ خرید لیتا ہے اور پہلی بولی پر جو زائد پیسے آئے اسے سب آپس میں تقسیم کرلیتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟ اور شریک ہونے والوں کو جو کمیشن ملتا ہے وہ درست ہے؟ (عبد المقتدر، مانصاحب نیتک)

جواب:- اس طرح باہمی معاہدہ کے تحت ایک شخص کا بولی لگانا اور دوسروں کا خاموش رہنا درست نہیں، یہ دھوکہ دینا ہے، ہراج میں ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ کسی شئی کی فطری قیمت متاثر ہوجائے اور مصنوعی طور پر قیمت بڑھائی یا گھٹائی جائے، جائز نہیں، اسی انداز کی ایک صورت کو ''نجش'' کے نام سے حدیث میں منع کیا گیا ہے،(۱) اسی طرح اس پر حاصل ہونے والا کمیشن حرام ہے اور رشوت کے حکم میں ہے، جو خاموش رہنے والوں کو اس کے بولی نہ لگانے اور فروخت کنندہ کو اس کی مناسب قیمت سے محروم کرنے کے عوض دی جاتی ہے۔

فینانس پر گاڑی لینے کی ایک جائز صورت

سوال:- آج کل فینانس پر گاڑی فروخت کی جاتی ہے، اس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً تین لاکھ کی گاڑی کمپنی تین لاکھ پچاس ہزار روپے میں فروخت کرتی ہے، پچاس ہزار روپے شروع میں وصول کرلئے جاتے ہیں، باقی تین لاکھ روپے دس مساوی قسطوں میں لئے جاتے ہیں، اگر خرید کرنے والے نے مطلوبہ قسط ادا نہیں کی تو اس کی وجہ سے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا جاتا؛ بلکہ کمپنی گاڑی ضبط کرلیتی ہے، اسے فروخت کرکے اپنا بقایہ وصول کرلیتی ہے اور اگر کچھ پیسے بچ گئے تو واپس کردیتی ہے،

---

(۱) صحیح البخاري عن ابن عمر ؓ، حدیث نمبر ۲۱۴۲

...... کیا یہ صورت جائز ہے؟ (جاوید احمد خان، اے، سی، گارڈ)

جواب :- یہ صورت درست ہے، اگر کسی سامان کی ایک لاکھ قیمت متعین ہو، ادائے گی میں تاخیر کی صورت میں قیمت میں اضافہ نہیں کیا جائے، البتہ ادھار قیمت نقد سے زیادہ رکھی جائے، تو یہ سود کے دائرے میں نہیں آتا ہے، یہ بات بھی درست ہے کہ سابق معاہدہ کے مطابق قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں سامان ضبط کر لیا جائے اور اس سے اپنی رقم حاصل کر لی جائے، یہی حکم بذل رہن کا ہے، گویا خریدار نے خرید کردہ گاڑی کمپنی ہی کے پاس رہن رکھ دی ہے اور اس کی اجازت سے اسے استعمال کر رہا ہے، ہاں! اگر ایک قیمت مقرر نہ کی جائے بلکہ طے پائے کہ قیمت کی ادائے گی میں جس قدر تاخیر ہوتی جائے گی اسی نسبت سے قیمت میں اضافہ ہوتا جائے گا تو یہ جائز نہیں ہے اور سود میں داخل ہے۔

فلیٹس کی خرید و فروخت

سوال :- میرا کاروبار بلڈنگیں بنانے اور فروخت کرنے کا ہے، ہم لوگوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ پورے پراجکٹ کا نقشہ بناتے ہیں، اس میں مکان کی لمبائی، چوڑائی، کمروں کی گنجائش، فرش کی نوعیت، ڈیزائن وغیرہ ساری چیزیں متعین ہوتی ہیں، اور ان کا ماڈل بھی بنا کر رکھا جاتا ہے، یہ گویا اصل عمارت کا نمونہ ہوتا ہے، اسی لحاظ سے لوگ اپنے فلیٹ بک کراتے ہیں، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کا ہک بک کرانے اور پورا معاملہ طے ہو جانے کے باوجود عمارت مکمل ہو جانے کے بعد مکر جاتا ہے، اس سے بلڈر کو بہت نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس نے خریداروں کے وعدوں کی بنیاد پر بلڈنگ بنائی تھی، ایسی صورت میں خرید کرنے والوں کے لئے کیا مکرنے کی گنجائش ہے؟ نیز ان کو اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (عبدالمقتدر صدیقی، گلبرگہ)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''استصناع'' کہتے ہیں، جس میں ایک متعین نمونہ کے مطابق آرڈر دیا جاتا ہے اور اس آرڈر کے مطابق دوسرا فریق سامان تیار کرتا ہے، پہلے زمانہ میں اس طرح کے معاملات جوتے موزے وغیرہ تک محدود تھے؛ لیکن اب الکٹرانک سامان، مشینیں وغیرہ مختلف چیزوں میں اس طرح کے معاملات طے کئے جاتے ہیں، اور فلیٹس میں بھی اسی نوعیت کی خرید و فروخت ہونے لگی ہے، استصناع کا حکم یہ ہے کہ اگر بیچنے والے نے طے شدہ تفصیلات وصفات کے مطابق اس شیٔ کو تیار کیا ہو تو خریدار کے لئے اس سے انکار کر جانے کی گنجائش نہیں ہے، اس پر اس کا خرید کرنا واجب ہے اور اسے اس کے خرید کرنے پر مجبور کیا جائے گا، خاص کر ایسی صورت میں کہ اس سے دوسرے فریق کو شدید نقصان بھی پہنچ رہا ہے؛ اس لئے آپ قانونی دباؤ ڈال کر خریدار کو اپنی عمارت خرید کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

لینڈ گرابرس اور ان سے زمینیں خرید کرنا

سوال:- یہاں شہر گلبرگہ کے اطراف واکناف میں آج کل کچھ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے عوام الناس خصوصاً غریبوں کا سکون غارت ہو گیا ہے، صورت واقعہ یہ ہے کہ آج سے تقریباً پندرہ بیس سال قبل زمین کے مالکین سے رہائشی پلاٹس خریدے گئے، باہمی اعتماد کی وجہ سے محض اسٹامپ پیپر پر ہی خرید و فروخت کی ساری کاروائیاں انجام پا گئیں، اس درمیان کئی لوگ مکانات تعمیر کر کے گھر آباد بھی کر چکے ہیں، اور کئی لوگ تعمیر کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، اِدھر کچھ دنوں سے ان زمینات کے ساتھ عجیب قسم کی دھوکہ بازی چل رہی ہے، کچھ لوگ فروخت شدہ زمین کے مالکان یا ان کے ورثہ کو بڑی بڑی رقومات کا لالچ دے کر پوری زمین اپنے نام رجسٹریشن کرا کے از سر نو فروخت کر رہے ہیں، بعض جگہ عوامی

احتجاج کی وجہ سے کچھ باہمی لین دین بھی چل رہا ہے؛ چوں کہ تحصیل آفس میں زمین کے مالک کے نام جو پہانی (پٹہ) ہوتا ہے، وہ جب تک خریدار کے نام منتقل نہ ہو جائے، زمین قانونی طور پر اسی کی جاتی ہے؛ حالاں کہ وہ زمین فروخت کر چکے ہوتے ہیں، اس کاروبار کے منظر عام پر آنے سے غریب مسلمانوں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں، کچھ لوگ اپنا ذہنی توازن تک کھو بیٹھے ہیں، مسلمانوں کی یہ حد درجہ پریشانی ہم سبھوں کے لئے باعث تشویش و ندامت بنی ہوئی ہے، مسلمانوں کے اخلاقی زوال پر جس قدر افسوس کیا جائے، وہ کم ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا فروخت شدہ زمینات محض دنیوی قانون کا سہارا لے کر خریدنا ایک مسلمان کے لئے از روئے شرع جائز ہے؟ اور کیا ان سے مسلمانوں کا خریدنا جائز ہوگا؟ اور اس طرح کے کاروبار سے حاصل شدہ رقم کیا حلال ہے؟

(محمد عبد اللہ، گلبرگہ)

جواب:- یوں تو کسی بھی چیز کا غصب سخت گناہ اور باعث وبال ہے؛ لیکن خاص کر زمین کے غصب کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے بڑی مذمت فرمائی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی کی ایک بالشت زمین پر بھی ظلماً قبضہ کرلیا، اللہ تعالیٰ زمین کی ساتوں تہوں کا طوق بنا کر قیامت کے دن اس کے گلے میں ڈال دیں گے

"من اقتطع شبرا من الأرض ظلما طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين" (۱)

یہ مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے، جب خریدار نے زمین کی قیمت ادا کردی اور مالک زمین نے اسے لے لیا اور اس کو اسٹامپ پیپر پر لکھنے پر اکتفا کیا گیا، یا زبانی ہی لین دین پر

---

(۱) مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم الظلم و غصب الأرض و غیرها، حدیث نمبر: ۱۶۱۰

بات طے پا گئی تو شرعاً خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو گیا، اب خریدار ہی اس زمین کا مالک ہے اور بیچنے والے کا اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا، یہاں تک کہ اگر بیچنے والا شخص اس زمین پر دوبارہ قبضہ کر لے اور اس میں گھر بنا لے، یا درخت لگا دے تب بھی اس کا قبضہ معتبر نہیں ہوگا، اسے غصب ہی سمجھا جائے گا، اور اسے کہا جائے گا کہ وہ اس عمارت یا درخت کو نکال دے اور زمین خالی کر کے واپس کر دے:

"ولو غصب أرضا فبنى عليه أو غرس لا ينقطع ملك المالك ألخ" (۱)

اور جب کسی زمین کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ ناجائز طور پر قبضہ کی گئی ہے تو اس کا خرید کرنا بھی جائز نہیں، اور وہ اس خریدار کے حق میں مال حرام ہے؛ اس لئے کم سے کم مسلمانوں کو تو بہر حال پیسہ خرچ کر کے گناہ خریدنے کی بے وقوفی نہیں کرنی چاہئے۔

لینڈ گرابرس کی زیادتیوں کے سلسلہ میں علماء اور مشائخ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمان عوام کو متحد کر کے اس کے خلاف آواز بلند کریں، ایسے لوگوں کے خلاف پولیس اور دوسرے وسائل کے ذریعہ دباؤ ڈالوائیں، اور ان کا سماجی بائیکاٹ کریں؛ کہ اب یہ مسئلہ کسی ایک شہر کا نہیں رہا؛ بلکہ ایک بیماری کی طرح یہ وبا عام ہوتی جا رہی ہے، اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مسلمان آبادیاں خود مسلمان غنڈوں کے ہاتھوں اس کا زیادہ شکار ہیں۔ وباللہ التوفیق

قیمت ادا نہ ہونے کی صورت میں دوسرے کے ہاتھ فروخت

سوال:- جس فلیٹ کی خرید و فروخت کی بات طے پا چکی تھی، اگر خریدار بروقت اس کی قیمت ادا نہ کرے تو کیا بیچنے والا شخص اس کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے؟

جواب:- اس کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں:

---

(۱) بدائع الصنائع : ۶ / ۱۴۰

(الف) جس مکان کا آرڈر دیا گیا تھا، خریدار کو ابھی اسے دکھایا نہیں گیا ہو تو بیچنے والا شخص اسے فروخت کرسکتا ہے؛ کیوں کہ معاملہ کی اس صورت میں — جس کو فقہ کی اصطلاح میں "استصناع" کہتے ہیں — جب تک آرڈر دینے والا اس کو دیکھ نہ لے وہ شی متعین نہیں ہوتی اور بنانے والا اس کو فروخت کرسکتا ہے:

"وإذا عمله الصانع نقبل أن يراه المستصنع باعه يجوز بيعه من غيره" (۱)

(ب) فلیٹ تیار ہوگیا اور خریدار کو دکھا دیا گیا، یہ کہ وہ خاص زیر تعمیر فلیٹ دکھا دیا گیا تو اب بیچی جانے والی شی متعین ہوگئی، اس صورت میں اگر معاہدہ ہوگیا تھا کہ قیمت بروقت ادا نہ کرنے کی صورت میں بیچنے والے کو معاملہ ختم کردینے کا حق ہوگا تو بیچنے والا شخص اس کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

(ج) خریدار کو تیار شدہ یا زیر تعمیر فلیٹ دکھا دیا گیا اور معاہدہ میں یہ بات طے نہیں پائی تھی کہ قیمت وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں بیچنے والے کو معاملہ کے رد کردینے کا اختیار ہوگا تو اب وہ یک طرفہ معاملہ کو ختم نہیں کرسکتا؛ البتہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ ڈال سکتا ہے کہ معاہدہ کے مطابق جلد سے جلد قیمت ادا کردے۔

ان اصولوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بلڈر کو چاہئے کہ معاملہ طے کرتے وقت جو تحریری معاہدہ کیا جائے، اس میں یہ دفعہ بھی شامل رکھی جائے کہ اگر خریدار مقررہ وقت پر قیمت ادا نہ کرپائے تو دوسرے فریق کو یک طرفہ طور پر معاملہ کو ختم کردینے کا اختیار ہوگا۔

خریدار کا قبضہ سے پہلے زیادہ قیمت میں فروخت کردینا

سوال:- اگر قسطوں پر فلیٹ خریدا گیا، مگر خریدار قسطیں ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہے تو کیا خریدار اسے کسی اور شخص

---

(۱) المبسوط للسرخسی: ۱۴۰/۱۲، نیز دیکھئے: رد المحتار ۷/۴۷۵

سے زیادہ قیمت میں فروخت کرسکتا ہے؟ یا کہ فروخت کرنے والا
اس کی قیمت ادا کردے اور نفع خود حاصل کرلے؟

جواب:- اس صورت میں اگر فلیٹ ابھی تیار نہیں ہوا تھا تو خریدار کا اس کو فروخت کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ ایک ایسی چیز کو بیچنا ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہے اور یہ جائز نہیں؛ البتہ جو خود فلیٹ بنا کر فروخت کرتا ہے، اس سے آرڈر پر خرید وفروخت کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ "بیع استصناع" کی صورت ہے، جس میں مبیع وجود میں آنے سے پہلے فروخت کرنے کی گنجائش ہے، —— ہاں، اگر فلیٹ تیار ہو چکا ہے تو اس کو فروخت کرسکتا ہے، چاہے زیادہ قیمت میں بیچے یا کم قیمت میں، اگرچہ کہ ابھی مکان اس کے قبضہ میں نہیں آیا ہو؛ کیوں کہ اموالِ غیر منقولہ —— یعنی جن چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا ہو —— کو قبضہ سے پہلے بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کی رائے ہے:

" ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة
وأبي يوسف " (۱)

اگر خریدار خود ہی زیادہ رقم کی پیشکش کرے؟

سوال:- اگر تاخیر سے قیمت ادا کرنے پر بلڈر تو زیادہ
پیسوں کا مطالبہ نہیں کرے، مگر خریدار خود ہی زیادہ رقم کی پیشکش
کرے! کیوں کہ اس کے تاخیر کرنے کی وجہ سے تعمیری اخراجات
بڑھ گئے ہیں تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟

جواب:- اگر خریدار خود اپنی طرف سے بیچنے والے کے مطالبہ کے بغیر تاخیر کی وجہ سے قیمت بڑھا کر ادا کردے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بیچنے والے کے لئے اس کا لینا جائز ہے: " ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن الخ " ۔(۲)

---

(۱) هداية :۳/۷۴　　(۲) قدوری:۸۱

زمین کے عوض فلیٹس

سوال:- آج کل بلڈنگ ڈیولپمنٹ کا کام اس طرح ہوتا ہے کہ زمین ایک شخص کی ہے، دوسرا شخص اس پر بلڈنگ بناتا ہے اور طے پاتا ہے کہ تعمیر کے بعد مثلاً چالیس فلیٹس مالک زمین کے اور ساٹھ بلڈر کے ہوں گے اور دونوں اپنے اپنے حصہ کے فلیٹس فروخت کرنے کے مجاز ہوں گے؟ کیا یہ صورت درست ہے؟

جواب:- یہ صورت جائز ہے، اس میں مالک زمین نے اپنی زمین فلیٹس کے عوض فروخت کی ہے اور بلڈر نے فلیٹس اسے بہ طور قیمت کے ادا کئے ہیں، جیسے روپے سے کوئی چیز خریدی جا سکتی ہے، اسی طرح سامان کی سامان کے بدلہ بھی خرید و فروخت ہو سکتی ہے۔

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضي بطريق الاكتساب" (۱)

قبضہ سے پہلے کسی شی کو کرایہ پر لگانا

سوال:- میں نے ایک گاڑی بک کرادی ہے اور ابھی سے ایک صاحب سے معاملہ طے کرلیا ہے کہ وہ گاڑی ان کے قبضہ میں رہے گی اور وہ مجھے ماہانہ کرایہ دیا کریں گے، میں نے ان سے کچھ رقم بطور پیشگی لے لی ہے، کیا میرے لئے یہ رقم جائز ہے؟

(مسیح الدین، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- شریعت کا اُصول یہ ہے کہ جو چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے، جب تک اس پر قبضہ حاصل نہ ہو جائے اسے نہ بیچنا جائز ہے اور نہ کرایہ پر لگانا:
"وما لا يجوز بيعه قبل القبض لا يجوز إجارته" (۲) — اس لئے جب آپ

(۱) عنايه على هامش الفتح : ۲۴۹/۶۔ (۲) هنديه : ۴/۴۱۳۔

نے گاڑی بک کرائی ہے اور ابھی وہ آپ کے قبضہ میں نہیں آئی ہے، تو ابھی سے اس کو کرایہ پر لگا دینا جائز نہیں ہے اور بحیثیت کرایہ آپ کا رقم حاصل کرنا، نیز اس میں تصرف کرنا بھی درست نہیں؛ البتہ آپ ابھی یہ معاہدہ کر سکتے ہیں کہ جب گاڑی حاصل ہو جائے گی تو آپ ان صاحب کو کرایہ پر دے دیں گے، یہ کرایہ پر لگانا نہیں ہوا؛ بلکہ اس کا وعدہ ہوا، اسی طرح جو رقم آپ نے ان سے حاصل کی ہے، اگر وہ راضی ہو جائیں تو بطور قرض ان سے لے سکتے ہیں اور جب گاڑی ان کے حوالے کریں تو کرایہ کے ذریعہ قرض ادا کر سکتے ہیں؛ لیکن اس کے لئے دوسرے فریق کی رضامندی ضروری ہے۔

فلیٹ بننے سے پہلے اس کی خرید و فروخت

سوال:- آج کل خرید و فروخت کی ایک صورت یہ رائج ہے کہ ایک بلڈر زمین حاصل کرتا ہے، اور اس پر فلیٹ بنانے کا پروگرام بناتا ہے، جس میں مکان کے متعلق اس کی تفصیلات اور اس کا ڈیزائن اور دیگر تفصیلات متعین ہوتی ہیں، اور قیمت بھی متعین ہوتی ہے، خریدار مکان بننے سے پہلے ہی اس کی خرید و فروخت کی بات طے کرتا ہے، کچھ رقم نقد ادا کرتا ہے، اور کچھ رقم بالاقساط دینا طے پاتا ہے، کیا اس طرح کی خرید و فروخت جائز ہے؟ جب کہ صورت حال یہ ہے کہ جب قیمت طے پائی تھی، اس وقت فلیٹ کا وجود ہی نہیں تھا؟ (محمد اسلم، ٹولی چوکی)

جواب:- فلیٹ کی خرید و فروخت کی یہ صورت جائز ہے، فقہ کی اصطلاح میں اس کو ''استصناع'' کہتے ہیں، یعنی جو چیز موجود نہ ہو، نمونہ دیکھ کر اس کا آرڈر دینا، اب اگر وہ چیز آرڈر کے مطابق بنائی گئی تو آرڈر دینے والے کے لئے اس کا لینا ضروری ہوگا، اور اگر نمونہ کے خلاف ہو تو خریدار اس کو رد کر سکتا ہے، پہلے زمانے میں جوتے اور برتن وغیرہ کے اس طرح

آرڈر دیے جاتے تھے، آج کل فلیٹ اور مشنری وغیرہ میں بھی اس انداز کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اس لئے یہ بھی جائز ہے:

"یجب أن یعلم أن الاستصناع جائز في کل ماجری التعامل إلخ" (۱)

اگر کامپلکس کا محل وقوع معلوم ہو، مکانیت اور مکان کی تفصیلات جیسے بیڈروم کی تعداد، فرش کی نوعیت وغیرہ واضح ہو، اور اس کا کاغذی نقشہ بھی بنا دیا گیا ہو تو وہ نمونہ دکھانے کے درجے میں ہے؛ کیوں کہ مقصد یہ ہے کہ ایسا ابہام نہ رہے کہ آئندہ آپس میں نزاع پیدا ہو جائے، اور یہ صورت عام طور پر اس کے لئے کافی ہو جاتی ہے، اب اگر اسی نمونہ کے مطابق عمارت بنی ہو تو خریدار اس کو لینے کا پابند ہے، یہ بیع استصناع ہے، اور استصناع میں اگر کچھ قیمت نقد ادا کردی جائے اور باقی ادھار ہو، تو یہ بھی جائز ہے۔

یہ درست ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہ ہو، اس کی خرید وفروخت کو منع کیا گیا ہے، لیکن اس سے ایسی چیزوں کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے، جو آرڈر پر بنوائی جاتی ہوں اور خریدار ان کا آرڈر دے۔

بیعانہ سوخت کرنا یا اس پر بڑھا کر دینا

سوال:- ایک شخص کو فلیٹ فروخت کیا گیا کہ وہ مثلاً ۳۰/ جون ۲۰۰۶ء تک قیمت ادا کردے گا، اگر اس وقت تک قیمت ادا نہیں کی تو معاملہ منسوخ سمجھا جائے گا اور بیعانہ کی رقم واپس نہیں ہوگی تو کیا یہ درست ہے؟ نیز اگر بیعانہ واپس کردینے کی شرط تھی تو چوں کہ فروخت کرنے والے نے چند ماہ اس کی رقم سے فائدہ اٹھایا ہے، کیا یہ بات جائز ہوگی کہ وہ اس کی رعایت کرتے ہوئے بیعانہ کی رقم پر بڑھا کر واپس کرے؟ (محمد شاہد خان، مانصاحب ٹینک)

(۱) المحیط البرهاني: ۱۰/۳۶۳

جواب :- اگر خریدار نے مقررہ تاریخ تک قیمت ادا نہیں کی، تو معاہدہ کے مطابق بیچنے والا اس معاملہ کو منسوخ کرسکتا ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں " خیار نقد " کہتے ہیں، جس کی مدت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فریقین کے معاہدہ کے مطابق ہوتی ہے، البتہ بیعانہ کی رقم واپس کرنا واجب ہے، اس کو سوخت کردینا درست نہیں اور اس سلسلہ میں ہونے والے معاہدہ کا اعتبار نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو منع فرمایا ہے ۔ (۱)

رہ گیا بیعانہ کی رقم کو اضافہ کے ساتھ واپس کرنا، تو اگر معاملہ کے وقت اس کی شرط رکھی گئی ہو، تو جائز نہیں، کہ یہ سود ہے اور اگر اس کی شرط نہیں لگائی گئی تھی، فروخت کنندہ بطور خود دینا چاہتا ہے، تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحب ہے، حضور ﷺ نے جہاں قرض دینے والوں کو سود لینے سے منع فرمایا، وہیں قرض ادا کرنے والوں کو ہدایت دی کہ وہ بہتر طور پر قرض ادا کریں اور کچھ بڑھا کر واپس کریں ۔ (۲)

متعینہ سرکاری نرخ سے زیادہ میں سامان فروخت کرنا

سوال :- بعض اشیاء کی قیمت حکومت نے اپنی طرف سے متعین کردی ہے، حکومت لاگت اور اخراجات کی تحقیق کے بعد ہی قیمت متعین کرتی ہے، ایسی صورت میں کیا تاجر کے لئے اسی قیمت میں فروخت کرنا لازم ہے؟ اگر زیادہ قیمت میں فروخت کیا، تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی آمدنی حلال ہوگی یا حرام؟

(ساجد الرب ، بیدر)

جواب :- اصولی طور پر تاجر کو حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے اپنے سامان کی قیمت لگائے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک روایت میں قیمت مقرر کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد

---

(۱) أبو داؤد، حدیث نمبر: ۳۵۰۲

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۹۰

فرمایا کہ چیزوں کا گراں ہونا اور ارزاں ہونا اللہ کی طرف سے ہے(۱)؛ البتہ بعض اوقات لوگ اسے زیادتی اور عوام کے استحصال کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، ایسی صورت میں عامۃ الناس کے مفادات کے تحفظ کے لئے حکومت کو دخل انداز ہونے کا حق حاصل ہے اور عمومی ضرر کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ چیزوں کا نرخ متعین کر سکتی ہے۔

"ولا ینبغي للسلطان أن یسعر علی الناس ... إلا إذا تعلق به دفع ضرر العامة" (۲)

چوں کہ ہم نے کسی ملک کی شہریت قبول کرتے ہوئے اس کے قوانین کی اطاعت کا عہد کیا ہے، اور عہد کو پورا کرنا اور اس پر قائم رہنا واجب ہے، اس لئے سامان کو حکومت کے مقرر کئے ہوئے نرخ پر ہی فروخت کرنا چاہئے، اگرچہ اس سے زیادہ نفع بھی اس کے لئے حلال ہوگا، لیکن وعدہ خلافی کا گناہ بھی ہوگا۔

ایک دکان دار کا دوسرے سے کم قیمت میں سامان فروخت کرنا

سوال:- ایک چیز سامنے کی دکان والا سو عدد خرید کر پانچ روپے فی عدد فائدہ سے بیچتا ہے، اسی کو میں ایک ہزار خرید کر دو روپے فی عدد فائدہ سے فروخت کروں، تاکہ کم منافع پر بیچنے سے زیادہ فروخت ہو جائے، لیکن اس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ سامنے والے شخص کی فروخت پر اثر پڑے گا، کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟

(سید عبداللہ حسینی، یاقوت پورہ)

جواب:- تجارت کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ کوئی کم نفع لے کر فروخت کرے، اس میں اس کا بھی فائدہ ہے اور خریدار کا بھی، اسی لیے اسلام نے تجارت کو کھلا رکھا ہے اور اس میں

---

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب من كره أن يسعر، حديث نمبر: ۲۲۰۰، سنن الدارمي، كتاب البيوع، باب في النهي عن أن يسعر في المسلمين، حديث نمبر: ۲۵۴۵ ۔

(۲) فتح القدير: ۱۰/۵۹

کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ نفع کی تحدید نہیں کی گئی ہے؛ تاکہ تجارت میں مسابقت باقی رہے اور اس سے صارفین کو فائدہ ہو، اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے، وہ جائز ہے؛ البتہ آپ سامنے والی دکان پر جانے والے گاہک کو اپنی طرف نہ بلائیں، نیز آپ کی نیت خود نفع حاصل کرنے کی ہونی چاہیے نہ کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی، یہی اسلامی اخلاق کا تقاضا ہے۔

نقد وادھار کی قیمت میں فرق

سوال:- سامان کو نقد خریدنے پر ایک قیمت طے کی جائے اور چھ ماہ، ایک سال میں بالاقساط فروخت کرنے پر زیادہ قیمت رکھی جائے، کیا یہ صورت جائز ہے اور کیا اس صورت میں وقت کے بدلے پیسہ حاصل نہیں کئے جارہے ہیں؟

(سید عبد اللہ حسینی، یاقوت پورہ)

جواب:- یہ بات جائز ہے کہ نقد قیمت کے مقابلہ ادھار کی قیمت زیادہ رکھی جائے؛ البتہ اس کے جائز ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں، ایک یہ ہے کہ معاملہ طے ہوتے وقت قطعی طور پر ایک قیمت طے پاجائے، ادھار اور نقد کے درمیان تردد نہ رہے، دوسرے یہ کہ اگر خریدار قیمت ادا کرنے میں مزید تاخیر کرے تب بھی اس سے اتنے ہی پیسے لئے جائیں، بیچنے والا اس سے زیادہ پیسہ کا طلب گار نہ ہو، اگر اس طرح معاملہ ہو کہ جتنے مہینے قیمت کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی جائے گی، ایک مقررہ شرح کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا، تو یہ صورت جائز نہیں ہوگی، چونکہ خرید وفروخت اس صورت میں کہ ادھار بمقابلہ نقد زیادہ ہو، لیکن کوئی ایک ہی قیمت طے شدہ ہو، تو کل پیسے سامان کے مقابلہ میں ہوں گے، اس لیے یہ معاملہ سود کے دائرہ میں نہیں آئے گا؛ کیوں کہ سود اس وقت ہوتا ہے کہ جب کسی شئی کا تبادلہ اسی جنس کی شئی سے ہو اور ایک طرف سے زیادہ ادا کیا جائے، اگر ایک قیمت مثلاً ایک ہزار قیمت طے ہوجائے اور تاخیر کی وجہ سے ایک ہزار کے بدلے بارہ سو روپے وصول کیا جائے، تو یہاں بارہ سو کا تبادلہ ایک ہزار سے ہورہا ہے، جبکہ دونوں جنس ایک ہی ہے، اس لیے یہ صورت سود میں شمار ہوتی ہے۔

الکحل اور خواب آور دوائیں فروخت کرنا

سوال:- بعض دواؤں میں الکحل رہتا ہے، یا بعض بیماری میں نیند کی گولیاں دی جاتی ہیں، بعض نوجوان دکان دار کو دھوکہ دے کر اسے خرید کرتے ہیں اور اس کا بے جا استعمال کرتے ہیں، کیا ایسی دواؤں کا بیچنا جائز ہوگا؟ (سید عابد علی، حیدرگوڑہ)

جواب:- الکحل آمیز دوائیاں اور خواب آور گولیاں بہت سے مریضوں کو بطور علاج دی جاتی ہیں، اور ان کی ایک ضرورت ہے، اس لیے ایسی دواؤں کو دکان میں رکھنا اور فروخت کرنا جائز و درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک یہ ہے کہ ان دواؤں کے سلسلہ میں حکومت کے مقرر کئے ہوئے احتیاطی قوانین پر عمل کیا جائے، ڈاکٹر کی تحریر کے بغیر دوائیں نہ دی جائیں، دوسرے اگر کسی کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ ان دواؤں کو غلط طور پر استعمال کرنے کے لیے لے رہا ہے، یا خودکشی کرنا چاہتا ہے، یا بطور نشہ کے استعمال کرنا چاہتا ہے، تو اس کو دوائیں نہیں دی جائیں، چونکہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی وعدہ خلافی ہے اور جانتے بوجھتے غلط طور پر استعمال کرنے والے شخص کو ایسی دوائیں دینا گناہ میں تعاون کرنا ہے اور یہ دونوں ہی تمیں ناجائز ہیں۔

بلا حساب نفع

سوال:- دوران کاروبار پیسوں کی ضرورت پڑنے پر دوست سے کچھ پیسے حاصل کیے، کاروبار بہت وسیع ہے اور چند ماہ کے لیے دوست سے پیسے حاصل کیے ہیں، اس پر جو نفع حاصل ہوا ہے، اس کا حساب مشکل ہے، تو اس دوست کو کس حساب سے نفع ادا کیا جائے، جبکہ دوست بھی چاہتے ہیں کہ ان کے پیسے کو کاروبار میں لگائیں۔ (سید سلطان محی الدین، حیدرآباد)

جواب:- اسلامی نقطۂ نظر سے سرمایہ لگانے والوں کے لیے نفع اسی وقت حلال ہے جبکہ نفع میں تناسب مقرر کردیا جائے، مثلاً جو نفع ہوگا، اس کا اتنا فیصد سرمایہ لگانے والے کا ہوگا، اور اتنا فیصد محنت کرنے والے کا، اور اسی تناسب سے دونوں نقصان کے بھی ذمہ دار ہوں گے، اس طرح معاملہ طے کیے بغیر علی الحساب نفع دینا جائز نہیں؛ بلکہ یہ سود کے دائرہ میں آتا ہے، اس کا حساب اس طرح رکھا جاسکتا ہے کہ جن مہینوں میں کسی شخص کا سرمایہ مصروف رہا ہو، ان مہینوں کے مجموعی نفع کو زیر عمل سرمایہ پر تقسیم کردیا جائے اور اسی تناسب سے نفع دے دیا جائے، آخر بینک، شیئر کمپنیاں اور میچول فنڈ کے ادارے کتنی باریک بینی سے پورا حساب کرتے ہیں، کمپیوٹر کے اس دور میں ان حسابات کو منظم کرنا چنداں دشوار نہیں ہے، دنیا میں جہاں کہیں اسلامی خطوط پر سرمایہ کاری کے ادارے قائم ہیں، وہاں اسی طرح نفع متعین کیا جاتا ہے، اس لیے آپ اکاؤنٹنٹس (Accontant) سے مدد لیں اور ان سے ان اصولوں پر نفع ونقصان کی تقسیم کی خواہش کریں، ان شاء اللہ یہ کوئی ناممکن عمل نہیں ہے، وباللہ التوفیق۔

قیمت متعین نہ ہو

سوال:- مجھ سے بات ہوتی ہے کہ اگر مال کی رقم پندرہ دن میں دے دیں تو اس کی یہ قیمت ہوگی، اگر اس سے زیادہ عرصہ لگائیں گے، تو فی عدد دو یا تین روپے زیادہ دینے ہوں گے، کیا اس طرح قیمت طے کرنا جائز ہے؟

(محمد انور میمن، مقام غیر مذکور)

جواب:- خرید وفروخت کے وقت ایک ہی قیمت کا متعین ہونا ضروری ہے، اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ اگر اتنے دن میں قیمت ادا کردی، تو مثلاً بیس روپے لیں گے، اور اس سے زیادہ وقت لگانے تو مثلاً پچیس روپے دینے ہوں گے، شریعت میں معاملات اور کاروبار کی روح یہ ہے کہ وہ پوری طرح طے ہوجائے اور اس میں ابہام باقی نہیں رہے۔

رقم کی منتقلی پر کمیشن

سوال:- دوسرے اضلاع سے بینک میں رقم ٹرانسفر ہوتی ہے، اس کے عوض بینک کمیشن کاٹتا ہے، کیا یہ جائز ہے اور کیا اس کمیشن کا شمار سود میں نہیں ہوگا؟ (محمد انور حسین، مقام غیر مذکور)

جواب:- ایک مقام سے دوسرے مقام پر رقم منتقل کرنے کا کمیشن سود نہیں ہے، یہ گویا اس عمل کی اجرت ہے، اس لیے اس طرح رقم منتقل کرانا اور رقم کی منتقلی پر اجرت ادا کرنا جائز ہے۔

بل میں تاخیر کا جرمانہ

سوال:- ٹیلیفون اور لائٹ بل وقت پر نہ بھرا جائے تو حکومت اس پر تاخیر کا جرمانہ وصول کرتی ہے اور جرمانہ کی ایک رقم متعین ہوتی ہے، پہلے سے بھی صارفین کو معلوم ہوتا ہے کہ تاخیر پر انہیں اتنے زائد پیسے ادا کرنے ہوں گے، تو کیا اس کا شمار سود میں ہوگا؟ (محمد انور حسین، مقام غیر مذکور)

جواب:- شرعی اصول یہی ہے کہ جب کسی سے کوئی چیز خریدی جائے تو حسب وعدہ بروقت اس کی قیمت ادا کی جائے، اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ گورنمنٹ ہمیں جو سہولت دیتی ہے اور جسے ہم استعمال کرتے ہیں، بروقت اس کی اجرت ادا کی جائے، اس کی اجرت ادا نہ کرنا اجتماعی حق تلفی ہے، گورنمنٹ تاخیر پر جو پیسے لیتی ہے، وہ مالی جرمانہ ہے نہ کہ سود، جیسا کہ ٹریفک یا ریلوے وغیرہ کے اصول کی خلاف ورزی پر جرمانہ وصول کیا جاتا ہے، اس کے بغیر لوگوں کو بروقت ادائیگی پر مجبور کرنا ممکن نہیں، اس لیے اس زائد رقم کی ادائیگی کو سود شمار نہیں کیا جائے گا۔

مصوّر کنڈوم فروخت کرنا

سوال:- میڈیکل اسٹور پر کنڈوم یعنی نرودھ اور لوپ بھی

رکھنے پڑتے ہیں، اس پر عورت کی تقریباً عریاں تصویر رہتی ہے اور حکومت کی طرف سے ہم یہ اپنی دوکان میں رکھنے کے پابند ہیں، تو کیا اس کا فروخت کرنا جائز ہے؟ (سید عابد علی، مقام غیر مذکور)

جواب:- یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں اخلاقی بگاڑ اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ فحش تصویروں کے لیبل چھاپے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ماچس کی ڈبیاں بھی ان سے خالی نہیں ہوتیں، ہمارا فریضہ ہے کہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ اشیاء کی تشہیر اور نمائش کے سلسلہ میں ایسے قوانین بنائے جو مخرب اخلاق تصویروں کو منع کرتے ہوں، جب تک حکومت اس طرح کے مثبت اقدام نہ کرے، جن چیزوں کا استعمال بذات خود جائز ہے اور ایسے لیبل کے بغیر وہ نہیں ملتی ہوں، تو بحالت موجودہ اس کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ خرید وفروخت میں یہ تصویریں خود مقصود نہیں ہوا کرتیں، مانع حمل اشیا کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر میڈیکل ضرورت کے تحت معالج کے مشورے سے اسے استعمال کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے اور اگر خاندان کو چھوٹا رکھنا اور معاشی تنگی کے خوف سے اسے استعمال کیا جائے، تو جائز نہیں ہے، لہٰذا چونکہ اس کا جائز استعمال بھی ممکن ہے اور حکومت کی طرف سے اس سامان کے دکان میں رکھنے کی پابندی بھی ہے، اس لیے کراہت خاطر کے ساتھ اس کے فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔

تجارت میں نفع کی حد

سوال:- کسی شئے کی قیمت پر زیادہ سے زیادہ کتنا نفع لے سکتے ہیں، مثلاً ایک چیز کی اصل قیمت سو روپے ہے، زیادہ سے زیادہ اسے کتنے میں فروخت کر سکتے ہیں؟

(حمید اللہ شریف، مہدی پٹنم)

جواب:- شریعت میں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ نفع کے لیے کوئی مقدار متعین

نہیں ہے اور کاروبار کی مصلحت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ قیمت کو فطری اتار چڑھاؤ پر چھوڑ دیا جائے ، اسی لیے آپ ﷺ نے ایسے طریقوں کو منع فرمایا ، جن کے ذریعہ مصنوعی طور پر قیمت گھٹائی یا بڑھائی جاتی ہے :(۱) البتہ شریعت کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے یہ اصول رکھا ہے کہ ایک شئے کی بازار میں زیادہ سے زیادہ جو قیمت ہوتی ہے ، گاہک کی مجبوری یا ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے زیادہ پیسے وصول کر لینا جائز نہیں ، یہ ایک طرح کا دھوکہ ہے ، مثلاً ایک شئے ایک سو سے ایک سو بیس روپے تک میں فروخت کی جاتی ہے ، اب اسے ایک سو پچیس روپے میں بیچنا مکروہ ہوگا ؛ کیوں کہ یہ قیمت کے معروف و مروج دائرہ سے باہر ہے جس میں زیادہ سے زیادہ وہ شئے فروخت کی جاتی ہے ۔

گاہک لانے پر کمیشن

سوال :- ہماری دوکان ہے ، بعض لوگ اپنے ساتھ گاہک لے کر آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس پر ہمیں بھی کمیشن دو ، کیا یہ جائز ہے ؟
(احمد محی الدین ، ملک پیٹ، نگر)

جواب :- اگر آپ نے پہلے سے کچھ لوگوں کو کہہ رکھا ہے کہ وہ آپ کے لیے گاہک فراہم کریں ، پھر وہ خریداروں کو ترغیب اور کوشش کر کے آپ کے پاس لائیں ، تو ان کے لیے پہلے سے مقررہ اجرت کے مطابق اجرت لینا درست ہوگا ؛ کیوں کہ ان کی حیثیت آپ کے وکیل یا دلال کی بھی ہے اور انھوں نے اس کے لیے ایک گونہ محنت بھی کی ہے ، اور اگر آپ کا ان سے ایسا معاملہ نہیں تھا ، وہ اپنے طور پر کسی گاہک کو لے آیا ، جیسا کہ بعض آٹو والے کیا کرتے ہیں ، تو اس کا کمیشن مانگنا جائز نہیں ہے ، یہ رشوت کے حکم میں ہے ، جس کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی ، ایسی باتوں کے رواج پا جانے کی وجہ سے سماج میں خود غرضی ، حرص اور صحیح مشورہ دینے کے

---

(۱) بخاری عن ابن عباس ؓ، کتاب البیوع ، باب هل يبيع حاضر لباد بغير أجر و هل يعينه أو ينصحه

بجائے غلط مشورہ دینا، نیز خیر خواہی کے بجائے بدخواہی کا مزاج بن جاتا ہے، اس لیے ایسے غیر اخلاقی طریقوں کو بل جل کر روکنا چاہیے۔

منرل واٹر کی خرید وفروخت

سوال:- کیا منرل واٹر کا فروخت کرنا جائز ہے؟ جبکہ سنا ہے کہ پانی کے بیچنے کو منع کیا گیا ہے۔ (شاہد حسین، پنجہ شاہ)

جواب:- جو پانی قدرتی طور پر تالاب وغیرہ میں جمع ہو جائیں اور اسے پینے والوں کے ہاتھ فروخت کیا جائے، اس کو منع کیا گیا ہے؛ کیوں کہ پانی عمومی طور پر مباح ہے؛ لیکن جو پانی برتنوں میں محفوظ کرلیا جائے یا جس میں صفائی وغیرہ کا مزید عمل کیا جائے، اس کے فروخت کرنے کی نہ ممانعت ہے اور نہ اس میں کراہت ہے، منرل واٹر میں تو پانی صاف کرنے اور اسے میٹھا بنانے میں اخراجات بھی درکار ہوتے ہیں، اور صحتِ انسانی کے لیے اس کی افادیت بڑھ جاتی ہے، اس لیے اس کے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ٹیپ رکارڈ، کمپیوٹر اور ٹی، وی کی دکان

سوال:- ٹیپ رکارڈ، کمپیوٹر اور ٹی، وی کو بیچنا جائز ہے، جبکہ ان چیزوں کو اچھے کام میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور برے کام میں بھی؟ (سید اطہر احمد، مشیر آباد)

جواب:- جو چیزیں معصیت ہی کے لیے بنائی گئی ہیں، ان کی فروخت تو بالکل ہی جائز نہیں، جیسے مخرب اخلاق لٹریچر اور ویڈیو، وغیرہ، اور جو چیزیں معصیت اور گناہ کے لیے ہی بنائی نہ گئی ہوں؛ بلکہ ان کا استعمال اچھے کاموں میں بھی ہوتا ہو اور برے کاموں میں بھی، البتہ غالب استعمال اچھے کاموں کے لیے ہو یا کم سے کم برے کاموں سے استعمال کو روکنا دشوار نہ ہو، تو ان کی خرید وفروخت بلا کراہت جائز ہے، ٹیپ رکارڈ اور کمپیوٹر ایسی ہی چیزیں ہیں، جو چیزیں جائز مقاصد کے لیے بھی استعمال کی جاسکتی ہوں اور ناجائز باتوں کے لیے بھی؛ لیکن

اس کا غالب استعمال معصیت کے لیے ہو یا اس کے مفسدانہ استعمال کو روکنا دشوار ہو تو اس کی خرید و فروخت مکروہ تحریمی یعنی قریب بہ حرام ہوگی، ٹی، وی ایسی ہی چیزوں میں ہے، اگر ٹی، وی پر غیر ذی روح چیزیں دکھائی جائیں تو اس کے جائز ہونے پر اتفاق ہے، اگر جاندار چیزوں کو دکھایا جائے، لیکن وہ مخرب اخلاق نہ ہوں، تو علماء کے ایک گروہ کے نزدیک جن میں ممتاز فقیہ مولانا محمد تقی عثمانی شامل ہیں، جائز ہے؛ کیوں کہ یہ عکس ہیں تصویر نہیں، یہی رائے عام طور پر عرب فضلاء کی بھی ہے، برصغیر کے اکثر علماء اس کو تصویر ماننے کی وجہ سے ناجائز سمجھتے ہیں، اگر جاندار کی تصویروں کے ساتھ ساتھ اخلاق سوز مناظر بھی دکھائے جائیں، تو یہ صورت سبھوں کے نزدیک ناجائز ہے، چوں کہ ٹی، وی اپنی اصل وضع کے اعتبار سے معصیت کے لیے بھی استعمال ہو سکتی ہے اور جائز کاموں کے لیے بھی؛ لیکن چونکہ اس کا استعمال معصیت میں غالب ہے؛ بلکہ ہندوستان میں معصیت سے بچتے ہوئے ٹی، وی کا استعمال شاید ممکن ہی نہیں، اس لیے اس کی خرید و فروخت ناجائز یا کم سے کم مکروہ تحریمی ضرور ہے، اس لیے ٹی، وی کی خرید و فروخت کا کاروبار نہیں کرنا چاہیے اور خود اپنے گھر کے ماحول کو بھی اس سے بچانا چاہیے۔

جلدی قیمت ادا کرنے کی وجہ سے قیمت میں کمی کرنا

سوال:- ادھار کی قیمت طے تھی؛ لیکن خریدار جلدی ادا کرنے کے موقف میں آگیا، تو قیمت میں ڈسکاؤنٹ کیا جا سکتا ہے؟

(شیخ سیم اللہ، ڈونی پولی)

جواب:- اگر خریدار یا فروخت کرنے والے کی طرف سے شرط لگائی جائے کہ خریدار قیمت مقررہ وقت سے پہلے ادا کردے گا، تو اس کو اتنا ڈسکاؤنٹ دیا جائے گا، تو یہ صورت جائز نہیں؛ گویا یہ مہلت کی قیمت ادا کرتی ہے؛ اس لیے اس میں سود کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو "ضع و تعجل" کہتے ہیں؛ البتہ اگر فریقین میں سے کسی کی طرف سے شرط نہ ہو اور بیچنے والا اپنے طور پر پیسے کم کردے یا خریدار خود پیسے پہلے ادا کردے اور بیچنے

والا کچھ پیسے واپس کردے، تو یہ صورت جائز ہوگی؛ کیوں کہ یہ صورت رضاکارانہ طور پر اپنی طرف سے پیسے کم کردینے کی ہوگی، جس کی اجازت ہے۔

بیعانہ سے زیادہ کا مطالبہ

سوال:- مکان کا بیعانہ ایک لاکھ روپیہ طے ہوا اور طے پایا کہ باقی رقم پینتالیس یوم میں ادا کریں گے، اگر پینتالیس یوم میں باقی رقم ادا نہیں کریں تو اس کا کیا حل ہے؟ اگر وہ اس معاملہ کو ختم کرنا چاہے، تو کیا ختم کرسکتا ہے؟ اور ختم کرتے ہوئے ایک لاکھ روپیہ واپس کردینا کافی ہے یا ایک لاکھ پچاس ہزار روپے دینے کے لیے اصرار کیا جاسکتا ہے؟ (محمد عارف، سنتوش نگر)

جواب:- اس معاملہ کو یوں طے کرنا چاہیے کہ بیچنے والا کہے کہ ایک لاکھ روپیہ تم ابھی دے دو اور باقی رقم پینتالیس دنوں کے اندر ادا کرنی ہوگی، اگر پینتالیس دنوں میں پوری رقم ادا نہیں کی تو ہمیں اس معاملہ کو ختم کردینے کا حق حاصل ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''خیار نقد'' کہتے ہیں، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اس طرح کے معاملوں میں وہ مدت معتبر ہوگی، جس پر دونوں فریقوں نے اتفاق کرلیا ہو، چنانچہ اگر پینتالیس دنوں میں رقم ادا نہیں ہوئی، تو بیچنے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ اس معاملہ کو یکطرفہ طور پر ختم کردے اور اس کے ایک لاکھ روپے واپس کردے، خریدار کا ایک کے بجائے ڈیڑھ لاکھ کا مطالبہ کرنا قطعاً درست نہیں ہے؛ بلکہ سود میں داخل ہے، ہاں، اگر بیچنے والا خود ہی اپنی طرف سے کچھ اضافہ کردے اور خریدار کی طرف سے مطالبہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

معاملہ طے ہونے کے بعد دوسرے سے فروخت

سوال:- مکان کا بیعانہ ہوا، دس لاکھ روپے قیمت طے پائی، ادائیگی کی مدت تین ماہ قرار پائی، اگر اس درمیان ہم کسی اور کو

بھی مکان پر دو لاکھ روپے میں فروخت کردیں تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟ (محمد عارف، مشتاق نگر)

جواب:- جب مکان کی خرید و فروخت کا معاملہ طے ہوگیا، قیمت بھی طے پاگئی اور ادائیگی کی مدت بھی، تو اب بیچنے والا اس مکان کا مالک باقی نہیں رہا، وہ اس میں اپنے طور پر کوئی تصرف نہیں کرسکتا ہے، اس لئے اب بائع کا اس سے زیادہ یا اس سے کم میں کسی اور کے ہاتھ فروخت کردینا جائز نہیں ہے، یہ بد معاملگی، جھوٹ اور دھوکہ ہے۔

ویزا کی فروخت

سوال:- سعودی عرب سے کچھ فری ویزے آتے ہیں، اگر یہ ویزے ہمیں مل جائیں اور ہم اپنی طرف سے قیمت طے کر کے ویزے کے پیسے لیں تو کیا ہمارا یہ عمل درست ہوگا؟

(احمد حسن، مدینہ بلڈنگ)

جواب:- جو ویزا مفت ملا ہو اور سعودی حکومت کی طرف سے اس کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہو، اس ویزے کو بیچنا اور اس کے بدلے میں پیسے وصول کرنا جائز نہیں، یہ رشوت کے حکم میں ہے اور اس کا پیسہ حرام ہے، ہاں اگر اس کی دفتری اور قانونی کارروائی میں دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہو تو اس تگ و دو کی جو اجرت مروج ہے، اس کے بقدر پیسے لئے جاسکتے ہیں۔

قرعہ اندازی میں عمرہ کا ٹکٹ

سوال:- شہر حیدرآباد کی ایک مشہور دوکان میں کپڑے کی خریداری کرنے پر کوپن ملتا ہے، پھر قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے، اس کو عمرہ کا ٹکٹ دیا جاتا ہے، ایک صاحب کا نام قرعہ اندازی میں آگیا اور انہیں عمرہ کا ٹکٹ دیا گیا، کیا اس ٹکٹ پر ان کا عمرہ کرنا جائز ہے؟ (سید شجیع علی، یاقوت پورہ)

جواب :- جب ہر خریدار کو اس کے پیسے کے عوض کپڑے دے دیے جاتے ہیں اور دوکان اپنی طرف سے قرعہ میں نام نکلنے والوں کو عمرہ کا ٹکٹ دیتی ہے ، تو یہ صورت جواز کے دائرہ میں آتی ہے ، یعنی اس ٹکٹ پر اس شخص کے لیے عمرہ پر جانا جائز ہے ، یہ تو اصل حکم ہے ؛ کیوں کہ حکم معاملات کی ظاہری شکل کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے ؛ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے پیچھے بعض دفعہ وہی ذہن کارفرما ہوتا ہے جو لاٹری لینے والے کا ہوتا ہے ، اس لیے مسلمان تاجروں کو ایسی شکلوں سے بچنا چاہیے ۔ واللہ اعلم

ٹرانسپورٹ کا ہراج کیا ہوا مال

سوال :- ٹرانسپورٹ میں بہت سارا مال رک جاتا ہے اور DAMAGE لگ جانے کی وجہ سے دکان دار مال نہیں اٹھاتا ، کبھی کرایہ زیادہ ہو جانے کی وجہ سے اور کبھی دوسری پیچیدگی کی وجہ سے ، ایسے مال کو ٹرانسپورٹ کی طرف سے ہراج کر دیا جاتا ہے ، کیا اس ہراج کیے ہوئے مال کو خرید کرنا جائز ہوگا ؟ (عبدالحسیب ، منتوش نگر)

جواب :- اگر ٹرانسپورٹ کا یہ قانون بنا ہوا ہے کہ مال نہ چھڑانے کی صورت میں وہ اسے بیچ کر کرایہ حاصل کرے گا اور باقی رقم بوقت مطالبہ بھیجنے والے کو ادا کر دے گا ، تو اس مال کی حیثیت ٹرانسپورٹ کمپنی کی تحویل میں رہن کی شمار ہوگی اور اس کا اس سامان کو بیچنا اور ہراج کر دینا درست ہوگا ، نیز جس نے اس مال کو ہراج میں خرید کیا ہے ، اس کے لیے بھی وہ مال حلال ہوگا ؛ کیوں کہ یہ سارا عمل طے شدہ معاہدہ کے تحت ہو رہا ہے ۔

تلاوت کی کیسٹ اور سی ڈی کے حق کو قانونی طور پر محفوظ کرنا اور فروخت کرنا

سوال :- آج کل قرآن مجید کی کیسیٹ مخصوص قاریوں

کی آواز میں تیار کی جاتی ہے، پھر اس کی مزید کا پیاں تیار کر کے فروخت کیا جاتا ہے، اور اس آواز کا حق اپنے لیے محفوظ کر لیا جاتا ہے، اگر کوئی شخص لینا چاہے تو قانونی طور پر اسے فروخت کرنے کی اجازت بھی ہوتی ہے، تو کیا قرآن کو اس طرح اپنے لیے محفوظ کر لینا اور اسے فروخت کر کے اس کی قیمت حاصل کرنا جائز ہے؟

(عامر بن محمد فدا، سعودی عرب)

جوابـ:- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور پوری انسانیت کے لیے ہے؛ لیکن جب قرآن مجید کسی کاتب سے لکھوایا جاتا ہے، یا کسی خوش آواز شخص سے تلاوت کرائی جاتی ہے، تو اس میں محنت بھی خرچ ہوتی ہے، وقت بھی لگتا ہے، اور فنی مہارت بھی استعمال ہوتی ہے، اگر یہ حق محفوظ نہ ہو تو دوسرے لوگ معمولی محنت اور صرفہ سے اس کی نقل حاصل کر لیں گے اور اسے فروخت کرنے لگیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ایسے کام میں پیش قدمی کرنے سے گھبرائیں گے، اسی لیے اہل علم نے حق تالیف اور حق ایجاد وغیرہ کو خرید و فروخت کا محل تسلیم کیا ہے؛ لہٰذا کیسیٹ یا سی۔ڈی کے ذریعہ محفوظ کی گئی تلاوت کو قانونی طور پر اپنے لیے مخصوص کر لینا اور خواہش مندوں کو معاوضہ لے کر دینا جائز ہے، گو کہ بعض فقہاء مصحف قرآن کے فروخت کرنے کو منع کرتے تھے، مگر حسن بصریؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ اس کے جواز کے قائل ہیں:

"...... و رخص في بيعها الحسن و الحكم و عكرمة ، و الشافعي ، و أصحاب الرأي ، لأن البيع يقع على الجلد و الورق و بيع ذلك مباح" (۱)

اور اب اسی پر امت کا اتفاق ہے۔

اگر خریدار کو اداءِ قرض کا وکیل بنایا جائے؟

سوال:- ایک خاتون نے جنوبی افریقہ میں گورنمنٹ کے

(۱) المغنی: ۳۶۷/۶

ادارہ کونسل سے مکان کے لیے قرض حاصل کیا جسے بالاقساط ادا کرنا تھا، قرض لینے والے شخص نے مکان بنایا، لیکن ابھی پوری قسطیں ادا نہیں کر پایا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا، اس شخص کی بیوہ نے ایک اور شخص سے وہ مکان فروخت کردیا اور بات طے پائی کہ وہ پچاس ہزار رینڈ (جنوبی افریقہ کا سکہ) ادا کرے گا اور جو قسطیں قرض کی باقی رہ گئی ہیں، وہ حکومت کو ادا کردے گا، خرید و فروخت کا یہ معاملہ طے پا جانے کے بعد ایسا ہوا کہ گورنمنٹ نے بیوہ کو وہ قسطیں معاف کردیں، اور یہ رقم اس نے بیوہ ہی کے حق میں معاف کی ہیں، اور گورنمنٹ کی نظر میں بیوہ اس کی مالک ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہوگا ؟ کیا اب خریدار پر صرف پچاس ہزار رینڈ ہی واجب ہوں گے؟ (مفتی محمد اشرف، ایسپر بنگر، جنوبی افریقہ)

جو اب :- جب بیوہ خاتون نے پچاس ہزار رینڈ اور واجب الادا قسطیں قیمت مقرر کی تھی تو ان دونوں رقم کا مجموعہ خریدار کے ذمہ واجب ہوا، لہٰذا واجب الادا قسطوں کی رقم بھی اس بیوہ خاتون ہی کو ادا کرنا پڑے گی ؛ کیوں کہ یہ قیمت کا حصہ ہے، جس کی ادائیگی کے لیے اس نے خریدار کو وکیل بنایا تھا اور جس کام کے لیے وکیل بنایا تھا وہ ذمہ داری ختم ہوگئی، اس لیے اب وہ اس سلسلہ میں وکیل متصور نہیں ہوگا، اور اسے یہ قسط بھی فروخت کرنے والی بیوہ کو ادا کرنی ہوگی، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مشت رقم وہ فوراً ادا کردے، اور بقیہ رقم اس مدت کے مطابق ادا کرے، جس طرح قسطیں اسے ادا کرنی تھیں۔

رہائش کے لئے الاٹ شدہ زمین و مکان کو فروخت کرنا؟

سوال :- زید کو گورنمنٹ نے ایک زمین اور مکان رہنے کے لئے الاٹ کیا تھا، اس کو صرف رہائش کا حق دیا گیا ہے، بیچنے کی

اجازت نہیں ہے؛ اسی لئے اس زمین کی رجسٹری بھی نہیں ہوتی ہے؛
لیکن لوگ زبانی طور پر ایسی زمینیں اور مکانات بیچ دیتے ہیں، کیا
زید کے لئے اپنی اس زمین اور مکان کو فروخت کرنا درست ہوگا؟

(محمد نعمان، عادل آباد)

جواب:- جب گورنمنٹ نے یہ کہہ کر زمین دی ہے کہ زید اس پر رہ سکتا ہے اور خود اس سے استفادہ کرسکتا ہے، بیچ نہیں سکتا، تو گویا حکومت نے زید کو اس زمین کا مالک نہیں بنایا ہے، اس کو استعمال کی اجازت دی ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''اباحت'' کہتے ہیں، مباح کی ہوئی چیز سے استفادہ تو کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اسے بیچا یا کسی اور کو دیا نہیں جاسکتا ہے، جیسے آپ کسی کو کھانے پر مدعو کریں تو وہ آپ کے دسترخوان سے کھا تو سکتا ہے، کھانا لے نہیں جاسکتا، نہ اسے بدلہ یا اجازت کسی اور کو کھلا سکتا ہے۔ —— اس کے علاوہ زید نے حکومت سے اس بات کا عہد بھی کیا ہے کہ وہ اسے خود استعمال کرے گا، فروخت نہیں کرے گا، اب اگر وہ اسے فروخت کرتا ہے، تو یہ وعدہ خلافی بھی ہے؛ اس لئے زید کو اس مکان کا فروخت کردینا درست نہیں ہے۔

حج ویزے کی خرید و فروخت

سوال:- حج کمیٹی کا کوٹہ محدود ہونے کی وجہ سے اس سال بھی حج ٹراویلس والوں کا کاروبار عروج پر ہے، اس سال بھی حج ویزے بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کئے جائیں گے اور لوگ خرید کرنے پر مجبور ہوں گے، اس طرح حج کا ویزا خریدنے اور بیچنے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ عمل جائز ہے اور اگر ناجائز ہے، تو کیا دونوں کے حق میں ناجائز ہے؟

(ولی اللہ، مہدی پٹنم)

جواب:- سعودی گورنمنٹ حج ویزے کا کوئی معاوضہ نہیں لیتی ہے اور عبادت

کے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے صفت یہ خدمت فراہم کرتی ہے؛ اس لئے حج کا ویزا فروخت کرنا رشوت اور مال حرام کا حاصل کرنا ہے، حج ٹور ایجنسیوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے، رشوت تو بہر صورت گناہ کبیرہ ہے، لیکن حج جیسی عبادت سے اگر رشوت متعلق ہو جائے، تو یقیناً یہ گناہ دو چند ہو جائے گا، نیز اخراجات سفر میں انہیں جو منافع حاصل ہوتا ہے، وہ بھی کچھ کم نہیں ہے؛ اس لئے اس حرام طریقۂ کمائی سے ضرور اپنے آپ کو بچائیں، ——— جہاں تک ویزا خریدنے کی بات ہے، تو اگر کسی شخص پر حج فرض ہو، اس نے اب تک حج نہیں کیا ہو اور وہ ویزا خرید کر حج کر سکتا ہو، تب تو اس کے لئے ویزا خرید کرنا جائز بلکہ بعض حالات میں واجب بھی ہوگا؛ تاکہ وہ ایک شرعی فریضہ سے سبکدوش ہو سکے، البتہ نفل حج کے لئے ویزا خرید کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس کے لئے حج کرنا محض مستحب ہے اور رشوت دینا حرام ہے اور مستحب کو حاصل کرنے کے لئے حرام کا ارتکاب یقیناً عقل مندی نہیں ہے۔

تاجر کا غلط قیمت بتانا

سوال:- کاروبار میں بعض گاہک دوکاندار سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو یہ سامان کتنے میں پڑا ہے؟ اور دوکاندار گاہک کو زیادہ کہتا ہے، مثال کے طور پر پچاس روپیہ کی چیز کو ساٹھ روپیہ کی کہتا ہے اور یہ کہ آپ کو ۶۵/ روپیہ میں آئے گا، کیا یہ کہنا جھوٹ میں شمار ہوگا؟ (نام غیر مذکور)

جواب:- یہ بات ظاہر ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے؛ اس لئے جو سامان پچاس روپئے میں پڑا ہو، اس کی قیمت ساٹھ روپئے بتانا درست نہیں ہے، بلکہ اگر زیادہ قیمت خرید بتائی تو خریدار کو حق ہے کہ وہ زائد پیسوں کی واپسی کا مطالبہ کرے، صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ ہم آپ کو کم سے کم اتنی قیمت میں دے سکتے ہیں، ورنہ ہم کو مناسب نفع نہیں مل سکے گا، جھوٹ بول کر اپنی محنت کی کمائی کو آلودہ نہیں کریں، ورنہ رزق کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق

گھریلو ضروریات کے لئے اناج کی ذخیرہ اندوزی

سوال:- گھریلو ضروریات کے لئے اجناس کی ذخیرہ اندوزی کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ (رحمانی، کاماریڈی)

جواب:- حدیث میں یقیناً ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کی گئی ہے، جس کو عربی زبان میں ''احتکار'' کہتے ہیں؛ لیکن اس کا تعلق تجارت کے لئے ذخیرہ اندوزی کرنے سے ہے، یعنی تاجر اشیاء ضرورت کو خرید کر روک لے، اسے بازار میں نہیں لائے؛ تاکہ سامان کی مصنوعی قلت پیدا ہو جائے، قیمتیں بڑھ جائیں اور وہ اپنی چیز کو گراں قیمت میں فروخت کر سکے، یہ صورت جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو گنہگار قرار دیا ہے: "لا یحتکر إلا خاطئ"(۱) —اگر کوئی شخص اپنی گھریلو اور ذاتی ضرورت کے لئے کسی چیز کا ذخیرہ کر لے، جیسے دھان کے موسم میں سال بھر کے لئے چاول یا گیہوں کے موسم میں گیہوں خرید کر محفوظ کر لے، تو اس میں حرج نہیں؛ کیوں کہ اس کا مقصد سامان کو مصنوعی طور پر گراں کرنا اور دوسرے بھائیوں کو نقصان پہونچانا نہیں ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس خیبر اور فدک سے کھجوریں آتی تھیں، تو آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو ایک ہی دفعہ سال بھر کی ضرورت کے لحاظ سے کھجوریں عنایت فرما دیتے تھے، یہ اور بات ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی فیاضی اور جذبۂ انفاق کی وجہ سے بعض دفعہ کھجوریں جلد ختم ہو جاتی تھیں اور فاقوں کی نوبت آتی رہتی تھی۔

زندہ جانور کو تول کر بیچنا

سوال:- آج کل یہ رواج بڑھتا جا رہا ہے کہ زندہ مرغیاں اور بکرے تول کر فروخت کئے جاتے ہیں؛ حالاں کہ میں نے سنا ہے کہ تول کر ان کی خرید و فروخت درست نہیں ہے، تو اس

---

(۱) بخاری، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۷۷۹

طرح تول کر جانور کو بیچنا یا خریدنا کیا جائز ہوگا؟

(عبد الرحمن ، نونی چوکی)

جواب :- کسی چیز کو تول کر بیچا جائے ، کسی چیز کو ناپ کر اور کسی چیز کو گن کر ، اس کا تعلق اصل میں عرف اور رواج سے ہے ، اگر کوئی چیز پہلے گن کر بیچی جاتی تھی ، اور اب تول کر بیچی جانے لگی اور تول کر بیچنے میں آپس میں نزاع پیدا نہیں ہوتی تو اس صورت میں بھی خرید وفروخت درست ہو جائے گی ، خاص کر جب کہ تولی ہوئی چیز خریدار کے حوالہ کر دی گئی اور خریدار نے پیسے ادا کر دیئے تو یہ لین دین بھی اس معاملہ کے درست ہونے کے لئے کافی ہے ، فقہاء نے جو تول کر جانور کو بیچنے سے منع کیا ہے ، وہ اس لئے کہ اس زمانہ میں جانوروں کو تول کر فروخت کرنے کا رواج نہیں تھا :

" أما الوزن بالقبان فلأن الشاة لا توزن بالقبان عرفا ولا عادة " (۱)

اس کے علاوہ اس وقت ہندوستان میں بھی جانور کو تولنے کا جو رواج ہے وہ یہ نہیں ہے کہ تول کے لحاظ سے جانور بیچے جاتے ہیں ؛ بلکہ جانور کو تول کر گوشت کا اندازہ لگاتے ہوئے قیمت لگائی جاتی ہے ، اور پھر اس تولے ہوئے جانور کو عدد کے حساب سے بیچا جاتا ہے کہ یہ جانور ہے ، اس کی اتنی قیمت ہوئی اور دوسرا فریق اسے قبول کر لیتا ہے ، عام طور پر اس لین دین میں کوئی نزاع پیدا نہیں ہوتی ہے اور فریقین کو قیمت کے بارے میں اطمینان رہتا ہے ؛ اس لئے اس طرح بیچنے کی گنجائش ہے ۔ واللہ اعلم

موبائل کے آفر کو فروخت کرنا

سوال :- سعودی عرب میں آج کل موبائل کے بہت سے آفر آ رہے ہیں ، جیسے دو سو ریال دیجئے ، اور آپ کو تین سو ریال

---

(۱) بدائع الصنائع ۴/۲۱۳

کا ٹاک ٹائم ملے گا، دوسری سہولت موبائل میں یہ رکھی گئی ہے کہ
ایک موبائل سے دوسرے موبائل میں ریال ٹرانسفر کئے جاتے ہیں تو
اب لوگ ایسا کرتے ہیں کہ یہ زائد سو ریال دوسروں کو ٹرانسفر کر کے
ان سے ریال حاصل کر لیتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پچاس
ریال ٹرانسفر کیا، جو اس کا ادا کیا ہوا پیسہ تھا اور اس کے بدلہ پچپن
ریال وصول کیا، آج کل سعودی عرب میں یہ صورت بہت مروج
ہوگئی ہے، کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

(مفتی عبدالمجید مظاہری، مدینہ منورہ)

جواب:- اصل میں موبائل کے آفر کے تحت دو سو کے بدلے تین سو ریال نہیں دئے جاتے؛ بلکہ عام شرح کے اعتبار سے دو سو ریال میں تین سو ریال کے عوض آنے والے وقت کے بقدر گفتگو کا حق دیا جاتا ہے؛ گویا یہ حق گفتگو کو فروخت کرتا ہے؛ لہذا جس شخص کو یہ آفر حاصل ہوا ہو اس کے لئے اس آفر کو قبول کرنا بھی جائز ہے اور اس کے کچھ حصہ کو اتنے ہی پیسوں میں یا اس سے زیادہ پیسوں میں فروخت کرنا بھی جائز ہے؛ کیوں کہ یہ پیسوں کا پیسوں سے تبادلہ نہیں ہے کہ سود پیدا ہو جائے؛ بلکہ ایک مالی حق کا پیسوں سے تبادلہ ہے، جو الگ الگ چیزیں ہیں؛ اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

شیونگ کا سامان فروخت کرنا

سوال:- ہمیں اپنی دوکان میں شیونگ کا سامان بھی رکھنا
پڑتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ اس کو داڑھی
مونڈنے کا ذریعہ بناتے ہیں، ایسی صورت میں کیا ہمارے لئے
شیونگ کے سامان بیچنا درست ہوگا؟ (شفیق سکندرآباد)

جواب:- شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ جو کام گناہ کے ہوں، ان کا ارتکاب بھی گناہ ہے اور ان کے ارتکاب میں تعاون کرنا بھی گناہ ہے، اسی لئے جس چیز کا استعمال گناہ ہی کے لئے ہو اس کی تجارت بھی جائز نہیں، کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا استعمال حلال اور ثواب ہی کے لئے ہوتا ہے، جیسے جائے نماز، قرآن وغیرہ، ان کی خرید وفروخت جائز، بلکہ اگر حسن نیت کے ساتھ کیا جائے تو ان شاء اللہ باعث اجر ہے، کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا استعمال حلال کے لئے بھی ہوتا ہے اور حرام کے لئے بھی، ان کی خرید وفروخت جائز ہے، شیونگ کی اشیاء بھی اسی قبیل میں ہیں، اس سے ایسے بال بھی صاف کیے جا سکتے ہیں جن کو صاف کرنا جائز یا مستحب ہے، اور داڑھی بھی مونڈی جا سکتی ہے، جو حرام ہے، اس لئے شیونگ کے سامان فروخت کرنا جائز اور درست ہے۔

شراب کی بوتلیں فروخت کرنا

سوال:- ایک مسجد کے مؤذن صاحب اذان دیتے ہیں اور امام صاحب کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھاتے ہیں، ان کی ماہانہ تنخواہ پندرہ سو روپے ہے اور چار سو روپے چندہ وصول کرنے پر مل جاتے ہیں، چونکہ یہ رقم کافی نہیں ہوتی؛ اس لئے خالی اوقات میں پرانا لوہا اور خالی بوتلیں خریدتے ہیں، جن میں شراب کی خالی بوتلیں بھی ہوتی ہیں، پھر اسے فروخت کرتے ہیں، کیا یہ کام جائز ہے؟

(محمد عبد العلیم، عادل آباد)

جواب:- اولاً تو مسلمانوں اور مساجد کے ذمہ داروں کے لئے یہ بات قابل توجہ ہے کہ دینی خدمت گزاروں کی تنخواہیں اتنی کم کیوں رکھی جاتی ہیں، جس کا ذکر کرتے ہوئے بھی حیاء محسوس ہوتی ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ دینی اور دینی کاموں کی عظمت اور قدر ومنزلت ہمارے دلوں میں نہیں ہے، اس رجحان کو بدلنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ ائمہ

اور موذن میں کوئی اور کام کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ڈولا اور عام بوتلیں خرید کر بیچنے میں کوئی حرج نہیں، قابل غور مسئلہ شراب کی بوتلوں کا ہے، شراب کی خالی بوتلوں کو خریدنا اور شراب بیچنے والوں کے علاوہ دوسروں کے ہاتھوں ان بوتلوں کو فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن خود شراب بیچنے والی دوکان کو فروخت کرنا فی الجملہ گناہ میں تعاون ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں؛ البتہ چوں کہ خود اس بوتل سے معصیت کا ارتکاب نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اس کے اندر موجود شراب سے معصیت انجام دی جاتی ہے؛ اس لئے یہ کراہت تنزیہی ہے۔

"فیکرہ فی الکل تنزیها وهو الذي إليه تطمئن النفس؛ لأنه تسبب في الإعانة" (۱)

مؤذن صاحب کے منصب اور مقام کا تقاضہ ہے کہ وہ شراب کی دکان کو یہ بوتلیں فروخت کرتے ہوں تو اس سے اجتناب کریں۔

سونے کی تجارت - اصول واحکام

سوال:- آج کل سونے کی تجارت میں مسلمان بہت کم ہیں، ہم لوگ اس وقت اسی کاروبار کو کر رہے ہیں؛ اس لیے سونے کی تجارت سے متعلق جو صورت پیش آتی ہے، اسے ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

☆ ۲۴/ قیراط کا سونا خرید کر ۲۲/ قیراط کا بنایا جاتا ہے؛ کیونکہ آمیزش کے بغیر خالص سونے کی ڈھلائی نہیں ہو سکتی۔

☆ سونے کے ساتھ قیمتی پتھر بھی جڑے جاتے ہیں اور دونوں کو ملا کر فروخت کرتے ہیں، البتہ سونا، پتھر اور محنت کا حساب الگ الگ رکھا جاتا ہے، پتھر کی قیمت کبھی سونے کی شکل میں

(۱) الدر المختار مع الرد: ۹/ ۴۲۳

دی جاتی ہے ، کبھی پیسوں کی شکل میں اور زیادہ تر اسی پر نفع کا دارومدار ہوتا ہے ، نیز زیور کی ڈھلائی میں جو سونا ضائع ہوتا ہے اس کا بھی حساب ہوتا ہے۔

☆ جب سونا، سونار سے فروخت کیا جاتا ہے تو جڑاوے، مزدوری اور ویسٹیج کے علاوہ سونا اس طرح دیتے ہیں کہ ہم لوگ مثلاً ۲۲/ قیراط کا سونا ۵۰۰/ گرام دیتے ہیں تو وہ اس کے عوض میں ۲۴/ قیراط سونا ۴۹۰/ گرام دیتے ہیں ؛ کیونکہ خالص سونا ہونے کے لحاظ سے یہ ہمارے دیئے ہوئے ۵۰۰/ گرام کے برابر ہی ہوتا ہے۔

☆ عام طور پر ہمیں مزدوری جڑاوے اور ویسٹیج کی ڈھلائی کے پیسے نقد مل جاتے ہیں ، لیکن سونا کبھی نقد دے دیا جاتا ہے ، کبھی پرچی دے دی جاتی ہے کہ ہم فلاں جگہ سے سونا لے لیں ، اس جگہ سے بعض اوقات سونا مل جاتا ہے اور بعض اوقات دوسرے تیسرے دن۔

☆ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر انہیں ہمارے سونا کے تبادلہ میں پانچ سو گرام سونا ادا کرنا ہے تو وہ نصف سونا اور نصف سونے کی قیمت روپیوں میں ادا کرتے ہیں۔

☆ بعض اوقات سونے کا خاص زیور کا آرڈر دیا جاتا ہے ، آرڈر کے دن سونے کا ریٹ الگ ہوتا ہے اور ادائیگی کے دن الگ اور باہم یہ بات طے ہوتی ہے کہ ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا ، اس کی وجہ سے کوئی نزاع پیدا نہیں ہوتی ، کیا تعین قیمت کی یہ صورت درست ہے؟

☆ بعض دفعہ نقد ادائیگی کے لیے سونا ان کے پاس موجود نہیں ہوتا، وہ جلد میں لانے کو کہتے ہیں، مگر ہم خود اسی وقت حوالہ کردیتے ہیں؛ کیونکہ سونا واپس لانے میں رسک ہوتا ہے۔

☆ سونا کی نقد ادائیگی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں سونا ٹسٹ کرنا ہوتا ہے کہ کیا یہ واقعی ۲۲ قیراط ہے؟ اس کے لیے ایک دو دنوں کا وقت مطلوب ہوتا ہے۔ (جان محمد، کلکتہ)

جواب:- سونا اگر سونے کے بدلہ فروخت کیا جائے تو اسے فقہ کی اصطلاح میں "بیع صرف" کہتے ہیں، اس میں دو باتیں بنیادی طور پر ضروری ہیں، اول یہ کہ دونوں طرف سے نقد ہو، ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار نہ ہو اور دوسرے یہ کہ دونوں طرف سے مقدار میں برابری ہو، ایک طرف سے زیادہ مقدار اور دوسری طرف سے کم مقدار نہ ہو، یہاں تک کہ اگر ایک زیادہ عمدہ اور دوسرا کم عمدہ ہو تب بھی تبادلہ میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ خرید و فروخت میں ایک رعایت یہ ہے کہ خریدار یا فروخت کرنے والا کسی معاملہ میں بیع مکمل کرنے کے بعد اپنے لیے تین دنوں غور و فکر کی مہلت لے سکتا ہے، ایسی صورت میں اسے اختیار ہوتا ہے کہ ان تین دنوں میں اگر وہ مطمئن ہو جائے تو معاملہ کو باقی رکھے اور اگر مطمئن نہ ہو تو معاملہ کو ختم کردے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "خیار شرط" کہتے ہیں، بیع صرف یعنی سونے سے سونے کے تبادلہ میں خیار شرط کی گنجائش بھی نہیں ہے؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری خیار شرط کی شرائط پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

"والرابع في شرائطه فأربعة: الأول قبض البدلين قبل الافتراق بالأبدان، الثاني أن يكون باتا لا خيار فيه، فإن شرط فيه خيار وأبطله صاحبه قبل التفرق وبعد لا" (١)

---

(١) البحر الرائق: ۶/۳۲۱، کتاب الصرف

البتہ اگر سونے کی فروخت کسی اور شئی سے ہو جیسے پتھر وغیرہ تو اس میں نہ نقد ہونے کی شرط ہے اور نہ برابری، اسی طرح مزدوری فوری بھی ادا کی جا سکتی ہے اور تاخیر سے بھی، اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے جو صورت دریافت کی ہے اس کا حکم اس طرح ہے:

(۱) ۲۴/ قیراط کا سونا خرید کر ۲۲/ قیراط کے حساب سے بنانا درست ہے، خواہ سونا پیسوں سے خرید کیا جائے یا سونے ہی کے ذریعہ نقد تبادلہ ہو، گو دونوں میں خالص کی مقدار میں فرق پایا جاتا ہو۔

" فان باع فضة بفضة أو ذهبا بذهب لا يجوز الا مثلا بمثل وإن اختلف في الجودة والصياغة " (۱)

(۲) سونے کے ساتھ پتھر جڑا گیا ہو تو سونے اور پتھر کے اس مجموعہ کو سونا کے بدلے فروخت کرنا درست ہے اور ایسی صورت میں دونوں طرف سے نقد ہونا ضروری ہے؛ لیکن سونے کی مقدار میں برابری ضروری نہیں؛ کیونکہ سونے کے بدلہ اتنی ہی مقدار سونا سمجھا جائے گا اور باقی سونا پتھر کے مقابلہ میں ہوگا۔

" وكذالك لو باع سيفا محلى بمأة درهم وحلية ودفع من الثمن خمسين جاز البيع فكان المقبوض حصة الفضة " (۲)

(۳) یہ بات کہ ۲۲/ قیراط کا ۵۰۰ گرام سونا دیا جائے اور ۲۴ قیراط کا ۴۸۰ گرام سونا لیا جائے، اپنی اصل کے اعتبار سے درست نہیں؛ کیونکہ جب غالب مقدار سونے کی ہو اور اس میں کچھ آمیزش دوسری شئی کی ہو تو یہ پورا سونا ہی کے حکم میں ہوگا، اس طرح گویا ۵۰۰ گرام سونے کا تبادلہ ۴۸۰ گرام سے ہوا، اور یہ جائز نہیں۔

" غالب الفضة والذهب فضة وذهب يعني فلايصح بيع الخالصة بها ولا بيع بعضها ببعض إلا

(۱) الهداية ۳: ۱۰۳ (۲) الهداية ۳: ۱۰۶

"متساويا وزنا فيجعل الغش معدوما فلا اعتبار له" (۱)

البتہ جو آپ کا طریقہ کار ہے اس میں ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ۴۸۰ گرام سونے کے مقابلہ ۴۸۰ گرام سونے ہی کی بات کریں اور پتھر کی قیمت اور مزدوری میں بطور قیمت و اجرت اس ۲۰ گرام سونے کو بھی شامل کرلیں، اگر اس طرح معاملہ کرلیں تو یہ صورت درست ہو جائے گی۔

۲) پتھر کی قیمت نقد ہو یا ادھار، دونوں ہی طرح ممکن ہے؛ لیکن سونا کا سونے سے تبادلہ اور اس میں ایک طرف سے ادھار جائز نہیں ہوگا، اس کے جائز ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) سونا کا تبادلہ سونا سے نقد ہو جائے، آپ اسی مجلس میں ادا کر دیں۔

(ب) سونا کی قیمت روپے میں طے کریں، ایسی صورت میں ادھار خرید و فروخت ہو سکتی ہے، گو سونا بھی ثمن ہے اور روپیہ بھی، لیکن چونکہ سونا خلقی طور پر ثمن کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور روپیہ لوگوں کے عرف کی وجہ سے ثمن کے درجہ میں آگیا ہے، اس لیے جب روپیہ سونا کے مقابلہ میں ہوگا تو یہ سامان کے درجہ میں ہو جائے گا، اب جب قیمت روپیوں میں طے پائے تو آپ کے لیے گنجائش ہے کہ جب قیمت وصول کریں تو اسی روز اس سے سونا خرید کریں اور آپ دوکاندار سے اس کا وعدہ بھی کر سکتے ہیں کہ آپ روپیوں میں قیمت متعین کر رہے ہیں، میرا ارادہ روپیوں کے لینے کے بعد پھر آپ سے سونا خریدنے کا ہے۔

(ج) جو پیسے آپ کے نقد دے رہے ہیں، آپ سونا کی قیمت کی حیثیت سے طے کریں اور جو سونا ادھار ملنے والا ہے، اسے آپ قیمتی پتھروں کا عوض قرار دیں؛ کیونکہ جب خریدی اور بیچی جانے والی چیزوں کی جنس الگ الگ ہو جائے تو نقد و ادھار کے ساتھ خرید و فروخت ہو سکتی ہے اور تبادلہ میں مقدار کی کوئی تحدید نہیں ہے۔

(د) بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ زیور کا آرڈر دینے کے دن ہی زیور کی قیمت متعین کر دی جائے، لیکن اگر قیمت متعین نہیں کی گئی اور یہ بات طے پائی کہ زیور کی تکمیل کے دن کے نرخ

(۱) البحر الرائق ۳۳۲/۶

کا اعتبار ہوگا، نیز اس کاروبار میں اس طرح قیمت کا مقرر کرنا مروج ہو اور یہ فریقین کے درمیان نزاع واختلاف کا باعث نہ بنتا ہو تو اس طرح قیمت کا تعین بھی درست ہوگا؛ کیونکہ ایسا ابہام خرید وفروخت کے درست ہونے میں مانع ہے جو نزاع کا باعث بنتا ہو:

"وأن يكون المبيع معلوما والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة فبيع المجهول جهالة تفضي إليها غير صحيح" (۱)

(۵) جب وہ بعد میں سونا لاتے ہوں اور آپ کو سونا واپس لے جانے میں خطرہ محسوس ہوتا ہو اور سونا کا تبادلہ سونے سے ہو رہا ہو، نہ کہ روپیوں سے، تو ایسا ممکن ہے کہ آپ اپنا سونا ان کے پاس بطور امانت کے رکھ دیں؛ البتہ ان سے یہ بات ہو جائے کہ جس روز وہ آپ کو سونا واپس کریں گے، اس روز کے بعد وہ اس میں تصرف کریں گے؛ کیونکہ جس دن آپ سونا لیں گے، دراصل اس دن خرید وفروخت ہوگی۔

(۶) اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب یا نقص پایا جائے تو خریدار کو اسے واپس کرنے کا حق حاصل ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "خیار عیب" کہتے ہیں، پس ایسا ہو سکتا ہے کہ خریدار کو اطمینان دلایا جائے کہ اگر اس میں زیادہ آمیزش پائی گئی تو آپ اسے واپس لے لیں گے، یا اس وقت تک کے لیے اس کے پاس بطور امانت کے رکھا جائے کہ آپ اس مدت میں اسے اچھی طرح دیکھ لیں، پھر جس دن وہ پائے، اس دن خرید وفروخت کر لی جائے، اس طرح دونوں طرف سے سونا کا تبادلہ نقد ہوگا۔

سونے کی تجارت کی ایک خاص صورت

سوال:- میں سونے کی تجارت کرتا ہوں، میں نے ایک اسکیم یہ رکھی ہے کہ لوگ تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے ہم سے سونا

---

(۱) هندیه: ۳/۳

خرید کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کو جو رقم میسر ہو میرے پاس جمع کریں، اور جب وہ سونا خرید کرنا چاہیں تو ہمیں بتادیں کہ ہم ان کے لئے سونا خرید کر دیں، عام طور پر لوگ اس وقت سونا خرید کرتے ہیں، جب قیمت کم ہوتی ہے، چنانچہ ہم اپنے حساب میں لکھ دیتے ہیں کہ کتنا سونا ان سے بک گیا، پھر جب ان کو سونا فروخت کرنا ہوتا ہے تو وہ مجھ کو مطلع کر دیتے ہیں کہ اب سونا بیچ دیجئے، اس تاریخ کو ہم ان کا سونا بیچ دیتے ہیں اور اس کی قیمت ان کے حساب میں لکھ دیتے ہیں، اب ہمارا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں کاروبار کے لئے رقم مل جاتی ہے اور ان کا فائدہ یہ کہ جب سونے کی قیمت بڑھتی ہے تو ان کو نفع حاصل ہو جاتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(فضل اللہ بیگ، ہمایوں نگر)

جواب:- جب آپ کو کسی شخص نے پیسے دیئے اور بوقت ضرورت اس کو استعمال کرنے کا حق بھی دیا تو یہ امانت نہیں ہے قرض ہے، یعنی آپ ان کے مقروض ہیں اور قرض کا لین دین جائز ہے، پھر جب انھوں نے آپ کو سونا خریدنے کا آرڈر دیا تو گویا یہ ان کی طرف سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ ہے اور انھوں نے آپ کو اس رقم کے عوض سونا خریدنے کا وکیل بنایا ہے، قرض دینے والے کو قرض کے مطالبہ کا بھی حق ہے اور یہ بھی درست ہے کہ وہ مقروض کو اس رقم کے عوض کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنادے اور وہ بحیثیت وکیل اس کو خرید کر لے، لیکن آپ کا صرف حساب میں لکھ لینا کافی نہیں، یہ ضروری ہے کہ اتنی مقدار سونا الگ سے ان کے لئے محفوظ کر لیں؛ تاکہ بہ حیثیت وکیل آپ ان کی طرف سے سونا پر قبضہ کر لیں، جب آپ نے یہ سونا الگ کر دیا اور کسی وقت اس کے مالک نے کہا کہ آپ اسے بیچ دیں اور پیسے نہیں دے دیں تو یہ بھی جائز ہے؛ کیوں کہ انھوں نے آپ کو بیچنے کا وکیل بنایا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں، بہر حال کاروبار کی اس صورت میں اس بات کی رعایت

ضروری ہے کہ خریدار کے سونے کا حصہ الگ کر کے محفوظ کر دیا جائے، اس کے بغیر یہ صورت جائز نہیں ہوگی۔

تین سال میں رقم دوگنی

سوال :- ایک تجارتی تعمیری کمپنی اپنے یہاں اس طور پر کام کرتی ہے کہ وہ لوگوں سے نقد لے کر تین سال میں دوگنا کر کے دیتی ہے؛ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(عبد المجید کاریگر، زکی اڈا، گلبرگہ)

جواب :- جائز اور ناجائز نفع کے سلسلہ میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر نفع کی مقدار متعین کر دی جائے اور نقصان کا خطرہ قبول نہ کیا جائے تو ایسا نفع جائز نہیں؛ بلکہ یہ سود میں داخل ہے، اسی کی ایک صورت وہ ہے جو آپ نے تحریر کی ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ کر سرمایہ حاصل کرتا ہے کہ وہ تین سال کے بعد اس کی دوگنی رقم آپ کو بطور نفع کے ادا کرے گا، —— جائز صورت یہ ہے کہ نفع کی قطعی مقدار کے بجائے اس کا تناسب متعین کیا جائے، مثلاً کہا جائے کہ تمہارے سرمایہ پر جو کچھ نفع آئے گا، اس کا پچاس فی صد میں تمہیں دوں گا، اور اتنے نفع کی امید ہے کہ ان شاء اللہ تین سال میں یہ رقم دوگنی ہو جائے گی، تو اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے، اب اس کی ذمہ داری ہوگی کہ تین سال بعد نفع کا حساب کرے اور پچاس فی صد نفع کے لحاظ سے جو رقم آئے وہ اسے ادا کرے، خواہ یہ رقم دوگنی ہو یا اس سے زیادہ یا کم۔

گٹکھا، سگریٹ اور اگربتی کا کاروبار

سوال :- تمباکو، گٹکھا، سگریٹ اور اگربتی وغیرہ کا کاروبار کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کی خرید و فروخت کی جا سکتی ہے یا ان کا کارخانہ لگایا جا سکتا ہے؟

(محمد سلیم احمد)

جواب :- شریعت میں نباتات یعنی پودے اصل میں حلال ہیں؛ البتہ تین طرح

کے پودوں کا استعمال جائز نہیں۔ ایک: ایسے پودے جو نشہ آور ہوں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے: "کل مسکر حرام" (۱) — دوسرے: وہ نباتی اشیاء جو انسان کے لئے مہلک اور جان لیوا ہوں؛ کیوں کہ بعض پودے زہریلے بھی ہوتے ہیں اور زہریلی شئی کا استعمال کرنا اپنے لئے یا دوسروں کے لئے حرام ہے؛ کیوں کہ خود استعمال کرنا خودکشی ہے اور دوسروں کو کھلانا قتل، تیسرے: وہ پودے جو نشہ آور اور فوری طور پر جان لیوا تو نہ ہوں؛ لیکن صحت کو سخت نقصان پہنچانے والے ہوں، ان کا استعمال بالکل حرام تو نہیں؛ لیکن مکروہ ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جسم کو نقصان پہونچانے والی چیز کے استعمال سے بھی منع فرمایا ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن كل مسكر و مفتر" (۲) صحت کو نقصان پہنچانے والی جو چیزیں ہیں، ان میں یقینی طور پر تمباکو اور اس سے بنی ہوئی چیزیں بھی شامل ہیں، خاص کر گٹکھا، اور سگریٹ تو دوسری اشیاء کے ساتھ مل کر نہایت نقصان دہ بن جاتے ہیں اور ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کینسر کی بیماری میں اس کا بڑا اہم رول ہوتا ہے —— قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا خود کھانا حرام یا مکروہ ہو، اس کے فروخت کرنے کا بھی وہی حکم ہوتا ہے؛ اسی لئے سگریٹ یا گٹکھے کا کارخانہ قائم کرنا یا اس کی دکان چلانا مکروہ ہے۔

کیمرہ والے موبائل کی خرید و فروخت

سوال:- جس چیز کا اصل مقصد تصویر لینا نہ ہو، مثلاً موبائل؛ البتہ اس سے تصویر لی جاتی ہو، تو اس کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ (سید محفوظ علی)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم يسروا ولا تعسروا، حديث نمبر: ۶۱۲۴، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام، حديث نمبر: ۵۳۳۵

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب النهي عن المسكر، حديث نمبر: ۳۶۸۸، مسند أحمد بن حنبل، حديث نمبر: ۲۶۶۷۶

جواب :- موبائل اس وقت ایک ہمہ مقصدی فون بن گیا ہے؛ لیکن اس کا بنیادی مقصد گفتگو کرنا ہے، اس کے ذریعہ پیغامات کی ترسیل کی جاتی ہے، یہ گھڑی کا کام بھی انجام دیتا ہے، الارم کی سہولت بھی اس سے متعلق ہے، ضمنی سہولتوں میں ایک تصویر کا لینا بھی ہے؛ لیکن تصویریں کتابوں کی بھی لی جاتی ہیں؛ اسی لئے اگر کوئی شخص موبائل میں قرآن کی تلاوت کرنا چاہتا ہو تو اس کو ایسے موبائل کی ضرورت پڑتی ہے، جس میں تصویر کی صلاحیت موجود ہو، اسی طرح بے جان اشیاء کی تصویریں بھی لی جاتی ہیں، غرض کہ تصویر کی صلاحیت ایک تو ضمنی ہے، دوسرے خود اس صلاحیت کا جاندار کی تصویر کشی کے لئے استعمال کرنا ضروری نہیں؛ اس لئے کیمرہ کی صلاحیت سے لیس موبائل کی خرید و فروخت جائز ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص جاندار کی تصویر کشی کی نیت ہی سے اسے خرید کرے یا اس وقت تو نیت نہ ہو؛ لیکن بعد میں اس کے لئے استعمال کرے تو وہ اپنی نیت اور عمل کے سلسلہ میں گنہگار ہوگا، بہر حال موبائل کی تصویری صلاحیت ایک دو دھاری تلوار ہے، جس کا استعمال دینی کتابوں تک آسانی سے رسائی کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور بدترین مقاصد کے لئے بھی؛ اس لئے ضروری ہے کہ معاشرہ میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ لوگ اپنے آپ کو اس کے غلط استعمال سے بچا سکیں۔

ادھار خریدی ہوئی زمین کو نفع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال :- اگر میں آدھی رقم دے کر کسی زمین کا سودا کروں اور باقی ایک سال بعد ادا کرنے کا وعدہ کرلوں، تو کیا ایسی زمین کو چھ مہینہ بعد میں بیچ سکتا ہوں؟ (سید محفوظ علی)

جواب :- یہ صورت جائز ہے، جب آپ نے خرید و فروخت کی بات طے کرلی؛ بلکہ نصف قیمت بھی ادا کردی تو اب آپ اس کے مالک ہوگئے، اگر آپ بقیہ قیمت ادا کرنے سے پہلے ہی اسے فروخت کردیں اور نفع کے ساتھ فروخت کریں تو اس کی اجازت ہے؛ کیوں کہ آپ پیسوں سے پیسوں کی خرید و فروخت نہیں کررہے ہیں، جس میں کمی بیشی سے سود

پیدا ہو جاتا ہے؛ بلکہ یہ زمین کو فروخت کرنا اور اس کا روپیہ سے تبادلہ کرنا ہے، جس میں سود کا کوئی اندیشہ نہیں۔

اگر فلیٹ وعدہ کے مطابق نہ ہو؟

سوال:- اگر مکان (Flat) کے فروخت کرنے کے وقت جو وعدہ کیا گیا تھا، وہ پورا نہیں کیا گیا تو خریدار کو کیا کرنا چاہئے؟

(محمد عبدالصبور)

جواب:- اگر مکان کے بارے میں تمام تفصیلات طے پا گئی تھیں، مگر مکان بنانے اور بیچنے والے نے اس کی پوری رعایت نہیں کی تو خریدار کے لئے دو باتوں کی گنجائش ہے، ایک یہ کہ وہ خریداری کا معاملہ ختم کر دے، اسے خرید نہ کرے اور جو رقم پہلے سے ادا کر چکا ہے، اسے واپس لے لے، دوسری صورت 'رجوع بالنقصان' کی ہے، یعنی طے شدہ معاملہ کے اعتبار سے جو کمی پائی جائے، وہ ایک طرح کا عیب ہے؛ لہٰذا عیب زدہ ہونے کی وجہ سے جو نقص پیدا ہوا ہے، بیچنے والا شخص اس کا عوض ادا کر دے، اس نقصان کا اندازہ ماہرین کے مشورہ پر کیا جا سکتا ہے اور اگر آپس میں معاملہ طے نہ ہو پائے تو ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں مل کر کسی کو حکم بنائیں اور اس کے فیصلہ پر عمل کریں۔

برتھ کنٹرول کے آلات فروخت کرنا

سوال:- زید ایک ملٹی نیشنل فارما کمپنی میں بہ طور سیلس آفیسر ملازمت کر رہا ہے، یہ کمپنی برتھ کنٹرول کے پروڈکس بناتی ہے، اور ہم مسلم و غیر مسلم ڈاکٹرس تک تجارتی نقطۂ نظر سے اسے پہنچانے اور متعارف کرانے کے ذمہ دار ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے لئے اس طرح کی ملازمت کرنا جائز ہوگا، واضح ہو کہ ہمارے والدین اور تین بھائی ہیں، دو چھوٹے ہیں اور ایک بڑے

ہیں، جو فی الحال بے روزگار ہیں، یہ کمپنی بہت ہی اچھی ہے اور تنخواہ بھی اچھی ہے، تو اگر یہ ملازمت ناجائز ہو تو ہمیں فوری ملازمت چھوڑ دینی چاہئے یا یہاں ملازم رہتے ہوئے کسی اور کمپنی میں ملازمت تلاش کرنی چاہئے؟ (محمد رضوان، چندرائن گٹہ)

جوابؒ:- اس خیال سے برتھ کنٹرول کی تدابیر اختیار کرنا کہ پیدا ہونے والے بچوں کے کھانے اور ضروریات کا کیا نظم ہوگا؟ جائز نہیں؛ لیکن اگر عورت کی صحت پرورش کرنے کی صلاحیت، پیدا ہونے والے بچے کی صحت اور پہلے سے موجود بچہ کے دودھ وغیرہ جیسے طبی مصالح کے تحت بچوں میں مناسب فصل رکھنے کے لئے دیندار مسلمان ڈاکٹر کے مشورہ سے برتھ کنٹرول کے وسائل اختیار کئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، پس چوں کہ ان آلات کے استعمال کی بعض جائز صورتیں بھی ہیں اور جائز مقاصد کے لئے بھی ان وسائل کا استعمال کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے آپ کی یہ ملازمت بالکل ناجائز اور حرام تو نہیں؛ لیکن چوں کہ آج کل زیادہ تر معاشی تنگی کے خوف سے اس طرح کے وسائل استعمال کئے جاتے ہیں؛ اس لئے ان کی خرید وفروخت کراہت سے خالی نہیں ہے، مناسب ہوگا کہ آپ کوئی دوسری ملازمت تلاش کریں اور جب تک کوئی دوسری ملازمت نہ مل جائے اس ملازمت کو جاری رکھیں اور نیت یہ ہو کہ ہم جائز مواقع میں استعمال کے لئے ان آلات کو فروخت کررہے ہیں؛ بلکہ اگر ڈاکٹرس سے یہ کہہ دیا جائے کہ یہ برتھ کنٹرول کے لئے مؤثر اور بہتر ذریعہ ہے؛ لیکن میں ذاتی طور پر آپ سے خواہش کرتا ہوں کہ آپ اس کے استعمال کا مشورہ انہیں مریضوں کو دیں، جن کو صحت کے نقطۂ نظر سے اس کے استعمال کی ضرورت ہو، تو بہت بہتر ہے اور امید ہے کہ عنداللہ آپ اپنی ذمہ داری سے بری ہوجائیں گے۔

ہائر پرچیز کا شرعی حکم

سوالؒ:- آج کل ہائر پرچیزنگ کا طریقہ بہت رواج پاگیا ہے اور بعض مالیاتی کمپنیاں یا خود بینک گاہک کو مطلوبہ شئے

والے ہیں، جنہیں گاڑی کی ضرورت ہے، تو فینانس کمپنی انہیں
گاڑی دلاتی ہے اور اس کا بل بھی ہمارے ہی نام سے بنائی ہے،
لیکن ہم سے کمپنی کی قیمت کے مقابلہ زیادہ رقم وصول کی جاتی ہے۔
مثلاً ایک لاکھ کی گاڑی ہے، تو مجھے ایک لاکھ بیس ہزار روپے میں
فراہم کی جاتی ہے، ہر ماہ دس ہزار روپے کی قسط ادا کرنی پڑتی ہے،
کیا یہ صورت جائز ہے؟ اور یہ کاروبار سود پر مبنی نہیں ہے؟

(عبید الرحمن، نگڑی کالج)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ ایک سامان کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کیا جائے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''مرابحہ'' کہتے ہیں، اور یہ بات بھی جائز ہے کہ نقد قیمت کے مقابلہ ادھار قیمت زیادہ ہو، فقہ کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ قیمت متعین ہو، اگر اس طرح معاملہ کیا جائے کہ مثلاً جتنے مہینے بڑھتے جائیں گے، اتنے مہینے دس فیصد کے لحاظ سے زیادہ وصول کروں گا تو یہ درست نہیں، یہ سود میں داخل ہے، اسی سے اس طرح کے کاروبار کا شرعی حکم معلوم ہوگیا، اگر کمپنی اور خریدار کے درمیان ایک قیمت طے پا جائے، تب تو یہ صورت درست ہے، اور اگر ایک قیمت مقرر نہ ہو بلکہ قیمت اس طرح مقرر کی جائے کہ جتنے مہینے تاخیر ہوتی جائے، اتنے فیصد کے لحاظ سے قیمت بڑھتی جائے گی، تو یہ جائز نہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ فینانس کمپنیوں والوں کو اس کی جائز صورت بتائیں اور انہیں سمجھائیں کہ وہ شرح سود مقرر کرنے کی بجائے ایک ہی قیمت مقرر کرے اور شخصی یا مالی ضمانت حاصل کرلے، کہ اگر وقت پر پیسے ادا نہیں کئے گئے تو ذمہ داری قبول کرنے والا شخص اسے ادا کرے، یا وہ مال فروخت کرکے اس سے اپنی قیمت حاصل کرلے۔

ہائر پرچیز میں زائد رقم کا سود سے ادا کرنا

سوال:- ہائر پرچیز کی جو صورت اوپر لکھی گئی ہے، اگر وہ

جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ کمپنی ریٹ سے زیادہ قیمت فینانس کمپنی وصول کر رہی ہے، کیا وہ زائد رقم سودی رقم سے ادا کی جا سکتی ہے؟

(عبید الرحمٰن، لکڑی کا پل)

جواب: - جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اگر کمپنی نے ایک ہی قیمت مقرر کر دی ہو تو یہ سودی معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک جائز صورت ہے، ظاہر ہے کہ اس میں سودی رقم دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، اور اگر زیادہ مدت پر مدت کے لحاظ سے شرح سود مقرر کی جائے تو بہت ہی شدید اور ناگزیر صورت کے بغیر اس طریقہ پر خرید کرنا ہی ناجائز ہے، اگر سودی رقم کو اس میں استعمال کیا جائے تو ایک ناجائز کام میں مزید تعاون ہوگا، پھر یہ ہے کہ سود کا مصرف یہ ہے کہ یا تو اصل مالک کو واپس کیا جائے یا غربا پر خرچ کیا جائے، اگر یہ رقم کسی کمپنی کا سود ادا کرنے میں خرچ کیا جائے تو ان دونوں میں سے کوئی بھی بات نہیں پائی جاتی، اس لئے سود کی آئی ہوئی رقم اس میں خرچ کرنا درست نہیں۔

بیع باطل اور بیع فاسد

مصور کپڑے کی خرید وفروخت

سوال:- آج کل ایسے کپڑے بھی بازار میں فروخت ہو رہے ہیں جن میں تصویریں ہوتی ہیں، ایسے کپڑے پہننے، خریدنے اور فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟ (حمید الرحمن، بنگلور)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ذی روح کی تصویر کشی سے منع فرمایا ہے،(۱) اس لئے اگر کپڑے پر غیر ذی روح چیزیں جیسے درخت مکان وغیرہ کی تصویر ہو تو اس کا خریدنا، بیچنا اور پہننا جائز ہے، جاندار کی تصویر جائز نہیں، نہ اس طرح کا کپڑا چھاپنا درست ہے، نہ فروخت کرنا اور نہ خرید کرنا، نیز ایسا کپڑا پہن کر نماز ادا کی جائے تو اس میں بھی کراہت ہے، یہ عام جاندار کی تصویر کا حکم ہے، اگر غیر مسلموں کے دیویوں اور دیوتاؤں یا عیسائیوں کے طریقہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کی شبیہ کپڑے پر پرنٹ کی جائے اور اسے خرید وفروخت کیا جائے یا پہنا جائے، تو یہ اور بھی شدید گناہ ہے؛ بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔

مردار مرغی کی فروخت

سوال:- مردار جانور کو فروخت کرنے کے تعلق سے

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۲۲۵، باب بیع التصاویر التی لیس فیها روح وما یکره من ذلك

شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایک مسلمان کی چکن سنٹر کی دکان ہے، جو مرغی مرجاتی ہے، اسے وہ صاحب فروخت کر دیتے ہیں، کیا اس طرح حاصل کی ہوئی رقم جائز ہے؟ اگر حرام ہے تو پھر اس رقم کا مصرف کیا ہو؟ (شیخ محمد فرید الدین، سعید آباد)

جوارب :- مردار مرغی حرام ہے، جیسے اس کا کھانا حرام ہے، اسی طرح اس کا کھلانا بھی حرام ہے؛ کیوں کہ مردار مرغی کو بیچنے میں خریدار کو مردار کھلانے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ دھوکہ بھی دیا گیا؛ اس لئے یہ دوہرا گناہ ہوا، اسی لئے مردار کو بیچنا جائز نہیں اور فروخت کر ہی دے تو اس کی آمدنی حلال نہیں: "لم یجز بیع المیتة و الدم الخ "(۱) —— جو آمدنی اس سے حاصل ہو چکی ہو، اگر اس کے مالکان کو واپس کرنا ممکن ہو تو واپس کر دے، واپسی کے وقت اس کا اظہار ضروری نہیں ہے، ہدیہ و تحفہ کے نام پر بھی رقم دی جا سکتی ہے، اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو بلا نیت ثواب صدقہ کر دے اور توبہ و استغفار کرے۔

چرچ کے لئے مکان فروخت کرنا

سوال :- میں ایک ایسے محلہ میں رہتا ہوں جس میں غیر مسلموں کی آبادی ہے اور غالباً میں واحد شخص ہوں جس کا مکان ابھی اس محلہ میں باقی ہے، مختلف ہندو حضرات خریدنے کے لئے آتے ہیں؛ لیکن جب وہ اپنے پنڈت کو لاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس کا واستو صحیح نہیں ہے، تو لوگ واپس ہو جاتے ہیں، اب کچھ کرسچن حضرات آگے آئے ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم اس مکان کو خرید کر چرچ بنانا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں کیا ہمارے لئے ان حضرات سے اپنا مکان بیچنا درست ہوگا؟ (احمد حسین)

---

(۱) البحر الرائق: ۶/۱۱۵

جواب:- شریعت میں جس طرح گناہ سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح گناہ میں تعاون کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور سب سے بڑا گناہ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا ہے، اس لئے چرچ بنانے کے لئے اپنا مکان فروخت کرنا درست نہیں:

"ولو استاجر ذمي من مسلم بيعة ليصلي فيها لم يجز: لأنه استيجار لفعل المعصية" (۱)

کیمیکل پٹرول کی فروخت

سوال:- آج کل دوکانوں میں یا سڑک کے کنارے پٹرول فروخت کیا جاتا ہے، یہ اصل میں کیمیکل سے بنا ہوا پٹرول ہوتا ہے، جو پمپ پر ملنے والے پٹرول کے مقابلہ بہت ارزاں ہوتا ہے؛ لیکن یہ کیمیکل سے بنا ہوا پٹرول انجن کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور بتدریج اس کا نقصان ظاہر ہوتا ہے، تو کیا یہ ظاہر کئے بغیر کہ یہ پٹرول کیمیکل سے بنا ہوا ہے اسے فروخت کیا جا سکتا ہے؟

(فہد باسلیمان، بارکس)

جواب:- جب کیمیکل سے بنا ہوا پٹرول زمین سے نکلنے والے پٹرول کے مقابلہ گھٹیا، نیز انجن کے لئے نقصان دہ بھی ہے تو اس کی حیثیت کھلے ہوئے عیب کی ہے اور شرعاً یہ بات واجب ہے کہ بیچنے والا خریدار کے سامنے سامان کے عیب کو ظاہر کردے اور اسے چھپائے نہیں، چھپانے کی صورت میں وہ گناہ گار تو ہوگا ہی قانونی طور پر خریدار کو یہ بھی حق ہوگا کہ عیب سے واقف ہونے کے بعد وہ اسے واپس کردے اور اگر استعمال میں لانے کے بعد واقف ہو تو بیچنے والے سے اس کمی اور گھٹیا پن کا معاوضہ وصول کرے، اس لئے یہ ظاہر کئے بغیر کہ یہ کیمیکل پٹرول ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ۴/ ۲۰

مغصوبہ زمین کی خرید و فروخت

سوال:- ہم نے بھولکپور مشیر آباد میں ۲۵۰ گز کا مکان ایک شخص پر بھروسہ کرتے ہوئے کرایہ پر دیا تھا، لیکن اس شخص نے میرے مکان پر قبضہ کرکے دوسرے شخص سے اس مکان کو فروخت کر دیا، ہم اپنی مفلسی کی وجہ سے مقدمہ نہیں لڑ سکے، اس پس منظر میں آپ سے سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کا میدان حشر میں کیا انجام ہوگا؟ نیز جس شخص نے جانتے بوجھتے ہوئے اس شخص سے یہ مکان خرید اس کا حشر کیا ہوگا؟ کیا اس طرح کا عمل جائز ہے؟

(محمد رحیم الدین، بھولکپور، مشیر آباد)

جواب:- مکان کو غصب کرنا اور وہ بھی اپنے ایک محسن کا جس نے کرایہ پر دیا ہو، نہایت ہی افسوسناک بلکہ شرمناک اور سخت گناہ ہے، حضرت سعید بن زید ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ظلماً حاصل کرلی، تو قیامت کے دن اس کے گلے میں زمین کی ساتوں تہوں کا قلادہ ڈالا جائے گا'' (۱)

غصب کے سلسلہ میں زمین کی بابت جتنی سخت وعید آئی ہے، غالباً کسی اور شئی کے غصب کرنے کے سلسلہ میں ایسی وعید نہیں آئی، (۲) اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، یہ فروخت کرنے والے کے لئے بھی حرام اور گناہ ہے اور جو جانتے بوجھتے خرید کرے، وہ بھی حرام اور گناہ کا مرتکب ہے۔

بلیک رقم سے قیمت کی ادائیگی

سوال:- کسی عمارت کی فروخت کے وقت نقد رقم ادا کرنا

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۱۰ (۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۴

اور باقی رقم بلیک میں دینا جائز ہے؟　　(وسیم الدین، چھتی)

جواب:- اگر آپ نے کچھ رقم قانونی طور پر وصائت کی شکل میں ادا کی اور کچھ بلیک میں تو قیمت ادا ہو جائے گی اور خرید و فروخت کا معاملہ درست ہو جائے گا؛ کیوں کہ شرعی قانون کے لحاظ سے حلال طریقہ پر حاصل کردہ رقم سے قیمت کا ادا کر دینا کافی ہے؛ لیکن جب ہم اس ملک کے شہری ہیں تو گویا ہم نے ملکی قوانین کی پاسداری کا عہد کیا ہے؛ لہٰذا ہمیں اس عہد کو پورا کرنا چاہئے، اگر ہم کسی ایسے ملکی قانون کی خلاف ورزی کریں، جو شرعی واجبات یا محرمات سے متصادم نہ ہو تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

غیر قانونی طور پر لکڑی کاٹ کر بیچنا

سوال:- اگر کوئی شخص جنگل سے لکڑی کاٹ کر بازار میں بیچتا ہے، تو کیا وہ کوئی صحیح ہے، کیا وہ شخص شریعت کا گنہگار ہے، اور اگر جنگل کا ٹنڈر Tender کسی نے لیا ہے، تب بھی وہ شخص پہاڑوں میں سے لکڑی لاتا ہے، کیا تب بھی وہ گنہگار ہے؟

(شیخ جوہر، ناندیڑ)

جواب:- جنگل کسی شخص کی ملکیت نہیں ہے، قانوناً حکومت کی ملکیت ہے، لہٰذا جیسے کسی شخص کی مملوکہ جائداد کا بلا اجازت لے لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس اجتماعی ملکیت کا بھی بلا اجازت لے لینا درست نہیں ہے، پھر یہ کہ ہم حکومت سے وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو حکومت کے قانون پر قائم رکھیں گے، اور جنگل کی لکڑیاں کاٹ کر لانا اور اسے بیچنا خلاف قانون عمل ہے، تو یہ حکومت کے ساتھ وعدہ خلافی بھی ہے، گویا یہ دہرے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے؛ اس لئے خلاف قانون اور بلا اجازت نہ جنگلات اور پہاڑوں سے لکڑیاں کاٹ کر لانا جائز ہے نہ اس کی آمدنی، مسلمانوں کو بہر حال ایسی بات سے بچنا چاہئے۔

جنسیات سے متعلق کتابیں فروخت کرنا

سوال:- میرا ایک بڑا بک اسٹال ہے، جس میں نصابی اور غیر نصابی ہر طرح کی کتابیں ملتی ہیں، بعض کتابیں جنسیات سے متعلق ہوتی ہیں، مرد کا طلب اس کا مطالعہ کرتے ہیں، ایسی کتابیں ہم اپنے مکتبہ سے فروخت کر سکتے ہیں؟ (مسیح الدین، مقام غیر مذکور)

جواب:- جنسیات سے متعلق کتابیں دو طرح کی ہو سکتی ہیں، ایک وہ جن میں فحش اور ناشائستہ تصویریں ہوں اور جن سے نوجوانوں میں ہیجان پیدا ہوتا ہو، ایسی کتابوں کا فروخت کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ گناہ میں ایک قسم کا تعاون ہے، دوسری قسم کی کتابیں وہ ہیں جن میں صنفی مسائل کو علمی، اخلاقی اور اصلاحی نقطۂ نظر سے بیان کیا گیا ہو، بالغوں اور قریب البلوغ لوگوں کو ایسی کتاب فروخت کرنا درست ہے، مسلمان تاجران کتب کی ذمہ داری ہے کہ وہ مخرب اخلاق کتابوں کے جمع کرنے، انہیں فروخت کرنے اور ان کی اشاعت کا ذریعہ بننے سے بچیں؛ کیوں کہ ایسی کتابیں وغیرہ فروخت کرنا نہ صرف یہ کہ گناہ میں تعاون ہے؛ بلکہ اس کی تبلیغ واشاعت بھی ہے۔

راشن کے غلہ کو فروخت کر دینا

سوال:- ہمارے شہر میں اکثر راشن دکانوں پر جو راشن غریبوں کے لئے حکومت کی طرف سے آتا ہے، وہ زیادہ قیمت میں دکانوں پر بیچ دیا جاتا ہے، اور اکثر غریبوں کے راشن کو روکے ہوتے ہیں، وہ اگر پوچھتے تو کہہ دیتے ہیں کہ مال نہیں آیا یا پھر دکان ہی بند رہتی ہے، غریبوں کو ان کا حق نہیں ملتا، کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے؟ روزی کمائی حلال ہے، ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ دکاندار کے

جب سرکار سے مال خرید لیا تو وہ مال اس کا ہو گیا، اب وہ جسے چاہے
جتنی قیمت میں چاہے، بیچ دے، یہ شرعی گناہ نہیں ہے، وہ شخص
شریعت کا گناہگار نہیں، بلکہ حکومت کا گنہگار ہے، اس کا حل بتایئے۔
(شیخ جوہر، ناندیڑ)

جواب:- حکومت غریبوں کے لئے جو راشن فراہم کرتی ہے، اس کا معاملہ صرف یہ نہیں ہے کہ حکومت نے ڈیلر سے اجناس فروخت کردی ہیں؛ بلکہ وہ زیادہ پیسوں میں کسان سے اجناس خریدتی ہے، اور نقصان کے ساتھ ڈیلر کو دیتی ہے کہ کم قیمت میں غریبوں کو غلہ فراہم کرے اور ڈیلر کو ان کا نفع بھی دیتی ہے، اس طرح راشن کا ڈیلر خود مختار تاجر نہیں ہے؛ بلکہ وہ حکومت کا وکیل ہے؛ اس لئے اس کا دوسروں سے زیادہ قیمت میں بیچنا جائز نہیں ہے، یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے، اور جو زائد پیسے اس نے حاصل کئے ہیں، وہ اس کے لئے حرام ہیں، نیز جو لوگ اس بات کو جانتے بوجھتے اس سے مال خریدتے ہیں، ان کا مال خریدکرنا بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ جس مال کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ چوری کا ہے، تو اس کو خریدکرنا بھی جائز نہیں۔

راشن ڈیلر سے غیر کارڈ گیرندوں کا سامان خریدنا

سوال:- راشن ڈیلر بعض دفعہ سامان غیر قانونی طور پر
راشن کا سامان فروخت کردیتے ہیں، کیا ڈیلر سے ایسے سامان کا
خرید کرنا درست ہوگا؟ (فہد با سلیمان، بارکس)

جواب:- راشن ڈیلر کو حکومت غریب افراد کو سستے داموں سامان فراہم کرنے کے لئے کم قیمت پر بعض ضروری اشیاء فراہم کرتی ہے، اور حکومت کی طرف سے یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ یہ اشیاء کارڈ والوں ہی کو فراہم کی جائیں، دوسروں کو نہیں، اور اس سلسلہ میں اصل قیمت سے کم قیمت لگا کر بقیہ خسارہ خود حکومت برداشت کرتی ہے، اس لئے ڈیلر کا دوسرے لوگوں کے ہاتھ سامان فروخت کرنا جائز نہیں اور نہ لینا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ قانون کی خلاف

ورزی بھی ہے، چوری بھی، دھوکہ دہی بھی اور اصل حقدار وں کے ساتھ حق تلفی بھی، خریدار گو براہ راست اس میں ملوث نہیں، لیکن اس صورت حال کو جانتے ہوئے، پھر اس سامان کو خرید کرنا ان گناہوں میں شریک ہونے کے مترادف ہے۔

شراب کے کارخانہ میں بوتل کی سپلائی

سوال:- ہمارا ایک کاروبار اس وقت اچھی طرح چل رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم بوتلیں جمع کرتے ہیں اور اسے شراب کی دوکان کو فروخت کردیتے ہیں، دکان والے اس میں شراب رکھ کر بیچتے ہیں، کیا میرا یہ کاروبار جائز ہے؟

(محمد نظام الدین ، حافظ بابا نگر)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے جیسے گناہ کے ارتکاب سے منع فرمایا ہے اسی طرح گناہ کے کاموں میں تعاون سے بھی منع کیا گیا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾(۱)

چنانچہ خود شراب کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے شراب پلانے والے پر لعنت فرمائی ہے، شراب اٹھانے والے پر بھی لعنت بھیجی ہے،(۲) اس سے صاف ظاہر ہے کہ شراب کے کاروبار میں تعاون بھی ناجائز ہے؛ لہٰذا یہ جاننے کے باوجود کہ آپ کے سپلائی کئے ہوئے بوتل کا استعمال شراب ہی کے لئے کیا جائے گا، آپ کا ان سے بوتل فروخت کرنا جائز نہیں، کہ یہ گناہ میں تعاون ہے۔

---

(۱) المائدۃ:۲

(۲) "لعن رسول اللہ ﷺ شارب الخمر وساقیہا" (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر ۱۳۰۲۱)

زنجیری تجارت

سوال:- آج کل تجارت میں چین سسٹم بہت رائج ہے، جیسے ایم، وے، ریڈ گروتھ وغیرہ، اس میں ممبر بنا کر مال بیچا ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ (عبدالرحیم، مظفرپور)

جواب:- خرید وفروخت کا جو یہ طریقہ مروج ہو گیا ہے اور متعدد ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی اس کا استعمال کر رہی ہیں، اس میں بہت سے اخلاقی مفاسد شامل ہیں اور شریعت میں خرید وفروخت کے جو اصول بیان کیے گئے ہیں، ان کے مغائر باتیں پائی جاتی ہیں، اس لیے ہندوستان کے تقریباً سبھی معتبر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، دارالعلوم کراچی پاکستان وغیرہ نے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ابھی چند ماہ پہلے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سولہویں فقہی سمینار منعقدہ اعظم گڈھ میں ملک وبیرون ملک کے علماء شریک ہوئے اور سبھوں نے باتفاق رائے اس کو ناجائز قرار دیا، یہی تجویز عالم عرب کی بعض اکیڈمیوں کی بھی ہے، اس لیے اس نوع کے کاروبار میں شریک ہونا درست نہیں ہے۔

دوسرے کے لائسنس پر میڈیکل شاپ

سوال:- نوے فیصد میڈیکل شاپ دوسروں کی ڈگری لے کر لائسنس حکومت سے لے کر چلاتے ہیں اور میڈیکل دوکان کے مالک ان ڈگری والوں کو ماہانہ یا سالانہ ڈگری کا معاوضہ دیتے ہیں، اس کے بغیر لائسنس نہیں ملتا اور میڈیکل چلانے والے دواؤں میں ڈگری والوں سے زیادہ ماہر ہوتے ہیں۔

(سید عابد علی، مقام غیر مذکور)

جواب:- اگر حکومت نے ڈگری لینے والے کو لائسنس دیا ہے اور اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ خود ہی دوکان کر سکتے ہیں، تو دوسرے شخص کا اس لائسنس پر دوکان کرنا خلاف

قانون ہونے کی وجہ سے وعدہ خلافی میں شامل ہے، کیوں کہ ہم نے حکومت سے اس کے قوانین کے پابند رہنے کا عہد کیا ہے، اور لائسنس یافتہ شخص کا لائسنس کے استعمال کی اجرت لینا رشوت کے حکم میں ہے، اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ دوکان میں کچھ نہ کچھ اس لائسنس یافتہ شخص کی پارٹنرشپ حاصل کر لی جائے، اور گاہے گاہے وہ شخص آکر دواؤں کے مسئلہ میں مطلوبہ مشورہ دے، تاکہ وہ اس دوکان میں شریک سمجھا جائے اور اس کے لئے اجرت جائز قرار پائے، یہ بھی اس صورت میں ہے جب کہ دوکان چلانے والا موجود شخص دواؤں کے بارے میں اچھی واقفیت رکھتا ہو، تاکہ عام لوگوں کو ضرر نہ پہنچے، جو لوگ دوا کے بارے میں واقف بھی نہ ہوں، ان کے لئے تو ایسی دوکان کا چلانا ہی جائز نہیں؛ کیوں کہ عمومی اور اجتماعی نقصان کی اہمیت انفرادی مفاد سے بڑھ کر ہے۔

غلط مقاصد کے لئے کیمرہ خریدنے والے کو کیمرہ فروخت کرنا

سوال:- جو برائیاں اس وقت معاشرہ میں عام ہوگئی ہیں، ان میں ایک بلیو فلموں کی تیاری ہے، جس میں اوباش لڑکے اور لڑکیوں کو تصویر قید کی جاتی ہے اور پھر فلم بنانے والا اس سے بہت سارے پیسے کماتا ہے اور اس کے لئے نہایت ترقی یافتہ کیمرے استعمال کئے جاتے ہیں، اگر زید کو معلوم ہو کہ یہ کیمرہ اسی مقصد کے لئے خرید کیا جا رہا ہے، تو کیا وہ اس کو کیمرہ فروخت کر سکتا ہے؟ کیوں کہ اگر وہ اس سے کیمرہ نہیں بیچے گا تب بھی دوسرے لوگ تو اسے مہیا کر ہی دیں گے۔ (ایک مسلم بھائی، حیدرآباد)

جواب:- جس طرح گناہ کا ارتکاب حرام ہے، اسی طرح حرام کام میں تعاون بھی حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (۱) کیوں کہ

---

(۱) المائدة: ۲

اس سے معاشرہ میں گندہ اور بے حیائی کی باتوں کی ترویج ہوتی ہے — کس عمل کو حرام میں تعاون سمجھا جائے گا؟ اس سلسلہ میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ وہ شئی ایسی ہو، جو صرف گناہ ہی کے لئے استعمال ہوسکتی ہو، دوسری یہ کہ استعمال تو اس کا جائز و ناجائز دونوں کاموں کے لئے ہو، لیکن معلوم ہو کہ لینے والا شخص اسے کارِ گناہ کے لئے ہی لے رہا ہے، جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں یہ دوسری بات پائی جارہی ہے؛ اس لئے یہ صورت قطعاً جائز نہیں ہے، رہ گئی یہ بات کہ کوئی دوسرا شخص اسے کیمرہ فراہم کردے گا، تو یہ کسی بات کے جائز ہونے کے لئے کوئی معقول دلیل نہیں؛ اس لئے گناہ کا ارتکاب کرنا کہ اگر وہ اپنے آپ کو دور رکھے تو دوسرا اس کا مرتکب ہوجائے گا، نہ شریعت اس کو جائز رکھتی ہے اور نہ قانون واخلاق اس کی اجازت دیتا ہے۔

زیادہ پیسے دے کر چینج (چلر) حاصل کرنا

سوال:- دوکانوں اور خاص کر ہوٹلوں میں چینج (چلر) کی ضرورت بکثرت پیش آتی ہے: چنانچہ لوگ ۱۰۰ روپے دے کر ۹۵ روپے کا چلر حاصل کرتے ہیں کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ بعض لوگ اس کو منع بھی کرتے ہیں۔ (عبدالغفار، ٹولی چوکی)

جواب:- روپیہ کا روپیہ سے تبادلہ ہو، خواہ کاغذی نوٹ ہو یا سکہ ہو تو دو باتیں ضروری ہیں: اول یہ کہ دونوں طرف سے نقد ہو، ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار نہ ہو جیسے صبح میں ۱۰۰ کا نوٹ دیا جائے اور شام میں ۱۰۰ روپیہ کا چینج حاصل کیا جائے تو یہ درست نہیں؛ کیونکہ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہوگیا، دوسرے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں طرف سے برابری ہو ۱۰۰ روپے کے بدلے پچانوے روپے حاصل کیے جائیں تو ایک طرف سے زیادہ رقم ہوئی اور دوسری طرف سے کم، یہ بھی جائز نہیں، اس لئے نوٹ اور سکے کا تبادلہ دونوں طرف سے نقد اور برابر ہونا چاہئے، ایک طرف سے نقد اور دوسری

طرف سے ادھار یا ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو تو جائز نہیں ؛ بلکہ سود کے حکم میں ہے ، اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے ۔

خون کی خرید وفروخت

سوال :- آج کل اخبارات میں خبر آتی ہے کہ بعض جگہ خون فروخت کیا جارہا ہے تو خون کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے ؟ (سید محی الدین شاہ مہدی پٹنم)

جواب :- خون ناپاک شئے ہے ، اور اس کی خرید وفروخت ناجائز اور باطل ہے : "بطل بيع ما ليس بمال ... كالدم " (۱) لیکن علاج کے نقطۂ نظر سے چوں کہ بعض وقت خون لینا ضروری ہو جاتا ہے اور قیمت ادا کئے بغیر خون نہیں مل پاتا تو ایسی مجبوری کے وقت خون خریدنا درست ہے ، فروخت کرنا کسی صورت جائز نہیں ، اسی طرح از راہ علاج چونکہ خون چڑھانے کی اجازت ہے ؛ اس لئے بوقت ضرورت رضا کارانہ طور پر خون دینا درست ہے ؛ بلکہ مستحسن اور باعث ثواب ہے ۔

فینانس کے ذریعہ گاڑی خریدنا

سوال :- آج کل فینانس کے ذریعہ گاڑی خریدنے کا رواج عام ہو گیا ہے ، کیا اس طرح گاڑی خریدنا درست ہے ؟

(محمد فاروق ، ادبے نگر کالونی)

جواب :- فینانس کمپنی کے اصول وطریقہ کار سود پر مبنی ہیں ، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہئے ، تاہم اگر کوئی معاشی موقف کے کمزور ہونے کی وجہ سے فینانس کے ذریعہ ہی گاڑی لینے پر مجبور ہو تو اسے چاہئے کہ طے شدہ قسط پابندی سے ادا کرے ؛ کیونکہ پابندی سے ادا نہ کرنے کی صورت میں جو پنالٹی کمپنی لیتی ہے وہ بالکل غیر

(۱) درمختار علی هامش الرد : ۵/۲۳۵

شرعی ہے اور قسط پابندی سے ادا کرنے میں اس کا جواز اس طرح ممکن ہے کہ کمپنی جو زائد رقم ہر قسط میں وصول کرتی ہے اسے سود سمجھنے کی بجائے گاڑی کی قیمت تصور کیا جائے۔

وظیفہ فروخت کر دینا

سوال:- بہت سے لوگ آج کل اپنا پورا وظیفہ کا کچھ حصہ بیچ دیتے ہیں، اس طرح انہیں یکمشت رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور اس سے کوئی اہم کام کر لیا جاتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ (محمد نعیم، ملکنڈہ)

جواب:- قاعدہ یہ ہے کہ اگر روپے کو روپے کے بدلہ بیچا جائے تو لین دین نقد ہونا چاہئے، اور مقدار میں برابری ہونی چاہئے، اگر ایک طرف سے ادھار، یا ایک طرف سے کم ہو تو یہ سود میں داخل ہے، فرض کیجئے کہ ایک شخص نے ایک لاکھ میں اپنا وظیفہ فروخت کیا اور اس کے بعد بیچنے والا دس سال زندہ رہا، خریدنے والے نے اس عرصہ میں ایک لاکھ دس ہزار روپے یا نوے ہزار روپیہ وصول کیا، تو یہ دونوں طرف روپے کی مقدار میں برابری نہیں ہوئی، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو گیا، پھر غور کیا جائے تو اس میں قمار (جوا) بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ جس نے ایک لاکھ روپے میں وظیفہ خریدا ہے، نہیں معلوم کہ وہ دو چار مہینہ استفادہ کر سکتا ہے، یا دس پندرہ سال، اور یہ کیفیت جس میں نفع ونقصان کا انجام معلوم نہ ہو، قمار میں داخل ہے، اس لئے یہ صورت سود اور جوا سے مرکب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے؛ چنانچہ اسی طرح کا ایک طریقہ قدیم فقہاء کے یہاں "جامکیہ" کے نام سے مروج تھا، جس میں بیت المال میں مستحق وظیفہ فروخت کر دیا جاتا تھا، مشہور فقیہ علامہ شامی نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

"إذا باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح" (١)

---

(١) در مختار مع الرد: ۴/۵۱۷، طبع کراچی

دیویوں، دیوتاؤں کی تصویر فروخت کرنا

سوال :- ہمارا کاروبار آئینہ فروخت کرنے کا ہے، دیوالی کے موقع پر ہم لوگ دیوی، دیوتاؤں کے پوسٹر بھی فریم کر کے فروخت کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (عبدالقیوم، اورنگ آباد)

جواب :- اللہ تعالیٰ نے گناہ میں تعاون کرنے سے منع فرمایا ہے(۱) اسی اصول پر فقہاء نے ان تمام افعال کو منع کیا ہے جو گناہ میں تعاون اور تقویت کا باعث بنیں(۲) اور شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں، اس لیے یہ صورت درست نہیں ہے۔

شراب کے کاروباری سے جائداد فروخت کرنا

سوال :- میرے پڑوسی کا شراب کا کاروبار ہے، اس کو جائداد کی نوعیت کی وجہ سے جگہ کم پڑ رہی ہے، وہ میری جائداد خریدنا چاہتا ہے، کیا اس کو جائداد فروخت کرنا جائز ہے؟ نیز کچھ عرصہ قبل میں نے اسی سے کہا تھا کہ اگر فروخت کرنے کا ارادہ ہوا تو اس کو اطلاع کردوں گا، کیا میں اس کو اطلاع دینے کا پابند ہوں، یا اس سے فروخت کرنا جائز نہیں ہے؟ (سید خورشید حسن)

جواب :- آپ کے سوال میں یہ واضح نہیں ہے کہ وہ صاحب زمین کس مقصد کے لئے خرید کرنا چاہتے ہیں، شراب کی دکان کے لئے یا اپنے مکان یا کسی اور جائز کاروبار کے لئے؟ اگر شراب کی دکان کے لئے خرید کرنا چاہتے ہوں اور یہ بات پہلے سے آپ کے علم میں ہے تو ان کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہوگا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا نقطۂ نظر ہے؛ کیوں کہ یہ گناہ میں تعاون ہے؛ لیکن اگر وہ اپنی رہائش، جائز کاروبار یا کسی اور جائز مقصد کے لئے لے رہے ہیں تو ان سے بیچنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ زمین تو کسی غیر مسلم بھائی کے

---

(۱) المائدۃ:۲ (۲) ردالمحتار : ۹/۵۶۱

ہاتھ بھی بیچی جاسکتی ہے، چہ جائے کہ گنہگار مسلمان کے ہاتھ —— پھر اگر وہ شراب کے کاروبار ہی کے لئے جگہ لینا چاہتے ہیں تو آپ اخلاقی جرأت کا ثبوت دیں اور ان سے کہیں کہ میرا ارادہ تو زمین فروخت کرنے کا ہے ؛ لیکن چوں کہ علماء نے مجھے بتایا ہے کہ اس مقصد کے لئے خرید کرنے والے کو جگہ بیچنا جائز نہیں اور اگر بیچوں تو میں بھی اس گناہ میں شریک سمجھا جاؤں گا ، اس لئے میں آپ کو فروخت کرنے سے معذور ہوں ، یہ آپ کی طرف سے ایک خاموش دعوت بھی ہوگی ، اور اگر اتنی ہمت آپ اپنے اندر نہ پاتے ہوں تو اس وعدہ کو پورا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ؛ کیوں کہ اللہ کے حکم کی اہمیت اس سے زیادہ ہے ، انسان اگر کسی گناہ کی بات کا نہ صرف عہد کرے ؛ بلکہ اس پر قسم کھالے تب بھی اس عہد کو پورا نہیں کرنا اور اللہ کے حکم پر قائم رہنا واجب ہے ۔

ملکیت اور قبضہ سے پہلے فروخت

سوال :- ملکیت کے بغیر کسی چیز کی فروخت ، سامان پر قبضہ سے پہلے اس کی فروخت اور غیر حاضر چیز کی بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ آج کل اسٹاک اکسچینج اور شیئرز کی فروختگی میں درج بالا طریقہ سے تجارت کی جارہی ہے ، کیا ایسی تجارت میں مسلمانان ہند بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں ؟

(قاری ، ایم ، ایس خان ، ملک پیٹ)

جواب :- جو چیز ابھی ملکیت میں نہ آئی ہو یا ملکیت میں آگئی ہو ، مگر قبضہ نہیں ہوا ہو ، اس چیز کو بیچنا درست نہیں ، رسول اللہ ﷺ نے قبضہ اور ملکیت سے پہلے کسی چیز کو بیچنے سے منع فرمایا ہے ، فقہاء نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے :

" ...... وأن یکون ملك البائع فیما یبیعه لنفسه ، وأن یکون مقدور التسلیم " (۱)

---

(۱) رد المحتار : ۷/۲۴۱

دوسروں کو فروخت کردیتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(اے امتیاز احمد، چمنی)

جواب:- اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے تجارت سے متعلق شریعت کے دو بنیادی اصولوں کو سمجھنا ضروری ہے: ایک یہ کہ جب تک کسی چیز پر قبضہ حاصل نہ کرلیا جائے اس کو بیچنا درست نہیں، دوسرے: اگر ایک شخص خود ایک چیز کو قبضہ میں نہ لے کسی دوسرے کو قبضہ کرنے کا ذمہ دار بنادے جس کو فقہ کی اصطلاح میں وکیل کہتے ہیں تو اس دوسرے شخص کا قبضہ کرلینا بھی کافی ہے؛ لہذا آپ جس شخص یا کمپنی سے مال خرید کرتے ہیں تو اس کو منگوانے کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کا کوئی نمائندہ مال وصول کر کے آپ کو بھیج دے، مال لانے والے کی اجرت آپ سے متعلق ہو اور بیچنے والے پر صحیح سالم مال پہنچنے کی ذمہ داری نہ ہو تو ایسی صورت میں گویا آپ وکیل کی معرفت اپنے مال پر قبضہ حاصل کر چکے ہیں؛ لہذا اس مال کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے آپ کے لئے اس کو فروخت کردینا اور نفع حاصل کرنا جائز ہوگا، اور اگر درمیان میں مال کو کوئی نقصان پہونچا تو بیچنے والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، اور اگر مال کو آپ تک پہنچانا بیچنے والے کی ذمہ داری تھی، اس نے اپنی پسند اور سہولت کے مطابق کسی ذریعہ سے آپ کو مال بھیجا، درمیان میں مال کو کوئی نقصان پہونچ جائے تو وہ اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہے تو ایسی صورت میں ابھی نہ آپ نے خود مال پر قبضہ کیا ہے اور نہ آپ کے وکیل نے، اس لئے مال کے وصول ہونے سے پہلے نہ اس کو بیچنا جائز ہوگا اور نہ اس پر حاصل ہونے والا نفع حلال ہوگا۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

❀ ❀ ❀

❀